فہم دین

جلد سوئم

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6 مرکز الاویس، دربار مارکیٹ، شیخ ہجویری شریف، لاہور

042-7115771, 0333-8173630, 0321-9407699

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

اِدارہ صِراطِ مُستقیم پاکستان

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

ادارہ صراطِ مستقیم پاکستان

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (سورة التوبہ:۱۲۲)

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کے لیے

فہم دین

جلد سوئم

2006-07

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز
۶ مرکز الاویس دا تا دربار مارکیٹ شیخ ہندی سٹریٹ لاہور
0333-8173630-042-7115771

نام کتاب	فہم دین (جلد سوئم)
افادات	ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی
مرتب:	مولانا محمد عبدالکریم جلالی فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہرالاسلام داروغہ والا لاہور
تخریج:	مولانا مسعود احمد جماعتی فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہرالاسلام داروغہ والا لاہور
پروف ریڈنگ	محمد نعیم اللہ خاں قادری (بی ایس سی۔بی ایڈ ایم اے اردو)
باہتمام	شیخ محمد سرور اویسی
تیسرا ایڈیشن	16 ستمبر 2008ء
تعداد	600
صفحات	432
ہدیہ	260 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ رضویہ لاہور / مسلم کتابوی لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور / جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور

کرمانوالہ بک شاپ لاہور / مکتبہ فیضان مدینہ گھکڑ

مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات

مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ / شبیر برادر لاہور

جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بہاوالدین

مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699

انتساب

قائد اہلسنت

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے نام

جنہوں نے زندگی کی آخری سانس تک نظام

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کیلئے کوشش کی

محمد اشرف آصف جلالی

پرنسپل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور

بانی ادارہ صراط مستقیم پاکستان

۱۰ ستمبر ۲۰۰۷

فہرست مضامین

باب نمبر 6

باب نمبر 7

باب نمبر 8

باب نمبر 9

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ: ممتاز ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی (فیصل آباد)

اسلام دین کامل ہے کہ اس کی تعلیمات فرد سے معاشرے تک، بدن سے روح تک، عقیدہ تک، تدبیر منزل سے سیاست مُدن تک، راعی سے رعایا تک، مرد سے عورت تک ابتدائے حیات سے اختتام حیات تک، مبدأ سے معاد تک اور خیالات سے روّیوں تک کو محیط ہیں، انسانی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس کے ضوابط الہامی تعلیمات کے سایوں میں ترتیب نہ پائے ہوں، یہ ہمہ گیریت صرف اور صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ وعدہ الست کی پاسداری اسی کو زیبا ہے۔ قرآن مجید کا کلمہ واعراب ہی محفوظ نہیں اس کی مراد بھی پناہ رسالت میں ہے۔ قرآن صامت کو قرآن ناطق کے اُسوہ نے اپنے حصاروں میں لے رکھا ہے۔ حیرت ہوتی ہے اور اس حیرت کی شدت سجدہ گزاری کی تحریک بنتی ہے کہ اس قدر متنوع کیفیات اور اس قدر بوقلمون حالات کس طرح ایک میزان کے پابند بنا دیئے گئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ کے تریسٹھ سال کیسے تریسٹھ ہزار بلکہ لامتناہی صدیوں کیلئے راہنما قرار پائے ہیں۔ انسان بلند سے بلندتر بھی ہو جائے اُس کے دائرۂ اثر کا پھیلاؤ چہار جوانب کو محیط بھی ہو جائے۔ سماجی، ثقافتی، تمدنی اور سیاسی رویے کس قدر بھی پھیل جائیں اُنہیں بہرحال ایک وجود مکرم ﷺ کی پیروی میں رہنا ہے کہ کامیابی، کامرانی اور سرفرازی کا معیار یہی ہے۔

یاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا" (الاعراف 158)

"اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ خالق جو سب کا واحد خالق ہے اُس نے ہی پوری انسانیت کیلئے مجھے رسول بنایا ہے۔ معلوم ہوا جو انسان ہیں اُن کیلئے آپ ﷺ پیغامبر ھدایت ہیں سب کیلئے راہنما اور ہر ایک کیلئے اُسوہ حسنہ ہیں۔ انسان کسی دور کا ہو یا کسی حال میں ہو، اُس کو اپنی انسانیت کی بقا کیلئے اُسی وجود گرامی ﷺ کی طرف رجوع کرنا ہے کہ یہی حیات مبارکہ انسانی عظمتوں کی کفالت کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ تشریف نہ لائے تھے تب ہی انسانیت آپ کی ہی منتظر تھی۔ حیرت ہوتی ہے کہ جو وجود ابھی پیدا نہیں ہوا اُس کے وجود کی خبر سب کو کیسے ہوئی حالانکہ مشاہدہ تو یہ ہے کہ باپ کو بھی اُس

بیٹے کی خبر نہیں ہوتی جو ابھی پیدا نہیں ہوا، وہ کیسا ہوگا، شکل وصورت کیسی ہوگی، کردار وسیرت کی سطح کیا ہوگی، معاشرتی وسماجی مقام کیا ہوگا؟ مگر ایک ایسا وجود جو ابھی دنیا میں نہ آیا اُس کے بارے میں ہر کسی کو خبر اور اُس کی خبر ہر صحیفہ کی زینت پہلے اُن کی تلاش کرتے رہے اور جب وہ وجود محترم ﷺ تشریف لائے تو تاریخ کی نظر اُسی وجود پر مرتکز ہوگئی تریسٹھ سال کی حیات ظاہرہ کے بعد آپ ﷺ ظاہری نظروں سے پردہ فرما گئے مگر تاریخ انسانی اُنہیں نقوش قدم کی تلاش میں ہے۔ اللہ اکبر ایسا وجود انور کہ ماضی حال مستقبل اُس کے حوالے سے بے قیمت ہو گئے دوام کا ایک ایسا شاہکار جو ازل سے ابد تک محبتوں کا امین عقیدتوں کا مرکز اور تلاش کا حاصل رہا۔ ایسا کیوں ہوا؟ تخلیقی عمل کا تسلسل بتا رہا ہے کہ ایک وجود کو ہی حاصل تخلیق بنانا تھا اور یہ کہ اُسی وجود کے اُسوہ کو نجات وکامرانی کا وسیلہ قرار دینا تھا۔

تاریخ انسانی کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ان گنت مخلوق میں وہی سرفراز قرار پائے جنہوں نے باقی وجود سے رشتہ جوڑا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالق کائنات بھی اُس وجود کی تابانیاں باقی رکھنا چاہتا ہے وہ تو آج بھی اُسی انسان کو نظر رحمت سے نوازتا ہے جس میں کسی حیثیت سے اپنے محبوب کریم ﷺ کی کوئی جھلک دیکھتا ہے۔ اس لئے رضائے الٰہی کے متلاشیوں کو اُسی وجود سے رشتہ جوڑنا ہے انسان جب اپنے چوگردہ کو دیکھتا ہے تو اُسے ہزارہا مسائل نظر آتے ہیں جو اُس کی انسانیت پر شب خون مار رہے ہوتے ہیں وہ ان اُمڈے ہوئے مسائل سے نکلنا چاہتا ہے اور اس نجات کیلئے نت نئے منصوبے بناتا ہے مگر جلد ہی وہ اپنے تراشے ہوئے پیکروں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ در، در کی ٹھوکریں اور رسوائیاں اُسے بددل بھی کرتی ہیں اور مایوس بھی، آج کا انسان بھی اسی بے کیفی کا شکار ہے اور یقین ہے کہ یہ بے کیفی ملھوفیت کا جامہ اوڑھ لے گی جس کے کچھ آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔ ان غیر انسانی رویوں سے بچنے اور محفوظ پناہ گاہ میں آنے کا ایک ہی طریقہ ہے جو صدیوں کا آزمودہ ہے کہ انسان اُسی انسان کامل کے در پر حاضر ہو جائے جہاں نجات ہی نجات ہے، سرفرازی ہی سرفرازی ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بے پناہ مطالعہ اور بے تعال ذہانت سے ہی نسخہ شفا تجویز کیا تھا فرماتے ہیں۔

وَاِنْ قَنَطَتْ مِنَ العِصْيَانِ نَفْسٌ۔ فَبَابُ مُحَمَّدٍ بَابُ الرَّجَاءِ

''اگر نافرمانیوں کی کارفرمائیوں سے اس قدر بددل ہو گئے ہو کہ تمہارا نفس مایوسی کا شکار ہو گیا ہے تو کیا ہوا، محمد رسول اللہ ﷺ کا در اقدس اب بھی باب امید ہے۔''

یہ اس لئے کہ ہمیں جو کچھ درکار ہے اُسی دربار سے ملے گا کسی نے خوب کہا تھا۔

اُس رحمت عالم نے حسان کیا کیا نہ دیا انسانوں کو
دستور دیا منشور دیا کچھ راہیں دیں کچھ موڑ دیئے

وطن عزیز پاکستان کے حصول کا مقصد بھی یہی تھا کہ دربدری سے بچا جائے اور ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جہاں رحمت عالمین ﷺ کے پیغام کو اپنی زندگیوں میں یوں اتار لیا جائے کہ اس کی رحمتوں سے پیکر حیات منور ہو جائے۔ کس قدر بدقسمتی ہے کہ ہم نسخہء شفا کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس کی حلاوتوں سے فیض یاب نہ ہو سکے، یقیناً علماء حق نے ہر دور میں یہ فریضہ انجام دیا اور بحمد اللہ اولیاء باصفا کے دل اب بھی اسی معراج انسانیت کیلئے تڑپ رہے ہیں، مایوسی نہ بھی سہی مگر حوصلہ مندی کا کوئی سویرا بھی تو طلوع نہیں ہو رہا۔ ذہنوں کی پراگندگی کے اس دور میں بڑے قدآور ہیں وہ لوگ جو اس منزلت کے حصول کی تگ و دو میں شریک ہیں۔ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب کے بارے کچھ خوشگوار خبریں آ رہی ہیں، اب ان کی دعوت کے انداز کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو روشنی کی کرن محسوس ہوئی

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب نے ''ادارہ صراط مستقیم پاکستان'' قائم کیا تا کہ نشر ہدایت کا سامان ہو سکے، ارادوں کی تکمیل یوں ہوئی کہ **1426** رمضان المبارک کی رحمت بھری ساعتوں میں ''فہم دین'' کا ایک سلسلہ جاری کیا اور مسلسل چھبیس روز دین کے حوالوں سے معاشرتی تطہیر کا سامان کیا، میں نے ''فہم دین'' کے دو حصوں کو بالاستیاب پڑھا ہے، اس مطالعہ کے بعد میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر آصف جلالی صاحب کا عنوانات کے حوالے سے انتخاب بہت عمدہ ہی نہیں حکمت آمیز بھی ہے۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے عقائد سے اعمال تک مختلف موضوعات کو ان دروس کا مبحث بنایا ہے۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے عقائد کے حوالے سے اُن تمام الجھنوں کو

بڑی مہارت اور حکمت کے ساتھ دور کر دیا ہے جو کم فہمی، کوتاہ نظری یا فریب خوردگی کے باعث ذہنوں کو آلودہ کرتی ہیں

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے رسالت کے حوالے سے بھی اُن تمام بے اعتدالیوں کا محاسبہ کیا ہے جن کیوجہ سے رسالت پر ایمان میں جھول آتا ہے اور منصب رسالت کی عظمت کا یقین پیدا نہیں ہوتا، یہ مباحث مناظرہ وجدلیت کا موضوع رہے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے کمال چابکدستی سے ان کو واضح کیا ہے کہ ذہنوں کے غبار بھی چھٹتے ہیں مگر معاندت کی فضا بھی پیدا نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے بعض فقہی مسائل کو افادہ عوام کیلئے نہایت مؤثر ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان پر عمل پیرا ہونے میں سہولت ہی نہیں بلکہ تحریک پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے بعض معاشرتی مسائل کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اُن کی اہمیت کا بھرپور احساس ہونے لگتا ہے۔ ان مسائل کی معاشرہ میں تنفیذی بے راہ روی کو بڑی عمدگی اور کامل ایقان کے ساتھ واضح کیا گیا ہے جس سے اعمال صالح پر عمل پیرا ہونے کی تحریک جنم لیتی ہے

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے جدید دور کے اُن مسائل پر بھی گفتگو کی ہے جو عصر حاضر کے مسلمانوں کو اضطراب کا شکار بنا رہے ہیں۔ ''جہاد اور دہشت گردی میں فرق'' کے حوالے سے گفتگو ایک علمی وقار اور مومنانہ جذبوں کی ترجمان ہے۔ ''وقت اور مصروفیت'' جو ایک اور سلگتا ہوا سوال ہے اُس کو نفسیاتی اعتماد کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اور آج کے درپیش مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا حل بتایا گیا ہے جس سے بدیہی نتیجہ ''مومن کا مقصد حیات'' کا درس ہے۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے سود کے حوالے سے سلگتے ہوئے جذبوں کی تسکین کا سامان کیا ہے جو وقت کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے تصوف پر بڑی ماہرانہ گفتگو کی ہے اور تصوف کے نام پر نفسانی میلانات اور سفلی جذبات کا کاروبار کرنے والوں کا برمحل رد کیا ہے کاش تمام علماء حق اس طرف توجہ دیں۔

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے آدابِ زبان، گھر کا اسلامی ماحول، محاسبہ نفس اور اس کا طریق کار، اُسوہ حسنہ اور فیشن پرستی، پر اسلام میں دوستی کا معیار اور طریق کار، جنتی آنکھ جیسے موضوعات کو گفتگو کا مرکز بنا کر بہت سے حوالوں سے عقدہ کشائی کی ہے جو انسانی زندگی کی تطہیر کیلئے اساس بن سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے عصرِ حاضر کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے اور ایک دینی راہنما کا کردار انجام دیا ہے گفتگو میں روانی ہے، ماخذ و مصادر پر جدید معیار کا اثر نمایاں ہے (اگر چہ بہتر ہوتا کہ مصادر و ماخذ کا حوالہ حواشی میں آجاتا۔ تاکہ تحقیقی روش کی مکمل پاسداری ہو جاتی) روایات سے استخراج کی قوت میں بڑا ٹھہراؤ ہے اور سب سے بڑھ کر سامعین تک خیال کی ترسیل بڑی واضح اور پُر تاثیر ہے۔ اگر چہ یہ دروس تقریری اسلوب کے حامل ہیں کہ تقریر سے تحریر کو منتقل ہوئے ہیں اور ظاہر ہے اس نقل ہیئت کے کچھ اثرات تو ہوتے ہیں جیسے جملوں کی تکرار، لفظوں کا شکوہ اور عبارت کا امڈتا ہوا خروش، ان تقریری اثرات کے باوجود یہ دروس حصول مدعا میں کامیاب ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ کمپوزنگ میں مزید توجہ کی ضرورت ہے کہ بعض کلمات کے حصے بکھرے ہو گئے ہیں کتابت کے حوالے سے بعض کمزوریاں موجود ہیں۔ مرتب کی ذمہ داری ہے کہ ایسے دلکش دروس کو کسی کوتاہی کا ہدف نہ بننے دیں۔

میں ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب کو صدق دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اس کاوش پر اُن کے دست بدعا ہوں کہ اُن کے وجود میں دینی علوم کا وقار بھی ہے دینی مدارس کا ریزہ کاری بھی اور جدید علوم کا اعتماد اور تحقیقی مقالات کا معیار بھی، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے خدمت دین کی اس محنت کو قبول فرمائے اور مزید ہمت و استقامت بخشے۔ (آمین)

اللھم صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبك خیر الخلق کلھم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی
فیصل آباد

مورخہ ۲۰ جنوری ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ: ترجمانِ اہل حق، شیخ الحدیث حضرت علامہ پیر سید محمد عرفان شاہ صاحب

مرکزی ناظم اعلیٰ، مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان

اَنْ یَّسمَعُوْا سَبَّۃً طَارُوْبِھَا فَرَحًا مِّنّی وَمَا یَسْمَعُوْ مَنْ صَالِحٍ دَفَنُوْا

شاعر جس کیفیت سے گذرا ہے یہی سکہ رائج الوقت ہے کہ کسی کی برائی کی بات کو خوشی سے اڑایا جاتا ہے اور نیکی کی باتوں کو دفن کیا جاتا ہے مگر جن خادمان دین کو تائید الٰہی حاصل ہو وہ زمانے کے ایسے منفی رویوں سے مستغنی ہوتے ہیں۔

فاضل نوجوان مناظر اسلام شیخ الحدیث خطیب عصر حافظ وقاری ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز میں سعادت کے روشن آثار سنین طفلی میں ہی ہویدا تھے۔ اقران وامثال سے ذہنی جودت میں امتیاز رکھتے ہیں۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ قبائے گل، گل بوٹے کی محتاج نہیں ہوتی مگر البرکت مع الاکابر کی حقیقت مسلم ہے۔ طبعی فطانت پر مستزاد اکابر وفحول اساتذہ کی صحبتوں نے انہیں زرخالص بنادیا۔ مروج نصاب میں تنظیم المدارس کی ہیئۃ الاشراف میں انہیں اول بدرجہ اول اسناد بجا طور پر عطا کیں۔ ابتک خطابت، مناظرہ، تدریس میں اُن کے جوہر خوب خوب کھل چکے ہیں۔ ابھی ابھی اُنکے دروس اور بیانات ضبط تحریر میں لائے گئے اور مرتب صورت میں ''فہم دین کورس'' کے نام سے طبع ہو کر میرے سامنے آئے۔ دو جلدیں چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ تحریریں ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی ایدہ اللہ بنصرہ کی فہم دین کورس میں معین ومشہیر عنوانات کے تحت انکے دروس اور بیانات ہیں جن میں تنوع تازگی، تحقیق، دعوت، حرارت، امید یعنی قاری کیلئے یہ

سب کچھ وافر تعداد میں موجود ہے اشاعت کا اہتمام کرنے والے مخلصین کا یہ اقدام لائق تحسین ہے۔ جہاں تک دروس و بیانات کی قدر و قیمت کا تعلق ہے احقر یہ سمجھتا ہے کہ دین اسلام کے منابع قرآن و سنت کی دعوت فکر دل کو چھو لینے والے انداز میں پیش کی گئی ہے۔ بعض معاصر مفکرین کیطرح وہ اپنے موقف کی تائید میں قرآن و سنت کے دلائل کو بتکلف ذکر نہیں کرتے بلکہ اپنے افکار کی بنیاد ہی قرآن و سنت پر اٹھاتے ہیں۔

وہ کتاب و سنت کے ایسے داعی ہیں جو من چاہی تفسیر کرنے کی بجائے رجال اللہ کے قائم کردہ تفسیری مکتب کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی چاہت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی مراد کو حرف آخر کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مفتی اشرف جلالی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے بجا طور پر مجھے بہت سی توقعات ہیں کیونکہ قدرت نے ان کے معاملہ میں جو امتیازی جود و سخا دکھائی ہے اس کا شکر بھی دین اسلام کی امتیازی نصرت (خدمت) کے ساتھ کرنا ضروری ہے ان کے کام کے اہداف کے بارے میں کسی ذاتی تحریر میں تفصیل سے لکھوں گا، بر سبیل تذکرہ سید عبداللہ شاہ محدث حیدر آباد دکن اور ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمتہ اللہ علیہ کی طرز کو بنیاد بنا کر ابن تیمیہ سے شوکانی اور البانی سے ہوتے ہوئے مقامی حشرات الارض کی نامناسب نقل و حرکت کے خلاف ملت حنفیہ کیطرف سے صورت احوال کا جامع جائزہ اور فطرت انسانی کے قریب آزمودہ اور عملاً انتہائی مفید فقہ اسلامی کے دلائل کو قرآن و سنت اور تعامل اصحاب و اہل بیت در قرنِ مشھو دلہٗ بالخیر

سے پورے بسط اور پورے وقار کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے ''جوان بزرگ'' کے راہ عزیمت پر اٹھنے والے ہر قدم پر احقر اور اس جیسے بیسیوں قدر دانوں کے دل خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں اور اس ''جوان بزرگ'' کی منزل تک رسائی کیلئے صمیم قلب سے دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وجاہت کا صدقہ اس ''جوان بزرگ'' کو شر شیطان، شر نفس اور شر انسان سے حفاظت اور تائید کے ساتھ دین اسلام کا صافی اور میٹھا چشمہ بنائے۔ آمین

راقم الحروف

الراجی الی رحمت ربہ المنان

سید محمد عرفان غفرلہ الرحمٰن الی یوم المیز ان

نزیل ارض مقدس رشک عرش

مدینہ منورہ طابہ وطیبہ

۹/۱/۲۰۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 1

مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ جل جلالہ

لَكَ الْحَمْدُ يَا اَللّٰهُ خَلَقْتَنَا وَهَدَيْتَنَا وَاَنْقَذْتَنَا مِنَ النَّارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَمَحَوْتَ الظُّلْمَةَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ وعمّ نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں

سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین ، خاتم النبیین ، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ

درود وسلام عرض کرنے کے بعد:۔

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز ومحترم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو تیرھویں سالانہ فہمِ دین کورس میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔اور گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی ربِ ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے بھٹی میرج ہال میں 29 روزہ فہم دین کورس منعقد کیا جارہا ہے۔ ان افتتاحی لمحات میں رب ذوالجلال کے دربار میں دعا ہے کہ خالقِ کائنات جل جلالہ، ہم سب کو صحت وعافیت کے ساتھ شرکت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ تمام حضرات میرے ساتھ مل کر ربّ ذوالجلال سے یہ دعا کریں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

میں آپ تمام حضرات کو اور جو اس پروگرام کو انٹرنیٹ کے ذریعے سن رہے ہیں ان سب کو فہمِ دین کورس میں شرکت پر خوش آمدید کہتا ہوں اور ربِ ذوالجلال کے دربار میں دعا کرتا ہوں کہ یہ قدم جو دین کے فہم کے لئے اٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور اس وقت نیند وآرام کو چھوڑ کر جتنے حضرات و

خواتین براہِ راست ہمارے اس کورس میں شریک ہیں اللہ سب کے فہم میں برکتیں عطا فرمائے اور سب کے لئے دین کو سمجھنا زیادہ سے زیادہ آسان فرمائے۔

محتشم سامعین حضرات!

چونکہ ربِ ذوالجلال کے نام ہی سے ہر اچھے کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو ہمارے فہمِ دین کورس کا پہلا موضوع ہے:

مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ

یہ وہ مقدس لفظ ہے جو ہر وقت ہماری زبان پر ہوتا ہے۔ اسم جلالت اللہ کی ذات کا نام ہے اس کے معانی واسرار اور رموز آج کا ہمارا موضوع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس اہم موضوع پر گفتگو کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 110 میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ

''میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی امت سے کہہ دو تم رب کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔''

فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

''اس اللہ کے لیے بہت اچھے نام ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو کو بالخصوص اس آیت میں ذکر کیا گیا۔ اللہ اور

رحمٰن ، باقی تمام اسماء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ میرے جتنے بھی نام ہیں وہ سارے کے سارے حسین ہیں اور سارے کے سارے خوبصورت ہیں اور عظمتوں کے ترجمان ہیں۔

قرآن اور بیانِ اسمِ جلالت

قرآن مجید برھانِ رشید میں جونام سب سے زیادہ بارلیا گیا وہ یہی لفظ اللہ ہے۔خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے بہت سے مقامات پر اور بہت سے اسالیب میں بہت سی حکمتوں کو اجاگر کرنے کے لئے اس کا بارہا تذکرہ کیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر زیادہ اہمیت کا احساس دلانے کے لئے بات کا آغاز ہی اسی نام سے کیا اور بار بار سامع اور مخاطب کو اس کی طرف متوجہ کیا کہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل یہ اسم شریف ہے کہ جس کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ پھر اپنی صفات کا تذکرہ فرماتا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (البقرہ: آیت نمبر ۲۵۵)

''وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الرعد: آیت ۱۶)

''اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔''

اور اس قرآن مجید کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا چاہا تو فرمایا:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا (الزمر: آیت ۲۳)

''اللہ تعالیٰ نے سب سے خوبصورت بات کو نازل کیا ہے۔''

یہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ خالقِ کائنات جل جلالہ جہاں اپنے احسانات کا تذکرہ کر رہا ہے بندوں پر اپنے انعامات کا تذکرہ کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس طرف جھنجھوڑنا چاہتا ہے کہ تمہیں کسی معمولی ذات کی طرف سے دعوت نہیں دی جا رہی اور تم پر یہ کرم کسی عام ذات کی وجہ سے نہیں ہے۔ تو تمام مقامات پر اللہ تعالیٰ نے دیگر اسماء کے علاوہ بالخصوص اسم جلالت یعنی لفظ اللہ سے گفتگو کو شروع کیا یا گفتگو کے درمیان ضرور اس کا تذکرہ فرمایا۔ ہم بار بار لفظ اللہ بولیں گے اور یہ ہمارے موضوع حصہ ہے۔

''مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ'' اللہ کے نام کے مفہوم کے ساتھ لفظ اسم کا تذکرہ آرہا ہے:

اسم کی تعریف:۔

اس کی بہت سی تعریفیں ہیں لیکن یہاں جس لحاظ سے ہماری گفتگو چل رہی ہے تو اسم سے مراد

''وہ کلمہ ہے جو کسی ذات پر دلالت کرتا ہے۔''

تو اللہ اسم ہے جو ربِ ذوالجلال کی ذات پر دلالت کرتا ہے، ذات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے۔

اسماء باری تعالیٰ کی مقدار

خالق کائنات جل جلالہ کے اسماء بہت زیادہ ہیں۔ بخاری اور مسلم شریف

کی حدیث کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسْعَۃٌ وَّ تِسْعِیْنَ اِسْماً

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔''

مَنْ اَحْصٰھَا دخل الجنۃ (بخاری، ص: ۹۴۹/۲ کراچی)

''جس نے ان ناموں کو یاد کرلیا جنت میں داخل ہو جائے گا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی برکت ہے اور رب ذوالجلال نے ان میں اتنی شان رکھی ہے کہ ان کو جو یاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو فردوس عطا فرمائے گا۔ پھر حدیث شریف میں ان اسماء کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا ذکر کیا گیا۔ ان اسماء میں سے ایک اسم ذاتی ہے اور باقی اسماء صفاتی ہیں۔ اٹھانوے اسماء جو صفاتی ہیں تو ان اوصاف کی طرف بندوں کو متوجہ کیا گیا کہ تم بھی اپنے اندر مجازاً وہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ رب ذوالجلال رحمٰن ہے تو تم بھی بندوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کی کوشش کرو۔

وہ عفو ہے معاف کرتا ہے تو تم بھی عفو و درگزر کیا کرو۔

اس طرح ان اسماء کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سبق بھی ہے اور اتنی برکت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان کا احصاء کرے گا پوری طرح احاطہ کرے گا، یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

اسماء باری تعالیٰ کی تعداد کے لحاظ سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر

میں یہ فرمایا ہے:

رَأَيْتُ فِيْ بَعْضِ الْكُتُبِ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْبَعَةَ اَلْفِ اِسْماً

''میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے چار ہزار اسماء ہیں۔''

حدیث شریف میں جن ننانوے ناموں کا تذکرہ ہوا تو اس سے مقصد زائد کی نفی نہیں تھا۔ بلکہ ایک مقدار کو بیان کرنا تھا تو امام رازی کہنے لگے میں نے بعض کتب میں تذکرہ پڑھا کہ رب ذوالجلال کے اسماء چار ہزار ہیں:

اَلْفٌ مِّنْهَا فِي الْقُرْآنِ وَالْاَخْبَارِ الصَّحِيْحَةِ

''ان چار ہزار میں سے ایک ہزار قرآن مجید میں اور احادیث صحیحہ میں ہیں۔''

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء کا ذکر ہے۔

وَاَلْفٌ مِّنْهَا فِي التَّوْرَاتِ

''اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء تورات میں ہیں۔''

وَاَلْفٌ مِّنْهَا فِي الْاِنْجِيْلِ

''اور اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء انجیل میں ہیں۔''

وَاَلْفٌ مِّنْهَا فِي الزَّبُوْرِ

''اور اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء زبور میں ہیں۔''

تو اس طرح چار ہزار اسماء کا تذکرہ امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں

کیا ہے، اور کہنے لگے۔

وَيُقَالُ اَلْفٌ آخَرُ فِي لِلَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ

''اور اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء لوحِ محفوظ پر ہیں۔''

لَمْ يَصِلُ ذَالِكَ الْاَلْفُ اِلٰى عَالَمِ الْبَشَرِ

''یہ پانچواں ہزار عالمِ انسانیت کی طرف نہیں بھیجا گیا کہ لوگ اس سے واقف نہیں۔''

باقی چار ہزار اسماء کے مختلف ماخذ ہیں اور مختلف کتابوں کے اندر ان کا تذکرہ موجود ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا ہر اسم شریف ہی عظمت والا ہے۔ اس نے خود فرمایا ہے:

فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

''اس کے سارے اسماء بہت اچھے ہیں۔''

اسم اعظم:۔

ان تمام اسماء میں سے سب سے جامع نام جس کو اسم اعظم کہا گیا ہے وہ یہی لفظ اللہ ہے خالق کائنات کا جو یہ اسم شریف ہے اس کے بارے میں دستور العلماء کی جلد نمبر ۱ میں حضرت مولانا عبدالنبی بن عبدالرسول نے تذکرہ کیا ہے:

اَللّٰهُ اِسْمٌ اَعْظَمُ مِنْ اَسْمَآئِهٖ تَعَالٰى

''اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے جو اسم اعظم ہے وہ اللہ ہے۔''

اس کا اعظم ہونا برکت کے لحاظ، جامعیت کے لحاظ سے اور مفہوم کی

وسعت کے لحاظ سے ہے۔اس واسطے کہ باقی جتنے اسماء ہیں وہ صفاتی ہیں اور یہ اسم ذاتی ہے۔ باقی تمام اسماء ایک ایک مفہوم کو واضح کرتے ہیں ۔ اگر چہ وہ مفہوم ہمارے خیال کی حدود سے کہیں وسیع ہے لیکن لفظ اللہ بیک وقت اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کو جامع ہے اور اللہ تعالیٰ کے سارے اسماء میں جو معنیٰ علیحدہ علیحدہ انفرادی طور پر آتا ہے۔لفظ اللہ گلدستہ ہے اوران میں وہ تمام معانی بیک وقت آجاتے ہیں۔

جس نے ربِ ذوالجلال کو رحمٰن کہا تو اس نے ایک شان کو بیان کیا، جس نے غفار کہا اس نے ایک شان کو بیان کیا، جس نے ستار کہا اس نے ایک شان کو بیان کیا، جس نے علیم کہا اس نے اللہ تعالیٰ کی ایک شان کو بیان کیا، جس نے قدیر کہا تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ کی ایک شان کو بیان کیا لیکن جس نے یا اللہ کہا تو اس نے بیک وقت اللہ تعالیٰ کی کروڑوں شانوں کو بیان کردیا۔اس واسطے یہ اسم جامع ہے اور اس کو اسم اعظم کہا گیا ہے۔باقی تمام اسماء کے بولنے کے جو تقاضے ہیں اسی لحاظ سے بندے کو اس کے ثمرات اور نتائج میسر آتے ہیں۔ہم جیسوں کا تلفظ کرنا اور انداز کا ہوتا ہے لیکن جب خواص اس کو بولتے ہیں تو اس کی اور تاثیر ہوتی ہے بلکہ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیاء میں سے بہت بڑے صوفی گزرے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''میرے نزدیک تو اس نام کو بولنے کا جو پورا حق ہے، جو اس کے تقاضے ہیں وہ اس وقت پورے ہوتے ہیں جب رب ذوالجلال خود اللہ فرماتا ہے۔اس وقت اس کے تمام تقاضے پورے ہوجاتے ہیں۔''

اسماءِ باری تعالیٰ توقیفی ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے لحاظ سے ایک بات بڑی اہم ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔توقیف کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے ان پر واقفیت عطا کی گئی ہے، شریعت کی طرف سے ان پر اطلاع دی گئی ہے اور شریعت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ اللہ کے نام ہیں۔ جو شریعت میں معلوم ہو گئے وہ تو رب کے نام ہم بول سکتے ہیں لیکن ہم اپنی عقل کے فیصلے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام نہیں رکھ سکتے۔

توقیف کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیان شرع پر موقوف ہے اور ہمارے عقل کے فیصلوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نام نہیں بنائے جا سکتے۔ اس سلسلہ میں جب ہم دیکھتے ہیں تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف سے یہ تفصیلات اشعۃ اللمعات میں موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

بداں کہ اسماء اللہ تعالیٰ توقیفی است یعنی موقوف است بر سماع و اذن شارع

''اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، یہ جان لو اس کا مطلب کیا ہے کہ یہ شارع یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن اور انسے سننے پر موقوف ہیں۔''

ہر اسم کہ در شرع اطلاق بر باری تعالیٰ آمدہ ہما را اطلاق باید کرد

جس نام کا اللہ پر اطلاق شریعت میں آیا ہے تو ہمیں وہی اللہ کا نام لینا چاہئے

شریعت میں رب ذوالجلال کا جس نام سے ذکر کیا گیا ہے ہمیں وہی نام بول کے اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔

از پیش خود بحکم عقل نام نباید نھاد

''اور اپنی طرف سے عقل سے سوچ کر اللہ تعالیٰ کا نام ہمیں نہیں رکھنا چاہئے اور ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے۔''

۱۰ **اگرچہ ھر دو اسم بیك معنی باشند**

''یہاں تک کہ دونام اگرچہ بالکل مترادف محسوس ہوتے ہوں۔''

لیکن ایک تو ان دوناموں میں سے قرآن مجید میں، حدیث شریف میں یا تورات، زبور، انجیل میں ہے اور دوسرا نہیں ہے تو اس میں احتیاط لازم ہے کہ جو شریعت میں آچکا ہے وہ تو بول سکتے ہیں اور جو بالکل **similar** اس سے ملنے جلنے والا ہے وہ ہم نہیں بول سکتے۔

اب دیکھئے اس کی باقاعدہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثالیں دی ہیں۔مثلاً

اللہ تعالیٰ را عالم گویند نہ عاقل

اللہ تعالیٰ کو عالم کہہ سکتے ہیں، عاقل نہیں۔

عالم اور عاقل یہ قریب المعنیٰ الفاظ ہیں تو اللہ تعالیٰ کو عالم تو کہہ سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو عاقل نہیں کہہ سکتے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو جواد تو کہہ سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہہ سکتے حالانکہ جواد اور سخی کا معنیٰ آپس میں ملتا جلتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو ہم شافی کہہ سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو طبیب نہیں کہہ سکتے۔اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔توقیفی ہونے کا جو مطلب بیان

کیا، اسی کے مطابق ہماری روزمرہ کی زندگی میں ان الفاظ میں احتیاط ہونی چاہئے اور بالخصوص جو ہمارے عجمی الفاظ ہیں ان میں بہت سی ایسی قباحتیں ہیں کہ جو رب ذوالجلال کی ذات کا جو مقام ہے اس مقام کے تقاضے یہ الفاظ پورے نہیں کرتے بلکہ بعض الفاظ میں تو عیوب پائے جاتے ہیں اور ان کا اطلاق بھی ہمارے عرف میں بعض لوگ کردیتے ہیں۔

مثال کے طور پر لفظ اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کچھ لوگ اللہ میاں کہہ دیتے ہیں تو رب ذوالجلال کو میاں کہنا یہ کسی لحاظ سے بھی جائز نہیں ہے چونکہ ہماری بولی اور لغت میں جو میاں کا معنیٰ ہے وہ بیوی کے مقابل ایک مفہوم ہے اور ویسے بھی لفظ میاں خواہ وہ سردار کے معنیٰ میں ہو یا کسی راجہ کے معنیٰ میں ہو کسی لحاظ سے بھی اس میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ اس کا ربِ ذوالجلال کی ذات پر اطلاق کیا جائے اس واسطے بولتے وقت ایسی باتوں سے مکمل اجتناب اور مکمل پرہیز ہونا چاہئے۔

حضرت امام رازی اور امام غزالی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں کا اس بارے میں مختار اور پسندیدہ موقف یہی ہے کہ:

اگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کا ذکر ہو تو ہم اسے بطور صفت تو ذکر کرسکتے ہیں مگر اس سے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں بنا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم کہتے ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا (البقرہ: آیت ۳۱)

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام پڑھائے۔''

تو اس سے ایک نام اپنی طرف سے معلم بنالیں اور اللہ کا نام معلم رکھیں کیونکہ قرآن مجید میں علّم آ گیا ہے تو یہ ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ لیکن بیان کرتے وقت یہ کہہ دیں کہ وہ ذات علم دینے والی ہے، پڑھانے والی ہے تو اس لحاظ سے بطور صفت اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسی چیزوں کو نام کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی بطور نام ان چیزوں کا رب ذوالجلال کے بارے میں تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔''

اس ابتدائی گفتگو میں جو توقیفی لحاظ سے اسماء کی حیثیت کو بیان کیا گیا، اس میں یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ ہمارے عرف میں ایک لفظ ہے داتا تو لفظ داتا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہر گز موجود نہیں ہے نہ قرآن وسنت میں ہے اور نہ تورات، زبور ،انجیل میں ہے۔

تو اس واسطے سے یہ لفظ اللہ کے اسماء میں سے کوئی اسم نہیں ہے لیکن اگر کوئی اس کو مولیٰ کا ترجمہ یا کسی اسم کے قریب المعنیٰ سمجھتے ہوئے بطور صفت بولتا ہے تو پھر اس کا اطلاق محض جائز ہوگا لیکن اس کو اگر کوئی شخص اس قدر رب ذوالجلال کے ساتھ معین بنادے اور کہے کہ کسی اور پر اس کا اطلاق مجازاً بھی جائز ہی نہیں ہوسکتا تو یہ شریعت کی حدود سے تجاوز کرنے والی بات ہے۔

پہلے نمبر پر تو یہ نام ہی نہیں ہے اور ہم میں سے کسی کی یہ صلاحیت نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء میں اس کا تذکرہ نہیں کیا اور اس کے رسولوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو ہم اپنی طرف سے چاہیں کہ نام اچھا ہے اور اللہ کا نام رکھ دیں تو یہ ہم چھوٹوں کی بساط نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کو بطور اسم بولا جائے۔ ہاں

یہ صفت ہے دادن جو فارسی کا لفظ ہے اس کا معنی ہے دینا۔ اور اس سے ایک مبالغہ کا صیغہ ہے داتا حقیقتاً سب کچھ رب ذوالجلال ہی دینے والا ہے۔ اس کے اذن کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا اور مجازاً جب اس نے اپنے دیگر بہت سے اسماء بندوں کو عطا کر دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں اس نے اپنے بندوں کو علیم کہا ہے، خبیر کہا ہے، حفیظ کہا ہے۔ اپنے اسماء کا اطلاق خود بندوں پر کیا ہے تو پھر یہ نام جو اللہ کا ہے، ہی نہیں اگر یہ کسی بندے پر بولا جائے تو اس کے لحاظ سے اس پر فتویٰ لگا دیا جائے اور اس کا رد کر دیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ مجازاً رب ذوالجلال کے دست قدرت کے نائب ہونے کے لحاظ سے اس لفظ کا اطلاق محبوب بندوں کے اوپر ہو سکتا ہے۔

اسم اللہ کے امتیازات

پہلا امتیاز

اس میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے اور باقی اسماء اس کے صفاتی ہیں۔

دوسرا امتیاز

لفظ اللہ کسی بھی لحاظ سے غیر اللہ پر نہیں بولا جا سکتا نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔ یہ صرف اللہ پر بولا جائے گا۔ جبکہ اللہ کے دیگر اسماء جو ہیں وہ حقیقتاً اللہ پر بولے جاتے ہیں اور مجازاً وہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں پر بھی بولے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں بعض سماء کا ان پر اطلاق موجود ہے اور ان میں سے پھر

لفظ رحمٰن کے اندر سب سے زیادہ خصوصیت ہے کہ جس کو پھر اللہ تعالیٰ پر ہی بولنا چاہئے یعنی لفظ اللہ کے بعد اسم رحمٰن دیگر اسماء سے زیادہ خصوصیت والا ہے لیکن اصل جو امتیاز ہے وہ لفظ اللہ کا ہے کہ وہ نہ حقیقت کے لحاظ سے اللہ کے غیر پر بولا جا سکتا ہے اور نہ ہی مجاز کے لحاظ سے اللہ کے غیر پر اس لفظ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

باقی دیکھو لفظ رحیم ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبۃ: آیت ۱۲۸)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین پر روف و رحیم ہیں۔''

تو یہ ان اسماء کے مجازاً اطلاق ہیں لیکن لفظ اللہ میں بہت زیادہ اختصاص ہے اور یہ ہمیشہ اللہ ہی پر بولا جاتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی پر اس کا اطلاق حقیقت کے لحاظ سے بھی جائز نہیں ہے اور مجاز کے لحاظ سے بھی جائز نہیں ہے۔

تیسرا امتیاز

لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔ یعنی وہ جو میں نے جامعیت والا مفہوم اس کا بیان کیا کیونکہ اس کی definition ہی یہ ہے، اس کی تعریف ہی یہ ہے:

اَللّٰهُ عَلَمٌ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ

''اللہ معبود برحق ذات کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور جو ساری کمال کی صفات کی جامع ہے۔''

جو بھی اوصاف کمال والے ہیں جن میں کوئی عیب نہیں، کمی نہیں، تنقیص

نہیں۔ وہ کمالات رب ذوالجلال کی ذات میں پائے جاتے ہیں اور یہ لفظ اللہ کا مفہوم ہے کہ اللہ واجب الوجود، معبود ذات کو کہا جاتا ہے۔ ایسی ذات کہ جس میں ہر ہر خوبی اور ہر ہر کمال موجود ہو۔

یہاں لفظ اللہ کی بحث کرتے ہوئے مجھے امام ابن عربی کا وہ قول یاد آ رہا ہے کہ جس میں انہوں نے اس لحاظ سے بھی اس لفظ کی امتیازی حیثیت بیان کی ہے کہ اس میں اگر ایک ایک حرف کم کرتے جائیں تو پیچھے جو باقی رہ جاتا ہے وہ بھی پورا مفہوم دیتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ اللہ کی ذات پر دلالت بھی کرتا ہے۔

عرائس البیان فی حقائق القرآن کی جلد نمبر ایک صفحہ نمبر ۵ پر امام ابن عربی نے اس کو لکھا ہے:

''اللہ میں شروع والا ہمزہ اتار دیا جائے تو پیچھے للہ رہ جائے گا اور پھر للہ میں ایک لام کو اتار دیا جائے تو اسلوب کے مطابق لہ رہ جائے گا اور لہ میں سے لام کو اتار دیا جائے تو پیچھے ہٗ رہ جائے گا۔''

تو ہر لحاظ سے اس کے اندر معنویت موجود ہے۔ اللہ کے دیگر اسماء کے مقابلے میں اس اسم کی یہ بھی اضافی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے امتیازات سے بہرہ ور فرمایا ہے۔

اس مقام پر جس وقت ہم لفظ اللہ کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا چاہتے ہیں تو حضرت محی الدین شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، وہ کہتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّهُ كَمَا تَحَيَّرَتِ الْاَوْهَامُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصِفَاتِهٖ
كَذَالِكَ تَحَيَّرَتْ فِي اللَّفْظِ الدَّالِّ عَلَيْهِ...... حاشیہ شیخ زادہ ۲۱/۱

''جس طرح عقل وخرد اللہ کی ذات کے بارے میں متحیر ہے اور عقل اللہ کی صفات کے بارے متحیر ہے۔ اللہ کی قدرتوں کے بارے میں عقل حیران ہے، اللہ کی ذات کے بارے میں عقل کو کوئی سمجھ نہیں آتی۔ یہی مثال اس نام کی ہے جو اللہ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی ذات کو سمجھنا چاہیں تو عقلیں حیران ہیں اور اس کی صفات کو سمجھنا چاہیں تو پھر بھی عقلیں حیران ہیں اور یہاں تک کہ جو لفظ اس ذات پر دلالت کرتا ہے اگر اس لفظ کو کوئی سمجھنا چاہتا ہے تو اس لفظ میں بھی عقلیں حیران ہیں۔ اس لفظ کی معنویت کیا ہے، اسرار کیا ہیں اور رموز کیا ہیں، حالانکہ ہم جیسے تو ایک آواز سنتے ہیں اور لکھتے ہیں تو خطوط بنا دیتے ہیں، دیکھتے ہیں تو ہمیں چند نقوش نظر آتے ہیں لیکن جو صوفیاء اور عارف لوگ ہیں ان کا مقام و مرتبہ تو اس سے کہیں اونچا ہے اور وہ لفظ اللہ کو سنتے ہیں یا چپتے ہیں تو اس کا انداز پھر مزید عمدہ اور جدا ہوتا ہے۔

اسم اللہ ہم جو بول رہے ہیں، سن رہے ہیں یا سنا رہے ہیں اور لکھا ہوا پڑھتے ہیں اس کے لحاظ سے شیخ زادہ کہہ رہے ہیں کہ اتنی اس کے ا[redacted] عقل کو حیرانگی ہے کہ جس وقت اس کے مفہوم میں ہم غور کرتے ہیں تو ہر لمحہ، ہر جہت سے ہر زاویے سے لفظ اللہ کے معانی میں ایک نئی چمک اجاگر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس مقام پر جس وقت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے گفتگو کی تو وہ کہنے لگے:

(تفسیر عرائس البیان ۵/۱ ط نولکشور)

فَمَا یَعْرِفُہٗ اِلَّا ھُوَ

''اللہ کا معنیٰ اللہ ہی جانتا ہے۔''

وَلَا یَتَکَلَّمُہٗ اِلَّا ھُوَ

''اور وہی لفظ اللہ کو بولتا ہے۔''

وَلَا یَسْمَعُہٗ اِلَّا ھُوَ

''اور وہی اس لفظ کو سنتا ہے۔''

یعنی ہم جو سنتے ہیں یا جو بولتے ہیں یا جو دیکھتے ہیں۔ یہ تو ہمارے لحاظ سے حجاب ہے کہ یہ لفظ آگے پردہ بنا ہوا ہے اور ہمیں حقائق کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ دلالت کس پر کر رہا ہے اور اس کے اندر کیا کچھ آ رہا ہے، کہنے لگے:

اَلْاَلِفُ اِشَارَۃٌ اِلٰی الانانیۃ والواحدانیۃ

''لفظ اللہ میں جو الف ہے یہ انانیت اور وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔''

وَلَا سَبِیْلَ لِلْخَلْقِ اِلٰی مَعْرِفَتِھَا

''اللہ کی انانیت اور وحدانیت کی معرفت مخلوق کو نہیں ہو سکتی۔''

وہ خالق ہی جانتا ہے کہ اس کی انانیت اور وحدانیت کیا ہے۔ ایسے ہی فرماتے ہیں کہ:

''اس کے اندر دو لام ہیں۔ لام اول جمال کی طرف اشارہ ہے اور لام دوم جلال کی طرف اشارہ ہے۔''

اللہ میں جو دو لام ہیں ایک لام جلال کا ہے اور ایک لام جمال کا

ہے۔ اس میں پہلا جمال کا ہے اور دوسرا جلال کا ہے۔ یہ جس وقت تم بولتے ہو تو تمہیں اس وقت سمجھ لگتی ہے۔ جب اللہ کہتے ہیں اور دوسرے لام کی جب دل کے اوپر ضرب لگتی ہے تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ پہلے میں جمال ہے اور دوسرے میں جلال ہے۔

رب ذوالجلال کی شان جمال بھی ہے اور جلال بھی ہے تو لفظ اللہ اس لحاظ سے بھی جامع ہے کہ یہ جمال کو بھی ظاہر کرتا ہے اور جلال کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ تو ابن عربی فرماتے ہیں:

''جو اس کی یہ دو صفتیں ہیں ان کی حقیقت بھی رب ذوالجلال جانتا ہے کہ اس کا جمال کیسا ہے اور اس کا جلال کیسا ہے۔''

ایسے ہی اس کے اندر جو ہٗ ہے وہ ھویّت پر دلالت کرتی ہے اور وہ اللہ کی ذات کی حقیقت ہے۔ ہویت اس کی حقیقت کو کہا جاتا ہے اور اس کو بھی اللہ ہی جانتا ہے تو یہ صوفیاء اور عرفاء کا مدعا ہے کہ ہم اس میں جتنا بھی غور و تدبر کریں پھر بھی حقیقت بہت اونچی ہے وہاں تک عقل کا پہنچنا بہت مشکل ہے۔

ان حقیقتوں کو رب ہی جانتا ہے کہ جس پر لفظ اللہ مکمل طور پر دلالت کر رہا ہے۔ اب ہم اپنی گفتگو کو کچھ سمیٹتے ہیں کیونکہ بات بہت لمبی ہے۔ لفظ اللہ میں ابتدائی طور پر چار احتمال ہیں۔

لفظ اللہ اور چار احتمال

پہلا احتمال

پہلا احتمال یہ ہے کہ لفظ اللہ علم ہو۔ علم کسی کے نام کو کہا جاتا ہے۔ جو کہ صفت پر دلالت نہیں کرتا۔ اب جس شخص کا آپ نے زید نام رکھا ہے تو یہ اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اس کی کسی صفت پر دلالت نہیں کرتا لیکن اس کو ذکر کر کے جب تم کہتے ہو کہ زید شاعر ہے، زید قاری ہے، زید کاتب ہے، زید کاریگر ہے۔ اب اس میں جو دوسرا لفظ ہے اس نے اس کی صفت پر دلالت کی۔ پہلا کسی صفت پر دلالت نہیں کر رہا۔ ہر بندے کا نام اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس کے بعد اس کی صفات ہوتی ہیں کہ جن کو بیان کرنے سے پہلے کسی ذات کا ہونا ضروری ہوتا ہے تو اس لحاظ سے رب ذوالجلال کا جو اسم شریف اللہ ہے۔ اس میں پہلا موقف یہ ہے کہ علم ہے اور اللہ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا احتمال

وہ یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ اسم مشتق ہے۔

تیسرا احتمال

وہ یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ صفت مشتقہ ہے۔

چوتھا احتمال

وہ یہ ہے کہ لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔

اب ان چار احتمالات میں سے جو پہلا احتمال ہے وہ راجح ہے اور زیادہ صحیح موقف ہے کہ لفظ اللہ اللہ تعالیٰ کا نام اور علم ہے۔ جو اس کی ذات کے اوپر دلالت کر رہا ہے۔ اس کے لحاظ سے پورے قرآن مجید کے اندر جس وقت ہم غور کرتے ہیں تو اسی بات کو ایک حمایت میسر آتی ہے۔

چونکہ جو نام ہوتا ہے اس میں تعیین ہوتی ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہوتا۔ اور اس میں غیر کی شرکت نہیں ہوتی۔ جس کا نام ہے اس لحاظ سے وہ اسی پر دلالت کرتا ہے اس کے سوا کسی پر دلالت نہیں کرتا تو اگر اس کو ہم عَلَمٌ بنائیں گے تو پھر لا الٰہ الا اللّٰہ کو کلمہ توحید کہہ سکیں گے چونکہ اگر نام ہوگا تو ایک ذات پر دلالت کرے گا اور اگر نام نہیں ہوگا بلکہ وصف ہوگا تو وصف سینکڑوں پر بولا جا سکتا ہے۔

وصف تو کئی ذوات پر آ سکتا ہے۔ جبکہ مقصد ایک کو معین کرنا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ تب ہو سکے گا جب لفظ اللہ کو اللہ کا نام اور علم مانا جائے تو پھر اس سے کلمہ توحید کی جو افادیت ہے اور توحید کا جو مضمون ہے وہ اچھی طرح سمجھا جا سکے گا۔ اس کے ساتھ ہی جس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی صفات کا تذکرہ کیا ہے تو جو قانون ہے کہ پہلے نام ہوتا ہے پھر صفتیں ہوتی ہیں تو ایسے قرآن مجید میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر: آیت ۲۴)

اس میں خالق ہونا باری ہونا، مصوّر ہونا تو صفتیں ہیں کہ خالق پیدا کرنے

والا یہ صفت ہے اس صفت سے پہلے ایک نام ہونا چاہئے کہ کون پیدا کرنے والا ہے تو وہ اللہ ذکر کیا گیا ہے تو اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور بعد میں تمام صفات کو بیان کیا جارہا ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس وقت دعوت دی ہے تو پوری کائنات میں ہر طرف جو جلوہ گری ہے وہ لفظ اللہ کی ہے۔ ربِ ذوالجلال نے سورۃ النحل میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے، ان کو یہ دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہ

(النحل: آیت ۷۹)

''کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کو نہیں روکا مگر اللہ تعالیٰ نے۔''

اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے لفظ کیسے بڑے چیلنج کے مقام پر استعمال فرمایا ہے۔ کہ جن کو میرا پتہ نہیں چل رہا وہ پرندے کو دیکھیں تو انہیں میرا پتہ چل جائے گا کہ اس پرندے کو فضا میں کس نے رکھا ہوا ہے کہ وہ گرنے نہیں دیتا، فرمایا جو نہیں گرنے دیتا وہ اللہ ہے۔ تو اللہ نے ایسے اہم مقام پر لفظ اللہ کے ساتھ ان لوگوں کو تعارف کروایا کہ جن لوگوں کو اللہ کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔

ایسے ہی سورۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ

(اسراء: آیت ۹۹)

''کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو

پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کی مثل کو بھی بنائے۔"

یہ بحث بعد الموت کی بات چل رہی تھی کہ جس وقت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دوبارہ لوگوں زندہ کرے گا، اٹھائے گا۔ کفار کہتے تھے اگر مر گئے تو دوبارہ اٹھ نہیں سکتے۔ ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں، خاک میں مل جائیں۔ ہمیں کوئی اٹھا نہیں سکے گا۔ ہمیں کوئی دوبارہ بٹھا نہیں سکے گا۔ جس وقت یہ صورتحال موجود تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بہت بڑے **problem** کو حل کرنے کے لئے انہیں جو دلیل بتائی وہ یہ ہے کہ:

"کیا وہ نہیں دیکھتے۔"

اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وہ اللہ جو اتنا بڑا آسمان اور اتنی وسیع زمین بنا سکتا ہے کیا وہ ایک چھوٹا سا انسان نہیں بنا سکے گا تو وہ ضرور بنا لے گا۔

اب یہاں بھی بعث بعد الموت کا مسئلہ سمجھانے کے لئے رب ذوالجلال نے اپنا نام اللہ استعمال فرمایا اور اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو اپنے دربار کی طرف متوجہ کیا۔

سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْر

(عنکبوت: آیت ۱۹)

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ کیسے تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور کیسے

دوبارہ پیدا کرتا ہے؟'' یہ کام اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے يُبْدِئُ اللّٰهُ اللہ کا لفظ بولا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ رب ذوالجلال جس کو بھی اپنی قدرتوں کا نظارہ کروانا چاہتا ہے اسے اپنا نام اللہ بول کر اپنی ذات کی طرف متوجہ کر رہا ہے اور منکرین کو بھی اس نام کے اندر اٹریکشن **attraction** کا وہ انداز دے رہا ہے کہ جو بھی عقل سلیم کے ساتھ اس اسم کی طرف توجہ کرے گا تو اس کو ربِ ذوالجلال کی ذات کا پتہ ضرور چل جائے گا۔

لفظ اللہ کی اصل کا ایک پہلو۔

اب لفظ اللہ کی اصل کے لحاظ سے گفتگو کرتے ہیں جو کہ بہت ضروری ہے۔

لفظ اللہ اصل میں الہ تھا۔ لفظ الہ میں جو ہمزہ ہے اس کو ساکت کر دیا گیا اس کی جگہ الف لام کو استعمال کیا گیا۔

الہ سے ہمزہ جب گرا تو اس کے عوض میں الف لام لایا گیا تو دو لام بن گئے اس طرح الہ سے اللہ بن گیا۔ یہ لفظ اللہ کے بننے کی بات ہے یہ اس صورت میں جب اس کو علم نہ مانا جائے بلکہ مشتق مانا جائے۔ یہ کسی سے بنا ہے اگر چہ اشتقاق کے جو قانون ہیں اس کے لحاظ سے یہ منطبق نہیں ہوگا لیکن کچھ نہ کچھ ایک اصل ضرور مل جائے گا کہ اس میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے اور اس سے پھر لفظ اللہ بن گیا ہے۔

اب جس وقت لفظ اللہ کو الہ سے مشتق مانا جائے تو ہمارے لئے اس میں احتمالات ہیں کہ جن کی وجہ سے ہمیں پتہ چلے گا کہ لفظ الہ کا لغوی معنیٰ کیا تھا کہ جس

کی وجہ سے لفظ اللہ میں وہ معنیٰ موجود ہے۔

لفظ اللہ کے اشتقاقی احتمالات و معانی

یہ احتمالات تفسیر بیضاوی اور تفسیر الکبیر سے ماخوذ ہیں، ترتیب بیضاوی کی ہے

لفظ اللہ اگر اِلٰہ سے بنا ہے تو اس میں چھ معانی بن سکتے ہیں

پہلا معنی

لفظ اللہ الٰہ سے بنا ہے اور اِلٰہ اَلَہَ اِلٰھَۃً اُلُوھَۃً اور اُلُوھیۃً سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے عبادت کرنا۔ عبادت کرنے والا معنی الوھۃ اور الوھیت میں موجود ہے اس سے جس وقت لفظ الٰہ بنا اور الٰہ سے لفظ اللہ بنا تو اس میں مبنی للمفعول والا معنی موجود ہوگا۔ مطلب کیا ہوگا الٰہ بمعنی مألوہ الٰہ بمعنی معبود تو اللہ تعالیٰ کو الٰہ اور اللہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ اس کی عبادت کی جاتی ہے۔

اب معنوی طور پر ہم نے جب لفظ اللہ کو سمجھا تو لغوی طور پر پہلا اشتقاق کہ جس لفظ سے یہ بنا ہے اس میں عبادت کرنے والا معنی موجود ہے اور اس لحاظ سے اسے جب مفعول پر لائیں گے تو اس کا معنیٰ یہ بنے گا کہ وہ ذات کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے تو اللہ کو اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ لہٰذا لفظ اللہ کو اگر مشتق مانیں کہ یہ کسی دوسرے لفظ سے بنا ہے تو پھر اس کا پہلا معنیٰ وہ ہوگا کہ اللہ اس ذات کو کہا جاتا ہے جس ذات کی عبادت کی جائے۔

دوسرا معنی

اِلٰہ اِلَہَ سے مشتق ہے معنی اس کا یہ ہوگا ازا تحیّر یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی حیران رہ جائے۔

اس معنیٰ کے لحاظ سے اللہ اس ذات کو کہا جائے گا کہ جس کی تخلیق کو دیکھ کے، جس کے تذکرے سن کے عقلیں دنگ رہ جائیں، عقلیں حیران رہ جائیں اور جس کی قدرت کے سامنے عقلیں متحیر ہو جائیں، اس ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔

دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرتیں دیکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشّٰرِبِيْنَ (النحل: آیت ٦٦)

''تمہارے لئے ہم نے جانوروں میں عبرت رکھی ہے۔ ہم تمہیں ان میں سے دودھ پلاتے ہیں (ہم کہاں سے نکالتے ہیں) گوبر اور خون کے درمیان سے نکالتے ہیں۔''

درمیان میں کوئی پردہ نہیں ہے۔ ایک طرف گوبر ہے ایک طرف خون ہے ان دو پلید چیزوں میں سے ہم پاک چیز نکالتے ہیں اور ہماری قدرتوں کا کمال دیکھو۔ ہم نہ گوبر کی بدبو آنے دیتے ہیں نہ خون کی رنگت آنے دیتے ہیں۔ اب یہ لفظ اللہ جس کے بارے میں عقلیں متحیر ہیں اور اللہ کو اللہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ اس کو عقل کے ترازو میں تولا نہیں جا سکتا۔ خرد و شعور کے لحاظ سے اس کی ذات کی جو حقیقت ہے اس کو سمجھا نہیں جا سکتا اور اس کے اندر مفہوم کی ایسی برتری موجود ہے کہ جس وقت ہم دیکھتے ہیں تو کہنا پڑتا ہے:

اے برتر از وھم و خیال و گمان

از ہر چہ گفتند شنیدیم و خوندہ ایم

ہمارے خیال سے بھی ماورئی، ہماری سوچ سے بھی ماورئی، جو کچھ پڑھا ہے اس سے اوپر، اور جو کچھ سنا ہے اس کے اوپر، جو کچھ بول رہے ہیں اس کے اوپر اور اس سے وریٰ اس کی ذات ہے۔ تو جو ایسی ذات ہو اس ذات کو لغت کے لحاظ سے اللہ کہا جاتا ہے۔

تیسرا معنیٰ

الہ الھت الی فلان سے مشتق ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سکون پانا۔

تو اب اس لحاظ سے اللہ کا معنیٰ کیا ہوگا۔ اللہ وہ ذات ہے کہ جس کی طرف آنے سے سب کو سکون ملتا ہے۔ سکون دینے والی ذات اور جس سے سکون ملے جس کا نام لیں تو نام سے سکون ملے، جس کی عبادت کریں تو اس کی عبادت سے سکون ملے، جس کا خیال کریں تو خیال کو سکون ملے، اور جس کی پناہ میں آجائیں تو ہر دکھ درد سے سکون مل جائے۔ تو یہ نام اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جس کے اندر یہ معنویت موجود ہے کہ جس کا تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جہاں ہر کسی کو سکون ملتا ہو اور جو سکون عطا کرنے والی ذات ہو، اس کو اللہ کہا جاتا ہے۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: آیت ۲۸)

''اللہ کے ذکر سے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں۔''

اللہ کے ذکر سے قلوب کو سکون ملتا ہے اور قلوب کو اطمینان مل جاتا ہے۔ چونکہ یہ ذات ہے اور اس کا نام ایسا ہے کہ جو بھی اس ذات کا تصور کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سکون عطا فرما دیتا ہے۔

چوتھا معنیٰ

اِلٰہ اَلِہَ سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے اِذَا فَزِعَ جب کوئی گھبرا کر کسی کی طرف جائے۔

گھبرا کے کسی کی پناہ تلاش کرے اور گھبرا کے کسی کا سہارا چاہے تو اس وقت اَلِھَہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس لحاظ سے الٰہ وہ ذات ہوئی جس کی طرف گھبراہٹ کے وقت رجوع کیا جاتا ہے اور اللہ وہ ذات ہے کہ جو گھبرائے ہوؤں کو اپنی پناہ عطا فرمانے والی ہے۔

گھبراہٹ کے وقت جب آدمی بے چین ہو جائے، بے سہارا ہو جائے، سارے سہارے ٹوٹ جائیں اور سارے زمانے کی گردش اس کے خلاف ہو جائے۔ اس وقت جہاں اس کو پناہ ملتی ہے اور اس وقت جو ذات بندے کو اپنی رحمت کی چھتری کے نیچے لے لیتی ہے۔ اس ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا چوتھے معنیٰ کے لحاظ سے یہاں پر یہ مفہوم بالکل واضح ہے کہ سب کو رب ذوالجلال کے دربار میں پناہ ملتی ہے۔

نسائی شریف میں حدیث شریف موجود ہے جس میں حضرت عکرمہؓ کے ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابوجہل کے بیٹے نے جب اس طرف توجہ کی تو اللہ

نے ان کو کیسا ایمان دیا۔

''حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار تھے اور وہ سارے مشرکین تھے، کشتی سمندر میں تھی۔ ایسے میں طوفان اٹھا، جب طوفان اٹھا:

فَقَالَ اَصْحَابُ السَّفِينَةِ اَخْلِصُوْا فَاِنَّ اٰلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِىْ عَنْكُمْ شَيْئًا

تو کشتی والوں نے کہا اب اس وقت اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دو کیونکہ تمہارے جھوٹے خدا تمہیں نہیں بچا سکیں گے۔

مشرکین بیٹھے تھے، کہنے لگے:

اَخْلِصُوْا

تم صرف اللہ کے لئے مخلص ہو جاؤ۔ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ مانو۔ وہ جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ تمہیں بچا نہیں سکیں گے وہ تمہارا کوئی فائدہ نہیں کر سکیں گے اور تمہیں منزل تک نہیں پہنچا سکیں گے۔ جس وقت کشتی کے عمر رسیدہ لوگ یہ بول رہے تھے تو حضرت عکرمہؓ نے اس وقت یہ سوچا اور ان کے ضمیر نے یہ گواہی دی۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر سمندر میں اللہ کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا تو پھر سمندر کے باہر بھی اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ سمندر میں جب گھر گئے ہو تو کہتے ہو کہ اللہ ہی بچائے گا اور اب اگر وہ بچائے گا تو باہر بھی وہی بچائے گا۔

حضرت عکرمہ فرمانے لگے:

اِنَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدًا

اے اللہ! میں تجھ سے ایک وعدہ کرتا ہوں۔

اِنْ اَنْتَ عَافَیْتَنِیْ

اگر اس طوفان سے تو نے مجھے بچالیا

تو میں سیدھا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاؤں گا

حَتّٰی اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِہٖ   نضرۃ النعیم ۲/ ۱۳۸

میں جا کے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا۔"

اب یہ وقت تھا کہ جب گھبرائے ہوئے لوگوں کو کہیں سے پناہ نہیں ملتی تو اللہ ان کو پناہ دیتا ہے تو اس الٰہ کے معنیٰ کو سمجھتے ہوئے ایک کافر نے جس وقت اس پر غور کیا تو اس کے دل کی کلی کھل گئی اور بہار آ گئی اس کے بعد وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

پانچواں معنی

الٰہ اِلَہَ الفصیل سے مشتق ہے۔ فصیل اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں۔ اونٹنی کا بچہ جو اونٹنی سے بچھڑا ہوا ہو اور اس کے بعد جب اس کو نظر آئے۔ بچہ کو دودھ کی بھوک بھی ہو۔ ایسی صورت میں جتنے شوق کے ساتھ اور جوش کے ساتھ وہ اونٹی کے ساتھ چمٹتا ہے اس کو عربی زبان میں اِلَہَ الفصیل کہا جاتا ہے۔

اب اس سے لفظ اللہ کا اشتقاق بنا تو مطلب کیا ہوا کہ وہ ذات جہاں بندے شوق اور پیار سے جاتے ہیں اور جس ذات کی طرف لوگ اس وارفتگی اور عشق و محبت سے بڑھتے ہیں کہ اس ذات کے لئے ان کے دل میں اتنا پیار ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ: آیت ۱٦۵)

"جتنا ایمان والوں کا اللہ سے پیار ہے اتنا کسی کا کسی سے پیار نہیں ہے۔"

وہ دیکھو جھوٹے بتوں کے پجاری کو جب مشکل وقت آیا تو بت کچھ نہ کر سکے انھوں نے ان پر عدم اعتماد کیا۔ لیکن اللہ والوں کے بدن اگر آریوں سے چیر بھی دیئے جائیں اور ان کے بدن سے چمڑے اتار بھی لئے جائیں تو پھر بھی یہ اللہ کی محبت سے کبھی منہ پھیرتے نہیں ہیں پھر بھی اس کی محبت کے نعرے لگاتے رہتے ہیں۔ شوق و جنون ان میں موجود ہوتا ہے۔ جس ذات کے ساتھ اس طرح پیار کیا جائے۔ اس ذات کو اللہ کہتے ہیں۔

پانچ معانی اس لحاظ سے تھے کہ لفظ اللہ الٰہ سے بنا اور الٰہ میں پہلے نمبر پر ہمزہ ہے۔

چھٹا معنی

الٰہ اصل میں وِلٰہ تھا اور ولاہ وَلِہَ سے بنا ہے۔ واؤ سے پھر ہمزہ بنا اور الٰہ بن گیا۔ الٰہ سے پھر الف کو اتارا تو اس کے عوض میں الف لام لگایا گیا تو اللہ بنا۔

اب جس وقت یہ اصل میں ولٰہ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا:

وَلِہٗ اذا تحیّر و تخبّط عَقْلُہٗ

یہ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی ذات کے بارے میں اتنا متحیر ہو جائے، اتنا متحیر ہو جائے کہ اس کی عقل جنوں کی حالت اختیار کر جائے اور وہ مجنوں بن جائے اور اس میں دیوانگی آجائے تو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اللہ سے

تعبیر کیا جاتا ہے کہ جو شخص کائنات میں غور کرتا ہے تدبر کرتا ہے اس کی رب ذوالجلال کی ذات کے بارے میں ایسی دیوانگی آجاتی ہے اور اتنا متحیر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اور کو دیکھنا پسند ہی نہیں کرتا وہ جدھر بھی دیکھتا ہے رب ذوالجلال کے جلووں کا مشاہدہ کرتا ہے اور کائنات کی ہر چیز سے اس کے خالق کی طرف اس کی سوچ جاتی ہے۔ جو ایسی ذات ہو اس کو اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لفظ اللہ جو الٰہ سے بنا ہے۔ اب اس کے مقابلے میں جو ساتواں معنیٰ ہم بیان کریں گے، وہ یہ ہے:

ساتواں معنی

لفظ اللہ اصل میں لاہ سے بنا ہے۔ لاہ سے تبدیلی کر کے لفظ اللہ بنایا گیا۔ لاہ ہو تو پھر اس کا معنیٰ کیا ہوگا۔ لاہ کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک وہ ذات جو پردے میں ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ

''آنکھیں اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں مگر اللہ آنکھوں کو دیکھ رہا ہے۔''

اب کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جو کہے کہ ہم نے رب کو جاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لفظ کا معنی ہی یہ ہے کہ ان آنکھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں ہے کہ یہ اس کی ذات کا کسی طرح احاطہ کر سکیں اور ذات کا پوری طرح ادراک کر سکیں۔

آٹھواں معنی

لفظ اللہ لاہ سے بنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرتفع عن کل شیء اس ذات کو کہا

جاتا ہے جو ہر شے سے عالی ہو مطلب کیا ہے کہ وہ انسان کی سوچ سے عالی ہے، انسان کے خیال سے عالی ہے، انسان اور اس کے علاوہ جتنے اوہام ہیں یا عیوب کی چیزیں ہیں ان سے وہ عالی ہے، ان سے وہ پاک ہے اور ان سے بلند ہے۔

جو ایسی ذات ہو اس ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔

نواں معنی

لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے تو پھر یہ لاھا سے بنا ہے۔ لاھا کے آخر میں الف ہے۔ جس طرح کہ فارسی میں آخری الف ندا کے لئے بولا جاتا ہے اور ہماری زبان میں بھی اس طرح ہوتا ہے جس طرح ایک خالد نامی آدمی ہے تو ہم اس کو خالدا کہتے ہیں۔ فارسی والے کریم سے کریما کہتے ہیں۔ کریما کا معنیٰ ہوتا ہے اے کریم۔

ایسے سریانی میں لاہ سے لاھا ہوا یعنی اے لاہ تو لاہ کا معنیٰ سریانی زبان میں معبود ہے۔ اب اس سے لفظ اللہ کو بنایا گیا۔ تو یہ اس وقت بمعنیٰ معبود ہوگا۔ لیکن یہ ایک کمزور احتمال ہے۔ اس سے پھر یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید میں عجمی الفاظ موجود ہیں، جو کہ غیر عربی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید فصیح کلام، عربی پر مشتمل ہے اس واسطے سب سے پہلا جو ہم نے بیان کیا تھا، اس میں سب سے زیادہ حکمتیں ہیں۔ یہ اللہ کی ذات کا علم ہے اور اس کا نام ہے اور اس نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو تعبیر کیا جاتا ہے اور اس میں اتنی جامعیت ہے کہ باقی ناموں میں جتنے معانی ہیں وہ اس ایک نام کے اندر موجود ہیں۔

اسم جلالت کے آداب

ملا علی قاری نے مرقات میں کہا ہے:

یُحْتَرَزُ مِنْ مَدِّ هَمْزَةِ الْجَلَالَةِ وَمِنْ اَشْبَاعِ بَاءِ اَكْبَرَ فَاِنَّهٗ يُكَفِّرُ مُتَعَمِّدُ ذَالِكَ (مرقات ۲/۲۵۰)

''لفظ اللہ کے ہمزہ کو مد سے پڑھنا ناجائز ہے اور اگر کوئی جان بوجھ کر پڑھے گا تو کفر ہو جائے گا۔''

مد سے کیسے پڑھے گا؟

آللہ اگر اس طرح کوئی پڑھے گا تو معنیٰ بنے گا:

کیا اللہ ہے؟

تو پھر جب ہم نماز میں پڑھتے ہیں اللہ اکبر۔ اگر کسی نے آللہ اکبر کہا تو پھر یہ ہوگا کہ بندے کو شک ہے کہ کیا اللہ بڑا ہے یا بڑا نہیں ہے؟

اس لحاظ سے جان بوجھ کر اگر کہے گا تو کفر تک بات پہنچ جائے گی۔ اور یہ وہ خطرات ہیں جن کی وجہ سے ہم نے ان لوگوں کو روکا جو لفظ اللہ کو میوزک کی شکل میں پڑھتے ہیں۔ اس کے اندر کئی قباحتیں آرہی تھیں:

1- لفظ اللہ اتنا بڑا نام ہے۔ اس کو میوزک کے بدل کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

2- اگر اس کے ہمزہ کو وہ مد سے پڑھیں گے تو ناجائز ہے بلکہ عمداً ایسے پڑھنا کفر تک پہنچا دے گا

یہ لفظ اللہ اتنا عظیم ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

رُوِیَ اَنَّہٗ یُجَاءُ بِرَجُلٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیَنْظُرُ فِیْ اَحْوَالِ نَفْسِہٖ فَلَا یَرَی لِنَفْسِہٖ حَسَنَۃً اَلْبَتَّۃَ، فَیَاْتِیْہِ النِّدَاءُ یَا فُلَانُ اُدْخُلِ الْجَنَّۃَ بِعَمَلِكَ، فَیَقُوْلُ: اِلٰھِیْ! مَاذَا عَمِلْتُ؟ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَلَسْتَ لَمَّا کُنْتَ نَائِماً تَقَلَّبْتَ عَنْ جَنْبٍ اِلٰی جَنْبٍ لَیْلَۃَ کَذَا فَقُلْتَ فِیْ خِلَالِ ذٰلِكَ "اَللّٰہُ" ثُمَّ غَلَبَكَ النَّوْمُ فِی الْحَالِ فَنَسِیْتَ ذٰلِكَ، اَمَّا اَنَا فَلَا تَاْخُذُنِیْ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ فَمَا نَسِیْتُ

خلاصہ یہ ہے

"قیامت کے دن ایک بندے کو لایا جائے گا وہ اپنے نامہ اعمال کو دیکھے گا تو اسے کوئی نیکی نظر نہیں آئے گی۔ اس کو آواز آئے گی، اے فلاں! اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جا۔ تو وہ بندہ کہے گا، اے اللہ! میرا کونسا عمل ہے جس کی وجہ سے میں جنت میں جاؤں۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ جب تو سویا ہوا تھا تو جب تو نے ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف کروٹ بدلی، کروٹ بدلتے ہوئے تو نے کہا تھا "اللہ"۔ تم پر نیند غالب آ گئی، تو بھول گیا کہ تو نے اللہ کہا ہے۔ لیکن مجھے تو اونگھ بھی نہیں آتی اور نہ ہی نیند، اسلئے میں نہیں بھولا۔ اس رات جو تو نے میرا نام لیا تھا اس کی برکت سے تو جنت میں داخل ہو جا۔"

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس اسم شریف کے صدقے جنت عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 2

مفاہیم اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی آلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ الَّذِیْنَ اَوْفُوْا عَھْدَهٗ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعم نوالہ، واعظم شانہ، واتم برھانہ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سید سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر و محراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت و مودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراطِ مستقیم کی طرف سے منعقدہ فہمِ دین کورس میں آج ہمارا موضوع ہے:

مفاہیم اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن و سنت کے ابلاغ و تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

رب ذوالجلال کے اسم جلالت اسم ذات اللہ کا تذکرہ ہو یا رسول اللہ ﷺ کے اسم ذات محمد ﷺ کا تذکرہ ہو، یہ اسماء اتنے عظیم ہیں۔

هزار بار بشویم دهن زمشك و گلاب

هنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

یہ خالق کائنات جل جلالہ کا ہم پر فضل و کرم ہے کہ رب ذوالجلال نے ہمیں ایسی مقدس گفتگو کرنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ آج ہم اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کے اسم شریف محمد ﷺ سے متعلق چند ضروری باتیں اپنے درس کا حصہ بنا رہے ہیں۔

اسم شریف محمد ﷺ اور قرآن مجید

قرآن مجید برھان رشید میں رب ذوالجلال نے چار مقامات پر ہمارے محبوب علیہ السلام کا تذکرہ اس اسم شریف کے ساتھ کیا ہے ورنہ تو پورا قرآن مجید اول سے لے کر آخر تک مختلف حوالوں سے ہمارے محبوب علیہ السلام کی ایک نعت ہے، مختلف اوصاف، القاب اور اسماء قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اسم شریف محمد ﷺ کو سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ میں رب ذوالجلال نے یوں ذکر کیا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

''حضرت محمد ﷺ نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول اور آپ سے پہلے متعدد رسل دنیا میں آ کے دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے۔''

آیت نمبر۲

سورۂ احزاب میں خالق کائنات جل جلالہ کا فرمان ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(احزاب: آیت ۴۰)

''حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سارے انبیاء کرام علیہ السلام میں سے آخری نبی ہیں۔''

آیت نمبر۳

سورۂ محمد ﷺ میں خالق کائنات جل جلالہ نے یوں تذکرہ کیا ہے:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد: آیت ۲)

''وہ لوگ ایمان لائے اس چیز پر جو حضرت محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔''

یعنی قرآن مجید وہ ان کے رب کے پاس سے حق ہے

''میں محمد ﷺ ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ

سید عالم ﷺ کے اسماء مبارکہ کے بارے میں بڑی حسین بحث تعداد کے لحاظ سے بھی موجود ہے۔ یہ حدیث جو میں نے ابھی پڑھی۔ اس کی جو بعض روایات ہیں ان میں یہاں لفظ خمسہ موجود ہے کہ میرے پانچ نام ہیں تو پانچ نام بطور خاص یا تو اس لئے بیان کئے کہ جو رب کائنات نے اپنی طرف سے آپ کے نام رکھے ان کا ذکر پانچ کے لحاظ سے کیا اور جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے طور پر بیان کئے اور ان اوصاف کے لحاظ سے جو آپ میں جامعیت موجود ہے وہ اس سے علاوہ ہیں یا جس طرح میں نے جو بخاری شریف کی روایت پڑھی اس میں لفظ خمس موجود نہیں ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو دیگر زائد اسماء ہیں جن کا ابھی میں تذکرہ کروں گا۔ خمس سے اس کی نفی مقصود نہیں اور یہ صرف پانچ نام ایک ہی مناسبت کے جو تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے اکٹھا بیان کر دیا ہے اور اس سے پانچ سے زائد کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔

اس واسطے سید عالم ﷺ کے ننانوے اسماء مبارکہ وہ قرآن وسنت کے اندر تفصیل کے ساتھ موجود ہیں بلکہ مواہب اللدنیہ کے اندر تفصیل کے ساتھ چار سو سے زائد اسماء کا حروف تہجی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی صرف گنتی ہی نہیں بیان کی گئی بلکہ باقاعدہ چار سو سے زائد اسماء کا حروف تہجی کی ترتیب سے مواہب اللدنیہ کے اندر ذکر کیا ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی کی جو تفسیر احکام القرآن ہے اس میں انہوں نے رسول

اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً

میرے کئی نام ہیں۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُوْاللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ

میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ﷺ ہوں اور میں ماحی ﷺ ہوں۔ ماحی سے مراد وہ ذات کہ جنہیں بھیج کر اللہ نے کفر کو مٹایا ہے۔"

مشکوٰۃ شریف: ص: ۵۱۵

ماحی کا معنی ہے مٹانے والا تو مجھے رب ذوالجلال نے کفر مٹانے کے لئے بھیجا ہے۔

وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ

"میں حاشر ہوں کہ سارے لوگوں کا حشر میرے قدموں پہ ہوگا۔"

یعنی پہلے میں اٹھوں گا میرے پیچھے پیچھے میدان حشر میں سارے اٹھیں گے۔

وَاَنَا الْعَاقِبُ

"اور میں عاقب ہوں۔"

میرا نام عاقب ہے عاقب کا معنیٰ خود بیان کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ

"عاقب وہ ذات ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔"

مجھے میرے رب نے عاقب کا اسم شریف عطا فرمایا ہے۔ تو اس جگہ اسماء میں سے پہلے نمبر پر سید عالم ﷺ نے خود اپنا اسم شریف محمد ﷺ اس طرح بیان کیا کہ

اَنَا مُحَمَّدٌ

توقیفی ہونے کا معنی یہ ہے کہ یا تو وہ اسماء جو رب ذوالجلال نے آپ کے بتائے ہیں، وہ لئے جائیں یا وہ اسماء جو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان کئے یا پھر وہ اسم شریف جو آپ کے دادا جان نے آپ ﷺ کا اسم مبارک رکھا حضرت محمد ﷺ۔ تو یہ توقیفی ہونے کا مطلب ہے کہ کوئی بندہ اپنی طرف سے حضرت محمد ﷺ کا نام معین کر کے مختص کر کے نہیں رکھ سکتا۔ ہاں اوصاف اور رسول اللہ ﷺ کے مناقب اور فضائل کو مختلف لفظوں کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔

اسم شریف محمد ﷺ حمد سے مشتق

اسم شریف محمد ﷺ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اسماء گرامی میں سے ایک خاص اسم شریف ہے جس کے خصائص ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

یہ اسم شریف حمد سے مشتق ہے۔ محمد ﷺ کا لغوی معنی امام سہیلی نے روض الانف میں جو سیرت ابن ہشام کی شرح ہے اس میں انہوں نے بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے:

فَالْمُحَمَّدُ فِی اللُّغَةِ هُوَ الَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ

روض الانف ۱/۱۸۲

''لغت میں محمد ﷺ اس ذات کو کہتے ہیں کہ ہر وقت جن کی تعریف کی جائے، جن کی حمد کا سلسلہ ہر وقت جاری رہے۔''

ہر وقت جن کے فضائل بیان ہوتے رہیں۔ ہر وقت جن کی شان کا تذکرہ ہوتا رہے، اس ذات کو محمد ﷺ کہتے ہیں۔

اللہ ﷺ کے ایک ہزار اسماء کا قول کیا ہے۔ کہ سید عالم ﷺ کے اسماء مبارکہ کی تعداد ایک ہزار ہے لیکن نسیم الریاض میں امام شہاب الدین خفاجی نے ابن فارس کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سید عالم ﷺ کے دو ہزار دو سو اسماء ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفاء شریف میں یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ اور تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے کہ رب ذوالجلال نے اپنے اسماء میں سے ۳۲ اسماء اپنے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ جو ہیں ان میں سے ۳۲ اسماء سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو دیئے گئے ہیں۔ ان ۳۲ اسماء کا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفاء شریف میں ذکر کیا ہے اور نسیم الریاض میں امام شہاب الدین خفاجی نے ان کی شرح کو بیان کیا ہے

ایسے ہی خصائص کبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ۳۲ اسماء کا ذکر کیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بھی ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے بھی ہیں۔ خالق کائنات کے وہ اسماء حقیقی طور پر ہیں اور وہی اسماء رب ذوالجلال نے اپنے محبوب ﷺ کے عظیم مقام کو ظاہر کرنے کے لئے آپ کو بھی عطا فرمائے ہیں۔

اسماء توقیفی

یہاں جس وقت اسماء کی بحث ہوتی ہے تو اس میں یہ قول نسیم الریاض میں موجود ہے اس کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کے اسماء بھی توقیفی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں جو شریعت میں آگئے ہیں ہم اپنی طرف سے عام نہیں رکھ سکتے ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کے اسماء بھی توقیفی ہیں لیکن

ذوالجلال نے وہ اسم مبارک عطا کیا ہے جس کو حمد سے بنا کر خالق کائنات جل جلالہٗ نے بیک وقت ایک ہی نام کے اندر اپنے محبوب علیہ السلام کو کروڑ ہا صفات دینے کا اعلان فرمایا ہے۔

چونکہ محمد ﷺ جب حمد سے بنا ہے تو حمد کی **defination** بھی کرنی چاہیے تو حمد عربی میں کہتے ہیں:

هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْجَمِيلِ الْاِخْتِيَارِيِّ نِعْمَةً كَانَ اَوْغَيْرَهَا

یعنی جس کی حمد کی جائے وہ محمود ہوگا حمد تب ہوگی کہ جس خوبی پر حمد کر رہے ہیں وہ اس کے اختیار میں ہو اگر اس کے اختیار میں نہ ہو تو اس کو حمد نہیں کہتے۔ اس کو عربی زبان میں مدح کہتے ہیں۔ یعنی مدح عام ہے، جس کی مدح کی جارہی ہے وہ صفت اس کے اختیار میں ہو یا اختیار میں نہ ہو لیکن حمد کا عربی زبان کے اندر اطلاق اس لحاظ سے ہوگا کہ جس خوبی پر کسی کی حمد کی جارہی ہے، وہ خوبی محمود کے اختیار میں ہو ورنہ اس کو حمد نہیں کہہ سکیں گے۔

تو اب حمد کا یہ مطلب ہوا کہ زبان کے ساتھ تعریف ہو اور اس خوبی کی بنیاد پر ذات کی تعریف کی جارہی ہے، وہ خوبی اس ذات کے اختیار میں ہو۔ آگے تعریف کرنے والے پر اس ذات کا کوئی کرم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اس کی طرف سے کوئی انعام ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اس کو حمد کہا جاتا ہے۔

چونکہ اگر انعام کے جواب میں تعریف کی جائے تو پھر اس کو شکر کہا جاتا ہے اور انعام ہو یا نہ ہو۔ کسی ذات کی تعریف کی جائے اور جس وصف پر تعریف کی جارہی ہے وہ

چونکہ یہ گرائمر کے لحاظ سے، صرف کے لحاظ سے مفعّل کا وزن ہے اور مفعل کے وزن پر جو لفظ آتا ہے۔ اس میں اس کے مادہ اشتقاقی یعنی **Origin** کا تکرار پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر تم لفظ مکرم بولتے ہو تو مکرم وہ ہوگا کہ جس کی بار بار تکریم کی جائے۔ بار بار جس کی عزت کی جائے، توقیر کی جائے تو اس لحاظ سے محمد ﷺ چونکہ مفعل کے وزن پر ہے تو اس کی تعریف یہ کی گئی یحمد حمد ابعد حمد۔ کہ جس ذات کی لحہ بہ لحہ ہر وقت تعریف و توصیف کی جارہی ہو۔

دوسرا معنیٰ اس کا نضرۃ النعیم کے اندر یوں بیان کیا گیا:

اَلَّذِیْ یَسْتَحِقُّ اَنْ یُّحْمَدَ مَرَّۃً بَعْدَ اُخْریٰ

نضرۃ النعیم: ۲۳۵۴/۱

محمد ﷺ اس ذات کو کہتے ہیں کہ جس کا یہ حق ہے کہ ان کا ہر وقت ذکر خیر جاری رہے اور ہر وقت ان کی تعریف ہوتی رہے۔ ایسی ذات کو لغت کے لحاظ سے محمد ﷺ کہا جاتا ہے۔

چونکہ یہ اسم شریف ہمارے محبوب ﷺ کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں سے منفرد نام ہے۔ رب ذوالجلال نے کسی پیغمبر کا نام ایسا نہیں رکھا کہ جس کے نام کو اللہ نے اپنے نام سے مشتق کیا ہو، جس کے نام کو اپنے نام سے بنایا ہو۔ یہ ہمارے محبوب علیہ السلام ہیں کہ رب ذوالجلال کا اپنا نام محمود ہے وہ بھی حمد سے بنا ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کا نام بھی حمد سے مشتق کیا، یعنی دونوں کا **Origin** ایک ہے، مادہ اشتقاق ایک ہے۔ محبوب علیہ السلام کو رب

ختم نہیں ہوتیں اس واسطے یہ ذات مستحق ہے کہ انکو محمد ﷺ کہا جائے اور پھر رب ذوالجلال کا ان پر کتنا کرم ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ نے اتنی صفتیں دے دی ہیں کہ یہ محمود ہیں ان کی حمد کی گئی ہے کس کی طرف سے، اللہ کی طرف سے بھی، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی طرف سے بھی، تمام انبیاء کرام کی طرف سے بھی، اہلِ سموٰت کی طرف سے بھی، اور اہل ارض کی طرف سے بھی، سب کی طرف سے حمد ہو رہی ہے اور پھر ان کی صفات میں مسلسل ایک نیا انداز سامنے آرہا ہے۔ جس کو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا تھا۔

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

یارسول اللہ ﷺ تمہارے اوصاف اتنے ہیں کہ گننے سے ختم ہی نہیں ہوتے اور جب کسی کی شانیں گننے سے ختم ہو جائیں تو یہ ایک عیب ہوتا ہے اور تمہارے رب نے تجھے اس عیب سے بھی پاک پیدا فرمایا ہے۔

اب یہاں سے یہ بات کتنی واضح ہوگئی کہ جولوگ ہمارے محبوب علیہ السلام کا تذکرہ کریں اور پھر یہ کوشش کریں کہ کوئی کمی کی جائے بخل کیا جائے اور ان کی عظمت کو تھوڑا بیان کیا جائے اور تذکرے ہر وقت نہ ہوں۔ یہ لفظ محمد ﷺ کا تقاضا ہی نہیں ہے۔ لفظ محمد ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو ایسی شانیں دی ہیں، اتنے کمالات دیئے ہیں کہ سب بیان کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں اور پھر بھی نہ حق پورا ہوتا ہے اور نہ ہی ان شانوں کا کوئی اختتام اور انتہا نظر آتی ہے۔

وصف اس ذات کے اختیار میں ہو تو ایسی تعریف کو عربی زبان میں حمد کہا جاتا ہے۔

ہمارے اردو ادب میں حمد اور نعت کا ایک تصور ہے اس کا عربی زبان کی اس تعریف سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم اس زبان کی بات کر رہے ہیں جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس کے لحاظ سے یہ تعریف ہے۔

هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِيِّ نِعْمَةً كَانَ اَوْ غَيْرَهَا

تو اب اس بنیاد پر جس وقت ہم یہ کہتے ہیں محمد ﷺ ہمارے محبوب کا اسم شریف ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر لحہ آپ کی تعریف کی جاتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ رب ذوالجلال کی طرف سے آپ کو ایسے فضائل دیئے گئے ہیں، ایسے کمالات دیئے گئے ہیں، ایسی خوبیاں دی گئیں ہیں یا اتنی دی گئیں ہیں کہ گننے والوں سے ختم نہیں ہوسکیں اور وہ بار بار گنتے ہیں، کئی کا تکرار کرتے ہیں، دوبارہ ذکر کرتے ہیں، سہ بار ذکر کرتے ہیں جس جہت سے بھی لو تو کمال موجود ہے۔ اگر کوئی دہراتے ہیں تو پھر یہ کمال ہے کہ خوبیوں کے اندر اتنی لذت ہے کہ انسان کبھی اکتاتا نہیں ہے، جب بھی ذکر کرتا ہے نئی لذت ملتی ہے، نئی مٹھاس ملتی، نئی چاہت ملتی ہے، تو اس واسطے تم میٹھا میٹھا سمجھ کر کے اس نام کا تذکرہ کرتے ہو کہ اس کی جتنی بھی صورتیں بیان کی جاتی ہیں وہ کبھی پرانی نہیں ہوتیں انکی چمک ماند نہیں پڑتی اور ان سے دل اکتاتا نہیں ہے جب بھی ان کی عظمتوں کا ذکر ہوتا ہے تو دل میں ایک نئی مٹھاس اور نئی لذت حاصل ہوتی ہے۔

دوسری طرف یہ ماننا پڑے گا کہ وہ شانیں اتنی ہیں کہ جن کو ہم بیان کریں تو

صدیاں گزر گئیں اور آپ کی آمد کے زمانے کے قرب سے پہلے کتنا زمانہ گزرا ہے۔

ہر بندے کی سوچ آزاد تھی، خیال آزاد تھا کہ اپنے لخت جگر کے لئے اچھے سے اچھا نام تلاش کرے مگر کسی کی سوچ اس نام تک نہیں پہنچی کیونکہ جس طرح سرکار کی ذات اللہ کی محبوب ہے آپ کا نام بھی محبوبیت کے درجے پر فائز ہے۔

تو جس طرح محبوب کے خاص حسن کو اپنی ذات کے لئے اس نے مختص کیا ہے اور یہاں تک کہ آپ کی آمد کے بعد بھی آپ کا پورا حسن کائنات پر ظاہر نہیں ہوا۔ ورنہ کوئی آنکھ دیکھنے کے قابل ہی نہ ہوتی۔ تو اس یکتا ذات کے لئے رب ذوالجلال نے یکتا اسم پسند کیا اور اس اسم شریف کو اللہ تعالیٰ نے تمام صدیوں اور سالوں کے اندر لوگوں کی سوچ سے بھی محفوظ کر کے رکھا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو میرے نبی ﷺ نبوت کا اعلان کریں تو پھر لوگوں کو اس نام کی وجہ سے شک پڑ جائے کہ ایک اس نام کا بندہ فلاں جگہ بھی رہتا ہے اور فلاں جگہ بھی ایسا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے اور پسند ہے کہ ان کے نام جیسا بھی کسی دوسرے کا نام نہ ہو جس نے نام میں اتنی یکتائی رکھی ہے۔ اس نے محبوب کی ذات کو کتنی یکتائی عطا فرمائی ہوگی۔

جس وقت رسول اکرم ﷺ کی آمد کا زمانہ قریب ہو گیا۔ بڑے چرچے تھے کہ ایک ایسی شخصیت آئے گی جن کے کمالات تورات میں ہیں، زبور میں ہیں، انجیل میں ہیں اور پھر اسم شریف کا تذکرہ ہوا تو جب لوگوں نے اس اسم شریف کے شہرے سنے تو کچھ لوگوں نے اپنے بچوں کا نام محمد رکھ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے جو لفظ محمد ﷺ کی حیثیت ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے اندر اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو آپ کے رب نے محمد ﷺ کیوں کہا؟

لِاَنَّ اللّٰہَ جَمَعَ لَہٗ مِنَ الْمَحَامِدِ وَ صِفَاتِ الْحَمْدِ مَالَا یُجْمَعُ لِغَیْرِہٖ

(مرقاۃ: ۳۳۹/۲)

رب ذوالجلال نے تمام مخلوقات میں سے آپ کے اندر وہ صفتیں رکھی ہیں جو آپ کے سوا کسی میں نہیں رکھی۔

لہٰذا آپ کی ذات کا یہ حق ہے کہ آپ کی ذات کو محمد ﷺ کہا جائے اس واسطے کہ جتنی خوبیاں اور کمالات مخلوق میں ہو سکتے ہیں، خالق کے سوا خالق کائنات نے آپ کے سوا مجموعی طور پر کسی کو عطا نہیں کیں، خالق کائنات نے وہ صرف آپ کو ہی عطا کی ہیں۔ اس وجہ سے آپ کی ذات کا نام محمد ﷺ پہنا دیا گیا ہے۔

یکتا ذات کا یکتا نام

جس طرح ہمارے محبوب کی ذات یکتا ہے ایسے ہی محمد ﷺ نام یکتا ہے۔

ے ایسے یکتا کے لئے ایسی ہی یکتائی ہو

جس انداز میں ذات ہے اسی انداز میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے نام بھی دیا کہ دیکھو کب سے انسان آرہے تھے، مگر رب ذوالجلال نے یہ نام اپنے محبوب کے لئے چھپا کے رکھا ہے۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے گھر بچے پیدا ہوتے رہے، اچھے سے اچھے نام کی تلاش میں کوشش کی جاتی رہی، ہمارے نبی ﷺ کی ولادت سے پہلے کتنی

ناموں کا ایک پشت بعد یا دو پشتوں بعد تکرار ہوتا رہتا تھا۔ تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اس نام کا تمہارے خاندان میں کوئی فرد نہیں ہے۔ تم نے اپنے پوتے کا نام محمد ﷺ کس لئے رکھا؟

تو جس وقت حضرت عبدالمطلب نے یہ بات سنی تو پھر ان کا عقیدہ دیکھئے کتنا شائستہ تھا اور ان کے افکار کتنے تازہ تھے۔ حضرت عبدالمطلب فرمانے لگے:

اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّحْمَدَہٗ اَھْلُ الْاَرْضِ کُلُّھُمْ

مجھے یہ امید ہے کہ تمام زمین والے میرے اس بیٹے کی تعریفیں کریں گے۔

ولادت کے وقت ان کا یہ نظریہ تھا۔ یہ عقیدہ تھا، سرکار کی پیشانی کو دیکھ کر سرکار کے انوار کو دیکھ کر اور سرکار کے جمال کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ بیٹا عام بیٹا نہیں، پوری کائنات ان کی تعریفیں کرے گی اور جن کا ہر کوئی مدح خوان ہو اور ہر کوئی تعریف کرنے والا ہو وہ پھر محمد ﷺ ہوتا ہے۔

اس واسطے دادا جان نے لوگوں کو بتا دیا کہ میں اس امید پر یہ نام رکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو وہ شان دینے والا ہے کہ کائنات میں ہر طرف ان کی عظمتوں کے ڈنکے بج رہے ہوں گے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک خواب کا تذکرہ فرما دیا۔ کہنے لگے، میں نے خواب میں دیکھا۔

کَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ قَدْ رَایٰ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ سِلْسِلَۃً مِّنْ فِضَّۃٍ قَدْ خَرَجَتْ مِنْ ظَھْرِہٖ لَھَا طَرْفٌ فِی السَّمَاءِ وَطَرْفٌ فِی الْاَرْضِ وَ طَرْفٌ فِی الْمَشْرِقِ وَ طَرْفٌ فِی الْمَغْرِبِ ثُمَّ عَادَتْ کَاَنَّھَا شَجَرَۃٌ عَلٰی کُلِّ وَرَقَۃٍ مِّنْھَا نُوْرٌ وَاِذَا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے چھ لوگوں کا ذکر کیا ہے اور کہا ساتواں کوئی ایسا نہیں تھا۔ ان چھ بچوں کے نام نبی اکرم ﷺ کی آمد کے زمانے کے قریب اس شوق سے والدین نے رکھے کہ شاید وہ کمالات جن کے بیان ہو رہے ہیں، وہ ہمارے بیٹے کے حصے میں آجائیں۔ لیکن ان چھ پر بھی اللہ کی قدرت کا یہ پہرہ رہا کہ ان میں سے کوئی بھی نبوت کا دعویٰ نہ کر سکا کہ جس کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کے اس اختصاص کے لحاظ سے کسی کے لئے کوئی مشابہت بن سکتی ہو یا کسی کو وہم یا شک گذر سکتا ہو۔

اس واسطے یہ اسم شریف اللہ تعالیٰ نے نبوت کے فورم پر صرف اور صرف اپنے محبوب کے لئے پسند کیا اور اس نام کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی عظمتوں کا اعلان فرما دیا۔

اسم شریف محمد ﷺ کا پس منظر

ہم جس وقت اسم شریف کا پس منظر دیکھتے ہیں تو اس اسم شریف کا پس منظر بڑا عجیب ہے۔

اس کی تفصیل مواہب لدنیہ میں موجود ہے۔ دیگر درجنوں ماخذ میں بھی یہ بات موجود ہے کہ جس وقت محبوب علیہ السلام کی ولادت ہوگئی تو جناب عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد ﷺ تجویز کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ کس لئے تم نے یہ نام رکھا حالانکہ اس وقت عربوں میں یہ مشہور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے وہی نام رکھتے تھے جو ان کے آباء اجداد میں ہوتے تھے۔ انہی کو استعمال کرتے تھے اور بار بار ایسے ہی

درخت تھا اس کا ہر پتا نور تھا اور اس کے ہر پتے سے نور کا ایک جلوہ مجھے نظر آ رہا تھا۔

فرماتے ہیں میں نے دیکھا جب پتے پتے سے نور برسنے لگا۔

اِذَا اَهْلُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ كَاَنَّهُمْ يَتَعَلَّقُوْنَ بِهَا

اس ایک درخت کو مشرق والے بھی پیار سے دیکھتے تھے اور مغرب والے بھی پیار سے دیکھتے تھے۔

ساری کائنات کی نگاہیں اس درخت پر پڑی ہوئی تھیں اور ساری کائنات سمٹ کر اس درخت کی طرف اپنی عقیدتوں کا رخ کئے ہوئے تھی۔ کہتے ہیں جس وقت میں نے خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر میں نے پوچھی تو مجھے معبرین نے کہا کہ

فَعَبَّرْتُ لَهٗ بِمَوْلُوْدٍ يَّكُوْنُ مِنْ صُلْبِهٖ

کہ تمہاری پشت سے ایک ایسا لخت جگر ظاہر ہوگا۔ تمہاری نسل میں سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہوگا۔

يَتَّبِعُهٗ اَهْلُ الْمَشْرِقِ وَاَهْلُ الْمَغْرِبِ

سارے مشرق و مغرب والے ان کے پیروکار ہوں گے۔

ساری کائنات ان کو مانے گی ان کا کلمہ پڑھے گی اور ان کے پیچھے چلے گی۔

وَيَحْمَدُهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ وَاَهْلُ الْاَرْضِ

آسمان والے بھی ان کی تعریف کریں گے اور زمین والے بھی ان کی تعریف کریں گے۔

لہٰذا یہ خواب اور اس کی یہ تعبیر حضرت عبدالمطلب کے سامنے موجود تھی تو

اَهْلُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ كَاَنَّهُمْ يَتَعَلَّقُوْنَ بِهَا فَعُبِّرَتْ لَهٗ بِمَوْلُوْدٍ يَّكُوْنُ مِنْ صُلْبِهٖ يَتَّبِعُهٗ اَهْلُ الْمَشْرِقِ وَاَهْلُ الْمَغْرِبِ وَيَحْمَدُهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ وَاَهْلُ الْاَرْضِ فَكَذَالِكَ سَمَّاهُ مُحَمَّدًا ﷺ

آپ فرماتے ہیں:

كَاَنَّ سِلْسِلَةً مِّنْ فِضَّةٍ قَدْ خَرَجَتْ مِنْ ظَهْرِهٖ

میری پیٹھ سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی ہے ایک چین ہے چاندی کی جو میری پیٹھ سے نکلی ہے میں نے اس کو دیکھا کہ وہ اتنی لمبی ہے کہ

لَهَا طَرْفٌ فِي السَّمَاءِ وَطَرْفٌ فِي الْاَرْضِ وَ طَرْفٌ فِي الْمَشْرِقِ وَ طَرْفٌ فِي الْمَغْرِبِ

اس چین کا ایک کنارہ آسمانوں پر ہے دوسرا کنارہ زمین پر ہے اور پھر اس چین کا ایک سرا مشرق میں ہے دوسرا مغرب میں ہے۔ پوری کائنات اس زنجیر نے اپنے احاطہ میں لے رکھی ہے

ثُمَّ عَادَتْ كَاَنَّهَا شَجَرَةٌ

پھر وہ چین جس وقت سمٹی تو ایک درخت کی شکل اختیار کر گئی

جب وہ درخت میں نے دیکھا

عَلٰى كُلِّ وَرَقَةٍ مِّنْهَا نُوْرٌ

اس درخت کے ہر پتے میں نور تھا

وہ میری پشت سے نکلنے والی زنجیر سمٹ کر درخت بن گئی اور وہ درخت نوری

اللہ کیطرف سے ازل میں رکھا گیا تھا اور آپ کے دادا جان کے دل میں اس کا القا کر دیا گیا۔

ورنہ اس سلسلہ میں مواہب لدنیہ کے اندر یہ بات موجود ہے کہ رب ذوالجلال نے مخلوق کے کسی فرد کو بھی پیدا نہیں کیا تھا اس سے بیس لاکھ سال پہلے اللہ نے اپنے محبوب کا نام محمد ﷺ رکھا اور جب اس انسانی سلسلہ کا آغاز ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام خود جب اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیتیں کیں تو آپ نے یہ کہا تھا

كُلَّمَا ذَكَرْتَ اللّٰهَ فَاذْكُرْ اِلٰى جَنْبِهٖ اسْمَ مُحَمَّدٍ ﷺ

اے شیث میں دنیا سے جا رہا ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنا جب بھی تم اللہ کا نام لو تو ایک نام ساتھ اور ضرور لینا۔ اللہ کے نام کے ساتھ تم حضرت محمد ﷺ کا ذکر ضرور کرنا۔

تو حضرت شیث علیہ السلام نے پوچھا:

اے ابا جان! اللہ کا نام تو سمجھ میں آ رہا ہے لیکن جو دوسرا اسم شریف بتا رہے ہو اس کی وجہ کیا ہے یہ کن کا نام ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ اس کو ذکر کرنا ضروری کیوں ہے؟ تو اس وقت حضرت آدمؑ نے یہ کہا تھا کہ میرے بیٹے یہ یاد رکھو:

اِنِّیْ رَاَیْتُ اسْمَهٗ مَکْتُوْباً عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَاَنَا بَیْنَ الرُّوْحِ وَالطِّیْنِ

(مواہب لدنیہ: ۲۵/۲)

ابھی میرا خمیر تیار ہو رہا تھا اس وقت جب میں نے نگاہ اٹھائی تو میں نے عرش کے پائے پر اللہ کے نام کے ساتھ یہ نام لکھا ہوا پایا تھا۔

اس واسطے جب رب ذوالجلال نے اپنے نام کے ساتھ اس نام کو ملا رکھا ہے

انہوں نے اس کی روشنی میں اپنے پوتے کا نام محمد ﷺ تجویز فرما دیا۔

اس سلسلہ میں دوسری بات جو مواہب اور دیگر کتب میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ حضرت آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس وقت آپ کا نور آپ کے شکم اطہر میں جلوہ گر تھا تو اس وقت فرشتوں کی طرف سے یہ آپ کو آواز آئی

اِنَّكِ حُمِلْتِ بِسَيِّدِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

اے آمنہ! اس وقت آپ کے شکم میں کائنات کے سردار موجود ہیں۔ اور ساتھ یہ کہا گیا کہ تم اس کو جس وقت وضع کرو گی، جنم دو گی۔

سَمِّيْهِ مُحَمَّدًا

تو ان کا نام حضرت محمد ﷺ رکھنا

لہٰذا یہ بھی صورتحال سامنے موجود تھی جس وجہ سے محبوب کا اسم شریف محمد ﷺ تجویز کیا گیا۔ لیکن یہ اسی طرح ہے کہ اصل نام اللہ کی طرف سے ہے اور معاشرے میں ان ذوات کو جو قرب ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ تھا اللہ نے ان کے ذہن میں یہ نام القا فرما دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

(سورۃ الحجر: ۹)

بے شک ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حفاظت تو وہ اپنے بندوں سے کرواتا ہے۔ حفاظ سے کرواتا ہے، تو ایسے ہی نبی اکرم ﷺ کا نام ایسے نہیں ہے کہ آپ کے دادا جان نے خود سوچ کے بنایا ہو۔ یہ

محمد ﷺ اور احمد ﷺ میں فرق

ہمارے محبوب علیہ السلام کا نام جو حمد سے مشتق ہے۔ محمد ﷺ کے علاوہ احمد ﷺ بھی ہے۔تو ان دونوں اسماء میں معنیٰ کے لحاظ سے فرق ہے۔اگرچہ دونوں حمد سے بنے ہیں لیکن احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی حمد کرنے والوں میں سے جس کا پہلا نمبر ہے وہ ہمارے نبی ﷺ کی ذات ہے۔ چونکہ ساری مخلوق رب ذوالجلال کی حمد کرتی ہے تو احمد ﷺ کا معنیٰ ہے اللہ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا اور محمد ﷺ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کی مخلوق میں سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔

احمد جو خود رسول اکرم ﷺ رب ذوالجلال کی حمد کرتے ہیں تو مطلب یہ بنا کہ آپ احمد الحامدین پوری کائنات کے حامدین حمد کرنے والے جو رب کی حمد کرتے ہیں۔وہ ایک طرف ہو جائیں اور ہمارے نبی ﷺ ایک طرف ہو جائیں۔آپ کا پلڑا بھاری ہوگا۔ آپ احمد ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی حمد جو آپ کرنے والے ہیں اتنی اور کوئی نہیں کر سکتا نہ کوئی فرشتہ کر سکتا ہے، نہ کوئی نبی کر سکتا ہے، نہ کوئی رسول کر سکتا ہے، نہ کوئی غوث کر سکتا ہے، نہ کوئی قطب اور نہ کوئی ولی اور نہ کوئی مومن کر سکتا ہے۔

تو رب ذوالجلال نے رسول پاک ﷺ کا مرتبہ یہاں بھی ظاہر کر دیا۔لوگو تم سارے ہی میری تعریف کرتے ہو، لیکن جو حق تعریف کرنے کا اور جو کمال میں نے اپنے محبوب کو دیا ہے۔وہ انہی کا حصہ ہے اس واسطے کہ حمد صفات کو دیکھ کر کی جاتی ہے۔کمالات کو دیکھ کر کی جاتی ہے، شانوں کو دیکھ کر کی جاتی ہے۔ہمیں اتنی شانوں کا پتہ نہیں ہے جتنی شانوں کا پتہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو تھا کہ اللہ

تو پھر تمہیں بھی اللہ کے نام کے ساتھ ضرور ملانا پڑے گا۔ یہ دیکھو کہ کب سے ان دو ناموں کا آپس میں اتصال ہے۔ رب ذوالجلال نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کے نام کو ملا کے رکھا ہے۔

بلکہ ایسی احادیث بھی موجود ہیں کہ جن میں جنت کے درختوں کے ہر ہر پتے پر اور حوروں کے سینوں پر اور جنت کے دروازوں پر اور عرش پر جو نام لکھا ہوا ہے وہ یہ نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ خود رقم کیا ہے اور لوگوں کو بتا دیا ہے کہ یہ کبھی میرے نام سے جدا نہیں کیا جا سکے گا۔

آج کچھ لوگوں کو تردد ہے کہ مسجد کے ایک کنارے پر اللہ کا نام ہے تو کہتے ہیں برابر دوسرے میں یہ نام نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں برابری ہو جاتی ہے، یہ ہو جاتا وہ ہو جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے تو اپنے بیٹے پر یہ لازم کر دیا تھا کہ تم اللہ کے نام کے ساتھ محمد ﷺ کا نام ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے کہ یہ ہم نے اللہ کے برابر نہیں کیا بلکہ اللہ نے خود اس نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے۔

یہاں جس وقت رسول اکرم ﷺ کے اسم شریف کا پس منظر موجود ہے تو آج ہم اس عظیم نام کی حکمتوں کو اور اس کے معانی اور اسرار و رموز کو سمجھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جب پہلی نگاہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی اٹھی تھی تو اسی نام پر جا پڑی تھی اور آج اتنی صدیوں کے گزر جانے کے باوجود رب ذوالجلال نے ہمیں اس سلسلے سے دور نہیں کیا۔ آج بھی ہم جس وقت دیکھتے ہیں تو اس نام سے دلوں میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے۔

میں سے بھی پہلا نمبر عطا فرمایا ہے۔

دوسرا فرق

احمد ﷺ اور محمد ﷺ میں دوسرا فرق یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ احمد پہلے تھے محمد ﷺ بعد میں بنے۔ احمد ہیں اللہ کی صفت کرنے کے لحاظ سے تو لہٰذا اللہ کی صفت آپ نے مقدم کی ہے اور صفت کرنے کے لحاظ سے رب ذوالجلال نے پھر مرتبہ یہ دیا ہے کہ آپ کو سارے جہانوں کا محمد ﷺ بنا دیا ہے۔

اس میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ایک قرینہ ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب آپ کا ذکر کیا تو وہ قرآن میں موجود ہے:

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ

سورۃ الصف: ٦

میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام نامی احمد ہوگا

تو آپ نے احمد کہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت اپنی کتاب تورات میں جب آپکی امت کے فضائل پڑھتے تھے تو کہتے تھے یا اللہ! یہ میری امت بنا دے، تو جواب ملتا تھا:

تِلْكَ أُمَّةُ أَحْمَدَ

دلائل النبوۃ: ۱۳۱ الوفاء: ۴۰-۳۹

اے موسیٰ! یہ امت تمہاری نہیں بلکہ یہ تو میرے احمد کی امت ہے۔

تو اس لحاظ سے اس وقت نام احمد چل رہا تھا۔

کی کیا شانیں ہیں۔

اور حضرت داتا گنج بخش کو اللہ کی شانوں کا اتنا پتہ نہیں تھا جتنا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کی شان کا پتہ تھا۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ کی شانوں کا اتنا علم نہیں تھا جتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی شان کا علم تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کو اللہ کی شانوں کا اتنا پتہ نہیں تھا جتنا پتہ آمنہ کے لال اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہے اور آپ ان شانوں کو دیکھ کر حمد کرنے والے ہیں۔

لہٰذا حمد کرنے کے لحاظ سے بھی رب نے آپ کو پہلا نمبر عطا فرمایا ہے بلکہ یہاں تک ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ حشر کے دن مقامِ محمود پر جلوہ گر ہوں گے تو فرمایا اللہ کی کچھ حمد ایسی ہے کہ جو اللہ نے آج تک اسکا کسی کو کھوج نہیں دیا اور اس دن اللہ تعالیٰ میرے ذہن میں القا فرما دے گا۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں اللہ تعالیٰ کی وہ حمد کروں گا۔ اور دوسرے مقام پر آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا

بخاری شریف: ۷/۱

بے شک تم سب میں سے زیادہ متقی اور اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔

تو جو زیادہ جانتا ہو، وہ زیادہ شانیں سمجھتا ہے۔ تو پھر وہ زیادہ تعریف کر سکے گا۔ اس واسطے احمد میں بھی کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے محبوب ﷺ کو حامدین

کوئی کمی نہیں، میں نے حروف بھی اس نام کو اپنے نام کے برابر عطا فرمائے ہیں۔

دوسری خصوصیت

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس اسم شریف کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ مشتق کیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی تعریف کر رہے تھے جسے درجنوں ماخذ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ان کا انداز بڑا عجیب تھا، کہنے لگے

ضَمَّ الْاِلٰهُ، اِسْمَ النَّبِيِّ اِلَى اسْمِهٖ

اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ مُؤَذِّنٌ اَشْهَدٌ

وَشَقَّ لَهٗ مِنَ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ

وَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

(مواہب لدنیہ: ۲۵/۲)

حضرت حسان بن ثابت کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے، کب؟

اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ مُؤَذِّنٌ اَشْهَدُ

جب مؤذن اشھد کا لفظ پانچ اذانوں میں پڑھتا ہے تو یہ رب ذوالجلال کو مقصود ہے کہ کوئی کہیں اس کا اجتماع کرے یا نہ کرے لیکن اذان میں میرے محبوب علیہ السلام کا نام ضرور ملائے اور پانچ مرتبہ اس کا تکرار ہوتا رہے۔ اس ملانے کو حضرت حسان نے کس طرح تلاش کیا اور لوگوں کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی نعت

ایسے ہی پہلی آسمانی کتابوں میں اسم شریف احمد رہا اور قرآن مجید میں محمد ﷺ رہا حالانکہ یہ کلام ازلی ہے یہ بھی کوئی نیا کلام نہیں ہے بلکہ ازل سے ہے لیکن ترتیب کے لحاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احمدیت یعنی احمد ہونا یہ صفت ہمارے محبوب علیہ السلام میں مقدم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آقا ﷺ کو محمدیت کا تاج عطا فرمایا ہے۔

خصائص اسم محمد ﷺ

یہاں جس وقت ہم آپ ﷺ کے اسم شریف محمد ﷺ کو دیکھتے ہیں تو اس نام میں کئی خصائص نظر آتے ہیں۔ اس وقت میں آپ کے سامنے چند خصائص بیان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے محبوب علیہ السلام کے اسم شریف کو کیا شان دی ہے۔

پہلی خصوصیت

اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کے نام کے چار حروف ہیں اسی طرح محبوب علیہ السلام کی اسم ذات کے بھی چار حروف ہیں چونکہ جب حروف گنے جاتے ہیں تو شد والا حرف ایک شمار کیا جاتا ہے، تو

لفظِ اللہ میں پہلا ہمزہ پھر لام، پھر الف اور پھر ہ۔ یہ چار حروف ہیں

لفظِ محمد ﷺ میں بھی چار حروف ہیں۔ م۔ح۔م۔د

تو یہ ربِ ذوالجلال کے سب سے بڑے اسم شریف، اسم جلالت کے ساتھ مطابقت اور مناسبت ہے اور یہ پہلا حسین نکتہ ہے گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ لوگو ان کو تم مجھ سے جدا نہ کرنا میں نے نام کے حروف میں بھی اپنے نام کے مطابق رکھا ہے۔ ان کو ایسا کامل نام دیا ہے کہ جو میرے نام کے ساتھ مل جانے کے لائق بھی ہے۔ کہ اس میں

تیسری خصوصیت

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اگر انسانی شکل پہ غور کیا جائے تو انسانی شکل لفظ محمد ﷺ پر بنائی گئی ہے۔

انسان جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

سورۃ التین: ۴

''ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت شکل میں بنایا۔''

تو انسانی شکل اتنی خوبصورت کیوں ہے۔ اس واسطے کہ یہ اسم محمد ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ صاحب مواہد لدنیہ نقل کرتے ہیں۔

اَلْمِیْمُ الْاَوَّلُ رَأْسُہٗ

''انسان کا سر لفظ محمد ﷺ کی میم ہے۔''

وَالْحَاءُ جَنَاحَاہُ

''انسان کے دونوں بازو لفظ محمد ﷺ کی حا ہے۔''

وَالْمِیْمُ سُرَّتُہٗ

''انسان کی ناف لفظ محمد ﷺ کی دوسری میم ہے۔''

وَالدَّالُ رِجْلَاہُ

(مواہب لدنیہ: ۲۵/۲)

پڑھتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ یہ وہ محبوب ہیں کہ جن کے نام کو اللہ نے اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے اور جس وقت اذان پڑھی جاتی ہے۔ عملاً اس اتصال کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

دوسرا شعر بڑا ہی عجیب ہے، فرمانے لگے:

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ

کہ اللہ نے اپنے نام سے ان کا نام نکالا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت کو ظاہر کرے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انداز کیسا حسین ہے کہ اللہ نے جو نام محمد ﷺ بنایا اور یہی نام اللہ کا محمود نام ہے دونوں حمد سے بنے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا نام محمد ﷺ ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام محمود ہے۔ یہ دونوں نام حمد سے بنے ہیں تو کہنے لگے اللہ نے نبی اکرم ﷺ کا نام اپنے نام سے بنایا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت محبوب ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

لوگو عرش والی ذات محمود ہے اور اللہ نے فرش والوں کو جو آقا دیا ہے وہ محمد ﷺ ہیں۔

یہ اسم مبارک کی خصوصیت تمام انبیاء علیھم السلام کے لحاظ سے ہے اور آج جو کچھ لوگوں نے اپوزیشن بنا رکھی ہے کہ اللہ اور نبی ﷺ کو جدا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے رب ذوالجلال نے تو محبوب کو نامِ بھی اپنے والا عطا فرمایا ہے۔

چوتھی خصوصیت

آپ کا حق ہے کہ آپ کا نام محمد ﷺ ہو

اس کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا حق ہے کہ آپ کا نام محمد ﷺ ہوتا کیوں؟
اس واسطے کہ جہاں آپ حشر کے دن کھڑے ہوں گے اس جگہ کو مقامِ محمود کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

سورۃ بنی اسرائیل: ۷۹

قریب ہے تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں وہ کیا ہے؟

صحابہ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ اللہ عرش بریں پر کرسی پہ اپنے محبوب علیہ السلام کو اپنی دائیں جانب جگہ عطا فرمائے گا۔ یہ اس کی شان کے لائق ہے کہ دائیں جانب سمجھنے میں کیسی ہوگی۔

بہرحال یہ صحابہ کرام سے تفسیر ماثور ہے یعنی سند کے ساتھ ثابت ہے تو جن کا مقام مقام محمود ہو اور جن کی امت، امت حماد ہو، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے دکھ آئے پھر بھی حمد کرتے ہیں، خوشی آئے پھر بھی حمد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت نہیں کرتے اس کی طرف سے پھول برسیں پھر بھی حمد کرتے ہیں اور کوئی آزمائش آجائے، پھر بھی حمد کرتے ہیں۔ تو اس امت کا نام حمادون ہے یعنی حمد والی امت اور ہماری نماز کا آغاز حمد سے ہے۔

''انسان کی دونوں ٹانگیں دال کی بناوٹ پر ہیں''

اس انداز پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسین وجمیل بنایا ہے۔ اگر چہ وہ مانتا ہے یا نہیں مانتا، وہ مومن ہے یا کافر ہے۔ اس کو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ رب ذوالجلال نے جس انسان کو اپنی صورت پہ پیدا کیا اور فرمایا:

خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ

مشکوٰۃ: ۳۹۷

''اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔''

اور احسن تقویم کہا ہے۔ یہ انسانی بدن چلتا پھرتا ہمارے محبوب علیہ السلام کے اسم کی گواہیاں دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض مشائخ نے یہ کہا۔ یہ بھی مواہب لدنیہ میں موجود ہے۔

کہنے لگے:

لَا یَدْخُلِ النَّارَ مَنْ یَّسْتَحِقُّ دُخُوْلَهَا اِلَّا مَمْسُوْخَ الصُّوْرَةِ

مواہب لدنیہ: ۲۵/۲

جو جہنمی جہنم میں جائے گا اس شکل میں نہیں جائے گا کیونکہ یہ محبوب کے نام والی شکل ہے۔ تو جہنمی جب جہنم میں جائے گا تو اس کی یہ شکل بدل دی جائے گی یعنی یہ انداز جو انسانی بدن کا ہے، یہ برقرار نہیں رہے گا اور پھر اس کو جہنم میں پھینکا جائے گا۔

یہ جو انداز اللہ تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو دیا ہے یہ پیار والا انداز ہے، جو پیارے کے سانچے میں ڈھلا ہوا اس کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ اس واسطے پہلے اس کو مسخ کر دیا جائے گا اور پھر اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

گالیوں اور ان کی تنقید کو اللہ نے مجھ سے کیسے دور رکھا۔

صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ بتاؤ: اللہ نے ان کی گالیوں سے آپ کو کیسے دور رکھا، فرمایا: اے صحابہ! وہ میرا نام بگاڑتے ہیں۔

يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا

''وہ مذمم کہتے ہوئے بکواس کرتے ہیں۔''

مذمم کیا ہے؟

مذمم ایک ایسا لفظ ہے جو محمد کے مقابلے میں ہے۔ جسطرح محمد ﷺ وہ ہے کہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے اسی طرح مذمم وہ ہے جس کی بہت زیادہ مذمت کی جائے۔ تو میرے آقا فرمانے لگے۔ جب ان کا حسد انہیں مجبور کرتا ہے اور وہ حسد کی آگ میں جلتے ہیں تو زبان سے کوئی لفظ نکالتے ہیں تو اس وقت وہ مجھے محمد ﷺ کہنا پسند نہیں کرتے اور مذمم بول کر مذمم کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ فرمایا! وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں مجھے تو میرے رب نے محمد ﷺ بنایا ہے۔

اے میرے صحابہ تعجب کرو اللہ نے میری ذات پہ پہرے کیسے دیئے ہیں۔ فرمایا: وہ جو کچھ کرنا چاہیں اگر مجھے محمد ﷺ کہیں گے تو ان کا ضمیر ملامت کرے گا کہ جن کو ہم محمد ﷺ کہہ رہے ہیں ان کو پھر برا بھلا نہیں کہہ سکتے کیونکہ زبان سے کہتے ہیں اے شانوں والے۔ جس کو شانوں والا کہیں پھر اس پر تنقید کیسے کریں۔

اگر مجھے وہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو اللہ ان سے مجبوراً میری تعریف کروا دیتا ہے اور اگر ان کے حسد کا لاوا پھٹتا ہے تو وہ بکتے ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ نام بگاڑ کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ہمارے خطبوں کا آغاز حمد سے ہے، جنت میں جانے کے بعد آخری کلام ہمارا حمد ہے اور پھر ہمارے نبی ﷺ کے جھنڈے کا نام لواء الحمد ہے تو جس کو حمد والی چیزیں دی گئیں ہوں، اس کا نام بھی حمد والا ہوگا۔

اس واسطے لفظ محمد ﷺ ہمارے محبوب علیہ السلام کے لئے ہی جچتا تھا اور مستحق ہی آپ کی ذات تھی اس واسطے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقدس اور میٹھا نام عطا فرمایا ہے۔

پانچویں خصوصیت

ایسا نام جو دشمن کو تعریف کرنے پر مجبور کردے

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ نام ایسا ہے چونکہ اللہ کو مقصود یہ تھا کہ کوئی کتنا ہی دشمن ہو وہ یا تو میرے محبوب کی تعریف کرے اور اگر تعریف نہ کر سکے تو کم از کم جب وہ بکواس کرنا چاہے تو نام ایسا ہو کہ پھر بھی آپ کی ذات تک اس کا بکواس نہ پہنچ سکے۔ وہ تنقید کرے تو تنقید نہ کر سکے اور اگر تنقید نہ کرے، ویسا بولنا چاہے تو وہ دشمن ہو کے بھی تعریف کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک دن محبوب علیہ السلام فرمانے لگے:

اَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَّلَعْنَھُمْ

مشکوۃ شریف: ۵۱۵

''میرے صحابہ! تمہیں تعجب نہیں ہے؟ کہ اللہ نے مجھ سے قریش کی گالیوں کو کیسے پیچھے ہٹایا ہے۔ جو میرے دشمن بنے ہوئے ہیں، ان کی عداوت اور ان کی

لفظ محمد ﷺ کی ہر ایک کے نزدیک تعریف یہ ہے کہ:

''جس کی ہر وقت تعریف کی جائے۔''

ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنا مقام یہ بیان کیا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ساری تعریفیں رب کے لئے ہیں۔

اور ادھر نام وہ رکھا کہ جس کی ساری تعریفیں کی جائیں۔ فاتحہ میں یہ ہے کہ ساری تعریفیں میری ہیں اور محبوب کا نام وہ رکھا کہ ساری تعریفیں ان کی ہیں۔ اب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ہر ہر تعریف اللہ کی ہے۔ جب محمد ﷺ کا نام لیتے ہو تو یہ وہ ذات ہے جس کی ہر وقت تعریف کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بھی ہر وقت تعریف ہو اور اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی بھی ہر وقت تعریف ہو۔ تو جن لوگوں نے شرک کا ہوّا بنایا ہے، ان کے نزدیک تو یہ نام ہی شرک ہو گیا۔

لیکن رب ذوالجلال کی مشیت یہ ہے، یہ شرک کا بخار اتارے گا۔

نام سوچ لو گے تو پتہ چل جائے گا کہ اللہ کی بھی تعریفیں ہو رہی ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ کی بھی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ حمد اس کی بھی ہے اور محمد ﷺ نام ان کا بھی ہے لیکن شرک نہیں ہے اس واسطے کہ ان کی جتنی تعریفیں ہو رہی ہیں خود نہیں، اللہ کروا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہیں، اللہ کے دیئے ہوئے کمالات سے ہو رہی ہیں، اللہ کی دی ہوئی شانوں سے ہو رہی ہیں۔ اور اللہ وہ نہیں ہے کہ جس کو کسی

بولو، ان کو مذمم بولو۔ میرے محبوب علیہ السلام فرمانے لگے: وہ مذمم مذمم کہہ کے مذمم کو کوستے رہتے ہیں۔

وَاَنَا مُحَمَّدٌ ﷺ

اور میں تو محمد ﷺ ہوں۔

لہٰذا مجھ تک ان کی کوئی بات آتی ہی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ وہ کسی مذمم کو کہہ رہے ہیں اور میرے رب نے تو مجھے محمد ﷺ بنایا ہے۔

چھٹی خصوصیت

اسم محمد ﷺ قاطع شرک

اس کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قاطع شرک بنایا ہے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے نام نے شرک کی جڑیں کاٹ دیں۔ اور بالخصوص وہ شرک جو آج Engineerd کچھ لوگوں نے امت میں بنا رکھا ہے کہ اگر ایک صفت مجازاً بھی محبوب ﷺ میں اللہ کی مانی گئی تو شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر غیب جانتا ہے۔ نبی ﷺ عطائی طور پر جانیں پھر بھی شرک ہے۔ یہ صورتحال جس وقت ابھرنی تھی تو رب تو ازل سے جانتا تھا اور جانتا ہے تو اس نے نام ہی ایسا دیا کہ کوئی بھی اس طرح توحید کی آڑ میں میرے محبوب ﷺ کی توہین نہ کرے۔ فرمایا:

جس کو ایسا مرض لاحق ہو جائے وہ میرے نبی کا نام پڑھ لے، اس نام سے پتہ چل جائے گا کہ توحید کیا ہے اور شرک کیا ہے۔

کیسے پتہ چلے گا؟

بھی نہیں آئے تھے، وہ ساری صفتیں جن کا بعد میں اظہار ہونا تھا اللہ نے نام کے اندر پہلے خبر دے دی تھی اور کمال یہ ہوا کہ اس کے برعکس نہیں ہوا بلکہ جیسا رب نے نام رکھا تھا ویسی شانیں زمانہ دیکھتا رہا۔

تو اس نام نے یہ ثابت کر دیا کہ جس نے یہ نام دیا وہ عالم الغیب ہے وہ اللہ ہے، وہ ازل سے سب کچھ جانتا ہے اور اس نے جیسا نام رکھا ہے، سرکار ﷺ نے ویسے ہی کام کیے ہیں۔ آپ کی اطاعت، آپ کی زندگی کی عظمت اور آپ کی زندگی کی وہ شام کہ جس کی رب قسمیں اٹھاتا ہے۔ وہ نام سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نام دیا تھا، اس نام کی شانیں بھی اس ذات سے عیاں ہوتی رہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کے نام کے مطابق پوری زندگی گزار دینا یہ آپ کی زندگی کی ہر گھڑی اپنے رب کی صداقت پر گواہی دے رہی تھی۔ اس بنیاد پر مجھے اپنے استاذ محترم کا وہ شعر یاد آ گیا۔

حضرت شیخ عبدالکریم محمد المدرس البغدادی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے پوری سیرت اشعار میں لکھی ہے۔

الوردۃ العنبر یہ میں شیخ عبدالکریم محمد المدرس البغدادی نے جس وقت یہ ذکر کیا کہ آپ کے دادا جان نے آپ کا نام محمد ﷺ رکھا، تو فرمانے لگے۔

فَحَقَّقَ اللّٰهُ لِلْجَدِّ الرَّجَآءَ وَقَدْ

حَمِدَكَ النَّاسُ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمٍ

الوردۃ العنبر یہ: ۱۷

نے شانیں دی ہوں اور اس کی حمد ہو۔ اب یہاں تعریفیں دونوں کی ہیں، لیکن شرک نہیں ہے کیوں؟

اس واسطے کہ حمد جن خوبیوں پر ہے اور جن کمالات پر ہے وہ کمالات اللہ کے اپنے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے کمالات اپنے نہیں بلکہ اللہ نے ہی نبی ﷺ کو کمالات عطا فرمائے ہیں۔

ساتویں خصوصیت

اسم محمد ﷺ مصدق باری تعالیٰ

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا یہ نام ہی اللہ تعالیٰ کی تعریف کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بڑی اونچی ہے۔ کیوں؟

جب اس نے مخلوق کے پیدا کرنے سے بیس لاکھ سال پہلے یہ نام رکھ دیا تھا اور پھر محبوب علیہ السلام پیدا ہو گئے تو محمد ﷺ نام رکھوا دیا۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر وقت جن کی صفت بیان ہو، تو ہر وقت صفت تب ہی بیان ہو سکتی ہے کہ یہ ساری زندگی کوئی غلطی نہیں کریں گے۔

اگر کوئی شخص تھوڑی دیر کے بعد غلطی کر بیٹھے اور دن میں کئی کئی بار کرے یا سال میں کرے تو وہ تعریف کے لائق نہیں ہوگا۔ اس کی ہر وقت تعریف نہیں ہو سکے گی تو رب ذوالجلال نے جب محبوب علیہ السلام کو پیدا کیا تو نام محمد ﷺ رکھا۔ ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا، دو سال کے بھی نہیں تھے، تین سال کے بھی نہیں تھے، چار سال کے بھی نہیں تھے، ابھی جوانی بھی نہیں آئی تھی، ابھی جوانی کے بعد کے حالات

حمد آخر میں ہوتی ہے تو کب سے نبوت کا سلسلہ شروع تھا لیکن کسی کا نام محمد ﷺ نہیں تھا کہ محمد ﷺ نام ان کا ہوگا جن کے بعد پھر کوئی نہیں آ سکے گا۔

لہٰذا یہ نام ختم نبوت کا بھی بیان ہے۔اس نام نے ختم نبوت کو بھی واضح کر دیا۔

نویں خصوصیت

اسم شریف مشکل کشائی کی کنجی

نویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو مشکل کشائی کی کنجی بنایا ہے۔یہ حاجت روائی کی کنجی ہے اور یہ حل مشکلات کا وسیلہ ہے۔در منثور میں موجود ہے:

''بنی اسرائیل کا ایک بندہ تھا اس نے دو سو سال اللہ کی نافرمانی کی جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پہ پھینک دیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ نکلو، اس کو وہاں سے اٹھاؤ اور اس کا جنازہ پڑھواؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا اللہ یہ بندہ دو سو سال تیری نافرمانی کرتا رہا اور لوگوں نے اس کو دھتکار کے پھینک دیا ہے تو اس کا جنازہ پڑھانے کی وجہ کیا ہے تو رب ذوالجلال نے فرمایا:

اُخْرُجْ فَصَلِّ عَلَيْهِ

کلیم چلو اور ان کا جناز پڑھو کیوں؟

لِاَنَّهٗ كُلَّمَا كَانَ نَشَرَ التَّوْرَاةَ وَنَظَرَ اِلٰى اِسْمِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَبَّلَهٗ وَوَضَعَهٗ عَلٰى عَيْنَيْهِ

اگرچہ یہ بندہ بڑا ہی برا تھا لیکن جب بھی یہ تورات کھولتا تھا تو لفظ محمد ﷺ کو

دادا جان نے جو امید ظاہر کی تھی کہ میں نام محمد ﷺ اس لئے رکھ رہا ہوں کہ ساری دنیا میرے بیٹے کی تعریف کرے گی۔ اے میرے محبوب! وہ بات اللہ نے پکی کر کے دکھادی ہے۔ تمہاری تعریف عرب و عجم نے کی

آج عرب و عجم میں آپ کے ڈنگے بج رہے ہیں۔ یہ انداز رب ذوالجلال نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

آٹھویں خصوصیت

اسم شریف کی ختم نبوت پر دلالت

آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے یہ جو نام آپ کو عطا فرمایا ہے تو یہ نام ختم نبوت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اب دیکھئے جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں ان میں سے کسی کا نام محمد ﷺ یا احمد ﷺ نہیں تھا۔ مطلب کیا ہے کہ حمد اختتام پہ ہوتی ہے۔ ابھی میں تقریر ختم کروں گا تو کہوں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

قرآن مجید میں ہے جنتی جنت میں جائیں گے تو وہ کہیں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

سورۃ یونس آیت نمبر ۱۰

اور انکی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 3

روزہ کے اسرار و رموز

چوم کے آنکھوں پر لگا لیتا تھا۔

قَبَّلَهٗ وَوَضَعَ عَلٰى عَيْنَيْهِ

وہ اس نام کو چومتا تھا اور اپنی آنکھوں پہ لگاتا تھا۔

تو میں نے اس کی اس ادا کو پسند کر کے اس کے سارے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ وہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پڑا ہے

وَزَوَّجْتُهٗ سَبْعِيْنَ حُوْرًا (درمنثور: ۵۷۹/۳)

اور ادھر میں نے اس کی شادی ستر حوروں سے کر دی ہے اور وہ کوڑے کے ڈھیر پر پڑا ہے۔ چلو کلیم اس کا جنازہ پڑھو اور اس کو رخصت کرو۔"

یہ نام محمد ﷺ کی برکت ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیا۔ آج ہم اسی نام کے زیرِ سایہ بیٹھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وارثانِ منبر و محراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت و مودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہمیں ادارہ صراطِ مستقیم کی طرف سے منعقد کئے جانے والے فہمِ دین کورس کے تیسرے پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ جس میں آج ہمارا موضوع ہے:

روزہ کے اسرار و رموز

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یقیناً یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ہم ماہِ رمضان المبارک میں اور حالتِ روزہ میں، روزہ سے متعلق دین متین کی حکمتیں بیان کرنے والے اور سننے والے ہیں۔ ایسے میں جو اس موضوع کی چاشنی اور حلاوت ہمیں محسوس ہوگی تو وہ اس وقت موسم اور اس مہینے کے حالات کی خصوصی مناسبت ہے کہ جو رمضان المبارک کے روزہ کی فضیلت ہے اور اس کی جو حکمتیں ہیں، اس کے جو اسرار و رموز ہیں، ہم سنیں گے اور ساتھ اپنی حالت روزہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے باطن دل اور خیالات پر اس کو منطبق کریں گے کہ کیا واقعی ہمیں یہ چیزیں محسوس ہوتی ہیں اور ہمارے لئے ان کے نتائج کس طرح کے ہیں۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَظِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اخْتَصَّ بِالْخُلُقِ الْعَظِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الَّذِیْنَ قَامُوْا بِتَائِیْدِ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

علیہ السلام موجود تھے اور انہیں خدشہ تھا کہ لوگ مجھ پہ تنقید کریں گے تو خالق کائنات جل جلالہٗ نے ان سے کہا:

قُوْلِی

"جب لوگ تم سے پوچھیں تو تم کہہ دینا

اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

میں نے اللہ کے لئے روزے کی نذر مانی ہے

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا (مریم: ۲۶)

تو میں کسی آدمی سے گفتگو نہیں کروں گی۔"

جو بھی تجھ سے پوچھے کہ بغیر شادی کے یہ بچہ کیسے پیدا ہوا تو تم اس سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے۔ لہٰذا میں کسی سے گفتگو نہیں کروں گی۔

اب یہاں پر بات کرنے سے رکنا اور جواب نہ دینا، اس کو صوم کہا گیا۔ تو یہ لغت میں صوم کا معنیٰ ہے کہ کسی چیز سے باز رہنا اور رک جانا، خواہ کوئی چیز ہو، کوئی امر ہو، اس کے لحاظ سے لفظ صوم کو استعمال کیا گیا ہے۔

اس کے لحاظ سے شرعی اصطلاح کے اندر جب ہم یہ لفظ بولتے ہیں تو اس کا خاص مفہوم ہوتا ہے:

صوم کی اصطلاحی تعریف

صوم کیا ہے؟

اَلْاِمْسَاكُ نَهَارًا عَنِ الْمُفَطِّرَاتِ بِنِيَّةٍ مِّنْ اَهْلِهٖ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلٰى غُرُوْبِ

سب سے پہلے قرآن مجید برہان رشید کی آیت کریمہ جو میں نے تمہارے سامنے تلاوت کی، یہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 183 ہے۔ خالق کائنات کا فرمان ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

''اے ایمان والو!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

تا کہ تمہیں پرہیز گاری حاصل ہو۔''

اس میں عربی زبان کا لفظ صیام یا صوم۔ اس کا لغوی معنیٰ اور اصطلاحی معنیٰ بیان کرتے ہوئے اپنے درس کو شروع کرتے ہیں۔

صوم کی لغوی تعریف

لغت میں صوم کا مطلب یہ ہوتا ہے:

اَلْاِمْسَاكُ وَالْكَفُّ عَنِ الشَّیْءِ

''کسی شے سے رک جانا، کسی شے سے باز رہنا۔''

جس طرح کہ قرآن مجید برہان رشید میں حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ موجود ہے کہ جب وہ قوم کی طرف آئیں تو ان کے پاس ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ

روزے فرضیت کے بعد رکھے، اس کے بعد آپ ﷺ کا وصال مبارک ہوا۔

قرآن مجید برہان رشید میں روزے کا تذکرہ خالق کائنات جل جلالہٗ نے مختلف طرق سے کیا ہے ایک تو یہی آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی جس میں روزے کی فرضیت کا ذکر ہے اور اس کے بعد سورۂ احزاب میں خالق کائنات جل جلالہٗ نے آیت نمبر ۳۵ میں جہاں مختلف اوصاف کے حامل مرد اور خواتین کا ذکر کیا اور ان کے لئے اجر عظیم کا اعلان فرمایا:

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا

''ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم کو تیار کیا ہے۔''

اس مقام پر بھی رب ذوالجلال نے جن شان والے مردوں اور شان والی عورتوں کا تذکرہ کیا تو اس میں یہ فرمایا:

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ (الاحزاب: ۳۵)

''وہ مرد جو روزے رکھتے ہیں اور وہ عورتیں جو روزے رکھتی ہیں۔''

یہ وہ مرد و خواتین ہیں کہ جن کے لئے اللہ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اور خالق کائنات جل جلالہ نے ان کے لئے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

آیت نمبر 3

قرآن مجید برہان رشید میں جہاں اہل جنت کا ذکر ہے۔ وہ لوگ کہ جن کو ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے تو وہاں پر خالق کائنات جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

الشَّمْسِ (الباب: ۱۶۲/۱)

شریعت میں روزہ سے مراد یہ ہے کہ دن کے وقت ایسی تمام چیزوں سے باز رہنا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور یہ باز رہنا نیت کی وجہ سے ہو اور اس کا وقت طلوع فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے اور نیت اس کی طرف سے ہو کہ جو نیت کا اہل ہے، ایسی حیثیت کو روزہ کہا جائے گا۔

اس میں پہلے تو اجتناب ہے یعنی کھانے سے، پینے سے، اور جماع سے اجتناب اور اس کے ساتھ یہ بات ہے کہ نیت ہو اور پھر نیت طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اس میں امساک پایا جائے اور ان چیزوں سے بندہ پوری طرح بچ کے رہے کہ جن کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور نیت میں اہلیت بھی شرط ہے کہ اگر کوئی کافر اس وقت میں نیت کے ساتھ کھانے پینے سے اجتناب کرے گا تو اس کو روزہ نہیں کہیں گے۔ اس واسطے کہ وہ نیت کا اہل ہی نہیں۔ ایسے ہی حائض عورت یا نفاس والی عورت طلوع صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک نیت کیساتھ اجتناب کرتی ہے، تو اس کو روزہ نہیں کہیں گے۔ اس واسطے کہ وہ اس نیت کی اہل نہیں ہے۔ اس میں نیت شرط ہے کہ نیت ضرور ہو مگر اس کی نیت ہو، جس میں نیت کی اہلیت موجود ہے۔

روزے کی فرضیت

اس امت پر روزے کی فرضیت ۲ ہجری ۱۰ شعبان المعظم میں ہوئی اور اس کے مطابق سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ رمضان المبارک کے مہینوں کے

اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا:

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ (التوبۃ: ۱۱۲)

''توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے۔''

تو یہ یہاں پر جو لفظ سائحون ہے اس کا معنیٰ صائمین (روزے دار) ہے۔ تو اس طرح قرآن مجید برہان رشید کے اندر مختلف طریق سے، یعنی مختلف الفاظ میں خالق کائنات جل جلالہٗ نے اس عظیم عبادت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

روزہ کے اسرار و رموز، حکمتیں اور فوائد

روزے کے اسرار و رموز، اس کی حکمتیں اور اس کے جو مقاصد ہیں ان کو اگر ہم سامنے رکھیں تو پورا جہان ایسے فوائد سے بھرا ہوا ہے کہ جو رب ذوالجلال نے اس اہم عبادت میں ہمارے لئے رکھے ہیں۔

اس کا سب سے پہلا فائدہ اور سب سے بڑا فائدہ وہی ہے جس کو رب ذوالجلال نے لعلکم تتقون سے بیان کیا کہ تم پر روزہ اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ تمہیں پرہیزگاری حاصل ہو جائے اور تم پارسا بن جاؤ۔

اس طویل گفتگو کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ہم روزے کی سب سے پہلی اور بڑی حکمت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

حکمت نمبر 1 روزہ تعلق باللہ کا قوی ذریعہ

روزہ تعلق باللہ کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ بندے کا جو اپنے رب سے تعلق ہے اس تعلق کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ

''وہ بندے پسندیدہ زندگی میں ہوں گے۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ

اونچی جنت میں ہوں گے۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ

جس کے گچھے جھکے ہوئے ہوں گے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ

سورۃ الحاقۃ: ۲۱ تا ۲۴

(اس وقت ان کو یہ کہا جائے گا کہ) تم کھاؤ، پیو خوشی کے ساتھ۔ اس کی وجہ سے کہ جو تم نے دنیا میں روزے رکھے تھے۔

بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ

یہاں پر ایام خالیہ سے مراد کون سے دن ہیں، حضرت وکیع رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق ایام خالیۃ ان دنوں کو کہا گیا ہے جن دنوں میں ایک بندہ دنیا میں روزے رکھے گا ان دنوں کا حوالہ دے کر جنتیوں سے فرشتے کہیں گے کہ جو تم نے دنیا میں روزہ رکھا تھا، کچھ وقت تو نے کھانے پینے کے بغیر گزارا تھا تو آج اس کے بدلے میں رب ذوالجلال تجھے جنت میں یہ نعمتیں عطا فرما رہا ہے۔

آیت نمبر 4

قرآن مجید برہان رشید میں خالق کائنات جل جلالہ، نے کچھ مردوں کے

خلوص سے وہ تعلق استوار ہوتا ہے تو یہ حالت روزہ ہے کہ جس میں یہ صفت بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔

نمبر 2 ایمان بالغیب

دوسرے نمبر پر بندۂ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ایمان بالغیب رکھتا ہے تو اب عملاً ایک انسان جو بند کوٹھری میں بیٹھا ہے۔ اسے نہ دوست دیکھ رہے ہیں، نہ رشتہ دار دیکھ رہے ہیں اور کھانے پینے والی چیزیں سامنے موجود ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کھانے پینے سے رکا ہوا ہے۔ اسے شدید بھوک بھی ہے، پیاس بھی ہے مگر پھر بھی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے۔ عملاً اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ میں تو رب کو نہیں دیکھ رہا مگر میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔

ایمان بالغیب کو بڑی شان کے طور پر سورۂ البقرہ کے آغاز میں متقی لوگوں کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا تو حالت روزہ ایمان بالغیب کی عملاً ایک شکل ہے کہ ایک بندہ ظاہر کر رہا ہے کہ واقعی میں بغیر دیکھے بھی رب کو موجود سمجھتا ہوں اور میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس سے اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتا۔ اگرچہ میں ساری آنکھوں سے چھپ جاؤں مگر اپنے رب سے نہیں چھپ سکتا تو اس بندگی میں بندہ ایمان بالغیب کا عملاً ثبوت پیش کر رہا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی اس کا اپنے مولا کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

نمبر 3 امانت

تیسرے نمبر پر امانت پورے دین کے اندر پھیلا ہوا ایک مفہوم ہے تو حالت

ایک انسان کا جو اپنے خالق کے ساتھ تعلق ہے اس تعلق کی جو روح ہے، وہ روزہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ رب کو اخلاص بڑا پسند ہے تین چیزیں ہیں کہ بندے کا جو اپنے رب کے ساتھ تعلق ہے اس کے اندر انکا بنیادی کردار ہے یہ تین چیزیں یہ ہیں:

نمبر 1 اخلاص ہے۔

نمبر 2 ایمان بالغیب ہے۔

نمبر 3 امانت ہے۔

یہ تینوں چیزیں روزے کے اندر پائی جاتی ہیں۔

نمبر 1 اخلاص

اب جس وقت ایک انسان نے روزہ رکھا ہوا ہے تو باقی تمام عبادات کے مقابلے میں روزے کے اندر اخلاص کے زیادہ مواقع ہیں۔ چونکہ باقی عبادات ایسی ہیں کہ ان کے ادا کرتے وقت بندہ نظر آتا ہے کہ فلاں بندگی کر رہا ہے۔ اگرچہ اس کا اپنا دل نہ بھی ہو کہ مجھے کوئی دیکھے لیکن پھر بھی اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

جس وقت وہ نماز پڑھتا ہے تو نماز کا ایک ڈھانچہ ہے۔ ایک حیثیت ہے کہ جس میں وہ ہوگا تو دیکھنے والے کو نظر آئے گا۔

زکوٰۃ دیتا ہوا وہ نظر آ سکتا ہے۔ مگر روزہ ایک ایسی چیز ہے کہ جب بندہ حالتِ روزہ میں ہو تو کوئی بندہ کسی بندے کے ساتھ حالتِ روزہ کو نہیں دیکھ سکتا۔

یہ ایسی صورتحال ہے کہ جس میں بہت زیادہ خلوص پایا جاتا ہے تو اس بنیاد پر رب ذوالجلال کے ساتھ جو بندے کا تعلق ہے۔ اس کو خلوص سے پانی ملتا ہے اور

بندے کو اپنے رب کا دیدار میسر آئے گا۔

تعلق باللہ کے لحاظ سے اس بات کو اگر ہم اچھی طرح سمجھنا چاہیں تو سید عالم ﷺ کا فرمان بخاری شریف میں بھی ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے جو حدیث نبوی اور حدیث قدسی بھی ہے۔ محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ

''بندے کا ہر نیک عمل اس کو اللہ کے ہاں کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔

وہ ایک روپیہ دے تو دس بنا دیئے جاتے ہیں، سو بنا دیئے جاتے ہیں، سات سو بنا دیئے جاتے ہیں۔

الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ

ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے۔

ایک نیکی دس تک بڑھا دی جاتی ہے۔ اپنی مثل دس کر دی جاتی ہے یعنی گیارہ بن جاتی ہیں اور یہاں دس سے لے کر سات سو تک اور سات سو بھی آخری حد نہیں۔ اس سے بھی آگے نیکی کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ مگر روزہ کے بارے میں ربِ ذوالجلال فرماتا ہے اسے محض اتنا نہ سمجھو کہ جتنا دوسری نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ فرمایا:

اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ

مشکوٰۃ: ۱۷۳

روزے کا کیا کہنا روزہ تو میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں آپ دینے والا ہوں۔

روزہ میں ایک انسان پوری طرح امانت داری کا عملاً ثبوت دے رہا ہے۔ اگر خیانت کرنا چاہے تو اس کے پاس کتنے مواقع ہیں۔ کہیں چھپ کر کھالے، کسی سے اوجھل ہو کے کھائے اور کوئی چیز بھی جو مفطرات صوم سے ہے اس کو استعمال کر لے لیکن جب وہ ایسا نہیں کرتا تو عملاً اس نے اپنے آپ کو امانت کا علمبردار بنایا ہوا ہے کہ میرے پاس جو رب ذوالجلال کی دی ہوئی روزے کی سوغات ہے، میں اس میں خیانت نہیں ہونے دوں گا اور اس کے اندر امانت رکھوں گا تو یہ تین چیزیں جو رب ذوالجلال کو بڑی پسند ہیں۔ ان تینوں چیزوں کی تجسیم اور عملی شکل حالت روزہ میں بندہ کو محسوس ہوتی ہے اور اسے اس بات کی لذت آتی ہے۔ اس واسطے جب وقت افطار ہوتا ہے تو اس کو ایک خوشی محسوس ہوتی ہے اور اسے اس بات کی لذت آتی ہے کہ میں نے آج کا سارا دن اپنے رب کے کہنے پر گزارا ہے حالانکہ مجھے کسی نے باندھا نہیں تھا، کسی نے جکڑا نہیں تھا۔ میں نے اپنی خوشی سے محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ کام کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ

مشکوٰۃ: ۱۷۳

روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک تو وہ خوشی کہ جب بندہ وقت معین پر روزہ افطار کرتا ہے (کہ میں کتنا اچھا ہوں کہ میں نے اپنے رب کے کہنے پر پابندی کی ہے) اور دوسری وہ خوشی کہ جب جنت الفردوس میں اس روزے کے نتیجے کے طور پر

دیکھو جب رب ذوالجلال نے یہ فرمادیا کہ روزہ میرے لئے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی معبودان باطلہ ہیں ان میں سے کسی کے لئے روزہ نہیں رکھا گیا باقی ساری عبادتیں ان جھوٹوں کے لئے جھوٹوں نے کیں۔ مثلاً بتوں کو لوگ سجدے کرتے رہے بتوں کے نام پر لوگ نیازیں ان کے سامنے پیش کرتے رہے۔ بتوں کے گرد چکر لگا کے لوگ طواف کرتے رہے۔ مگر روزہ کبھی بھی معبود باطل کے لئے نہیں رکھا گیا۔ روزہ ہر دور میں خدا کے لئے رکھا گیا ہے۔ اس واسطے اللہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ کچھ باطل مذہبوں میں روزے کا تصور ہے وہ بھی روزہ رکھتے ہیں۔ بدھ مت ہے یا ہندو مت ہے ان کے اندر بھی کچھ وقت ایسا گزارا جاتا ہے مگر وہ ان کے نزدیک کسی معبود کی رضا کے لئے نہیں ہوتا وہ اپنے طور پر اپنے آپ کو شہوت سے دور رکھنے کے لئے یا ان کا جو اپنے باطن کی صفائی کا نظریہ ہے، اس کے لحاظ پر ایسا کرتے ہیں۔ وہ کسی معبود کی خوشنودی کے لئے روزہ نہیں رکھتے تو روزے کا یہ امتیاز باقی رہا کہ روزہ جب بھی رکھا گیا ہے، صرف اللہ کے لئے رکھا گیا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا، یہ میرا ہے، میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں آپ عطا فرماتا ہوں۔

اَلصَّوْمُ لِیْ کی دوسری وجہ

ایسے ہی نہ کھانا اور نہ پینا اللہ کی صفات ہیں تو بندے نے کچھ وقت یہ کوشش کی کہ میری بھی میرے رب سے مناسبت پیدا ہو جائے، جب میرا رب نہیں کھاتا پیتا تو میں بھی کچھ وقت ایسے گزاروں۔ اگرچہ بندہ محتاج ہے کھانے پینے کے بغیر

رب تعالیٰ اور روزہ

اب یہاں سے یہ سمجھئے کہ روزے کی وجہ سے ایک بندے کا تعلق اللہ سے کتنا مضبوط ہوتا ہے۔ ساری عبادتیں اس کے لئے ہیں۔ ہم نماز بھی اس کے لئے پڑھتے ہیں، صدقہ بھی اس کے لئے دیتے، زکوٰۃ بھی اسی کی رضا کے لئے، حج بھی اسی کے لئے، جہاد بھی اسی کے لئے تبلیغ بھی اسی کے لئے ہے، لیکن وہ کہتا ہے:

اِلَّا الصَّوْمُ

''مگر روزہ

فَاِنَّهٗ لِیْ

وہ میرے لئے ہے

وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ

اور اس کی جزا میں دیتا ہوں۔''

حالانکہ سجدوں کی جزا بھی وہی دیتا ہے اور حج کی جزا بھی وہی دیتا ہے، ہر اچھے کام کی جزا وہی دیتا ہے لیکن اس نے بطور خاص روزے کو اپنی طرف منسوب کیا تو جب روزہ رب کی طرف ساری عبادتوں میں سے منفرد طریقے سے منسوب ہوا تو پھر روزہ جس روزے دار کے ساتھ قائم ہے۔ وہ اس بندے کو بھی اپنے رب کی ذات کے ساتھ متعلق بنا دے گا۔

اَلصَّوْمُ لِیْ کی پہلی وجہ

یہ تعلق باللہ کا بڑا جاندار ذریعہ ہے اور اس کے اندر بڑی حکمتیں ہیں۔ اب

والا ہوں تا کہ پتا چل جائے کہ جتنے انوار و تجلیات روزے کے سبب بندے کو ملتے ہیں اور اس کی وجہ سے جتنا بندے کا اپنے مولا کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، یہ روزے کی ایک منفرد شان ہے۔

الصَّوْمُ لِیْ کی چوتھی وجہ:۔

بے ریا عمل رب ذوالجلال کو بہت زیادہ پسند ہے اور روزہ میں بالکل ریا نہیں ہے باقی تمام عبادات کا کوئی نہ کوئی ڈھانچہ ہے اس عبادت کا کوئی ڈھانچہ نہیں جس سے دیکھنے والے کو پتہ لگے کہ روزہ ادا کیا جا رہا ہے۔تو روزہ ایک سِرّ ہے جسکو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اسلیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کوئی کہے انا صائم (میں روزہ دار ہوں) یہ جملہ بھی حقیقت روزہ پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو۔مرقات ۴/۲۳۲

ایسے ہی اس حدیث شریف کے اندر جس وقت یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ میرا ہے اور جزا میں ہی دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ نماز کی جزا بھی اللہ ہی دیتا ہے لیکن یہ اللہ کی طرف سے واضح کر دیا گیا کہ نماز کی جزا فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہے کہ فلاں نے اتنے خشوع سے نماز پڑھی، اس کو ہزار نیکی دے دو، فلاں نے اس سے بڑھ کر پڑھی اس کا دل پوری طرح حاضر رہا اور وہ لفظ و معنیٰ کے اندر ڈوب کے اللہ کی بارگاہ میں اپنی عبادت کو پیش کرتا رہا تو اس کو دو ہزار نیکیاں دے دو۔

یہ رب ذوالجلال کی طرف سے فرشتوں کو لکھوایا جاتا ہے لیکن رب فرماتا ہے کہ روزے پر جو نیکی ملتی ہے اور جو اجر و ثواب ملتا ہے اسے کوئی فرشتہ نہیں جانتا اس کو

زندہ نہیں رہ سکتا، لیکن پھر بھی اس نے کچھ اپنے رب کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو اس وجہ سے روزہ تعلق باللہ کا ایک حسین اسلوب ہے۔

ایک تو ہمیشہ یہ روزہ صرف خدا کے لئے رکھا گیا اور دوسرا اس میں بندہ اپنے رب کے ساتھ مناسبت قائم کر رہا ہے اور کچھ وقت نہ کھا کے نہ پی کے اس نے اپنے اندر اپنے رب کی صفت کی جھلک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے اس کا اپنے رب کے ساتھ تعلق مضبوط ہو گیا ہے۔

الصَّوْمُ لِیْ کی تیسری وجہ

اسی پہلی حکمت کے اندر ہم جو حدیث کی حکمتیں بیان کر رہے ہے تو اللہ نے جو روزے کو اپنی طرف منسوب کیا تو اس کا تیسرا سبب یہ ہے کہ اللہ نے اس کے شرف کو ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

مثال کے طور پر پوری زمین اللہ کی ہے ہر گھر اللہ کا ہے لیکن ہر گھر کو بیت اللہ نہیں کہا جاتا۔ وہ خاص گھر ہے کہ جس کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ خاص گھر کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا جو اللہ کے ساتھ تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس تعلق اور اس شرافت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ باقی دنیا کے گھروں پر میرا وہ کرم نہیں ہے جو میری رحمت اس گھر پر برستی ہے تو خالق کائنات جل جلالہ نے جیسے اس مقام پر نسبت تشریف کی ہے، اس گھر کو شرف دینے کے لئے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔

ایسے ہی اگرچہ ہر عبادت اللہ کے لئے ہے مگر اس نے تمام عبادتوں میں سے روزے کو بطور خاص اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ میرا ہے اور میں اس کی جزا دینے

صُوْمُوْا تَصِحُّوْا

''روزہ رکھو اور صحت پاؤ۔''

یہ حکم ہے ہمارے نبی ﷺ کا۔ روزہ رکھو اور تندرستی پاؤ۔

صُوْمُوْا تَصِحُّوْا

روزہ رکھو تم تندرست ہو جاؤ گے، تمہیں صحت ملے گی۔ اب اس صحت سے ظاہری بدن کی صحت مراد ہے کہ تم میڈیکلی طور پر اتنے موزوں ہو جاؤ گے کہ تمہارے بدن سے جو فاضل مادے ہیں ان کا خروج ہو جائے گا اور اس لحاظ سے تمہاری جو قوت انہضام ہے اس کے اندر موزونیت آ جائے گی تو سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ نے فرمایا

''تم روزہ رکھو، روزے کی وجہ سے تمہیں جسمانی طور پر صحت میسر آئے گی۔''

یہاں تک کہ اگر طب کے سارے اصولوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو روزے کا ایک شعبہ بنتا ہے۔ قرطبی میں موجود ہے ایک بڑا ماہر حکیم تھا اور وہ نصرانی تھا، وہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ تمہارے قرآن میں طب کے بارے میں کچھ بھی نہیں ہے، حالانکہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں:

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ

''علم دو ہیں ایک ادیان کا علم اور دوسرا ابدان کا علم۔''

تمہارے قرآن میں دین کا علم تو ہے لیکن اس میں علم ابدان یعنی طب کا علم نہیں ہے۔ اس واسطے ہم تمہارے قرآن کو اتنی جامع کتاب نہیں مانتے جتنا اس کو تم

میں ہی جانتا ہوں، میں بتاؤں کہ کس عدد کی ضرورت ہے تب فرشتوں کو پتہ چلے گا کہ اس کا ثواب اتنا ہے، اتنا ہے، اور روزہ ایسا ہے کہ جس کے ثواب کو کوئی عدد شمار ہی نہیں کرسکتا۔

اس واسطے خالق کائنات جل جلالہٗ نے فرمایا: یہ میرا ہے اور اس کی جزا میں دیتا ہوں تو ان حکمتوں کے پیش نظر اس حدیث شریف سے ہم نے اس نسبت کو اخذ کرلیا کہ روزہ وہ عبادت ہے جو تعلق باللہ کا بڑا حسین ذریعہ ہے اور جس کی وجہ سب سے بڑی جو ضرورت ہے کہ بندے کا اس کے رب سے رشتہ مضبوط ہو اور تعلق مضبوط ہوتا جائے۔ روزہ یہ کام بندے کے لئے آسان کرتا ہے اور بندے کو اپنے رب کے دربار میں بندگی کے لحاظ سے منفرد مقام عطا فرماتا ہے۔

حکمت نمبر 2 ظاہری زندگی اور اس کا نکھار

روزے کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس سے ظاہری زندگی بھی ہے اور زندگی کا نکھار بھی ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق کے بعد انسان کو زندہ رہنے کے لئے زندگی کی ضرورت ہے اور زندگی ایسے ہی نہیں، صحتمند زندگی کی ضرورت ہے۔ نکھار اور بہار والی زندگی کی ضرورت ہے تو روزہ کا فائدہ یہ ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ بندے کو طبی طور پر نکھار عطا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے بندے کی زندگی برقرار بھی رہتی ہے اور زندگی میں بہار بھی آتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس کو ابن سنی نے اور ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ میرے محبوب علیہ السلام کا فرمان ہے:

کہ تمہارے نبی ﷺ نے طب کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔

اس پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میرے محبوب علیہ السلام کے فرامین طب کے بارے میں بہت زیادہ ہیں میں تجھے صرف ایک فرمان ان میں سے سناتا ہوں اور وہ فرمان جس وقت سنایا۔ طبرانی میں اس سے ملتا جلتا مفہوم ہے اور میں جو سند کے لحاظ صحیح روایت ہے وہ پڑھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهٖ

''کسی برتن کو بھرنا اتنا برا نہیں جتنا پیٹ کے برتن کو بھر دینا برا کام ہے۔''

کسی چیز کو بھرنا اتنا قبیح نہیں اور کسی چیز کو لبالب بھر دینے میں اتنی قباحت نہیں ہے جتنا پیٹ کو پوری طرح بھرنے میں قباحت ہے، رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

بِحَسْبِ لُقَيْمَاتٍ

''بندے کے لئے چند لقمے کافی ہیں۔''

يُقِمْنَ صُلْبَهٗ

''جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں۔''

یعنی بندے کے پیٹ میں اتنی غذا ہونی چاہیے، جس سے اس کا نظامِ زندگی بحال رہے۔ رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث جس وقت حضرت امام زین العابدین نے پیش کی تو وہ نصرانی کہنے لگا:

مَا تَرَكَ كِتَابُكُمْ وَلَا نَبِيُّكُمْ لِجَالِيْنُوْسَ شَيْئًا (قرطبی: ۱۷۲/۱/۴)

سمجھتے ہو، اس لئے کہ اس میں ایک قسم کا علم تو ہے یعنی آدھا علم ہے، آدھا نہیں ہے تو امام زین العابدین فرمانے لگے:

تم میرے نانا جی کے سارے قرآن کی بات کرتے ہو۔ آؤ! میں تم پر واضح کرتا ہوں کہ پورا قرآن تو پورا قرآن رہا، قرآن مجید کا کوئی پارہ تو پارہ رہا، کوئی رکوع تو رکوع رہا، کوئی آیت مکمل تو اپنی جگہ رہی، میرے محبوب علیہ السلام کے قرآن کی نصف آیت میں اللہ نے پوری طب بھر دی ہے۔ اس نے کہا کیسے؟

تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (سورۃ الاعراف: ۳۱)

''کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔''

اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بغیر حاجت کے کھانا یعنی بھوک اچھی طرح نہیں لگی مگر کھانا کھا لیا ہے بغیر ضرورت کے کھانا اور دوسری یہ کہ پیٹ بھر کر کھا لینا اور پیٹ بھر کر پینا۔ فرمانے لگے۔ پوری آیت تو اپنی جگہ رہی نصف آیت میں ساری طب موجود ہے۔ اس نصرانی نے کہا:

یہ ٹھیک ہے میں مان گیا کہ تمہارے قرآن میں تو بہت زیادہ طب ہے اور واقعی نصف آیت جو ہے وہ سارے طبیبوں کے لئے کافی ہے اور سارے مریضوں کے لئے کافی ہے۔ اگر اس پر عمل کر لیں تو کسی کا کوئی مرض باقی نہیں رہے گا۔

اس واسطے کہ اصل میں معدہ ہی ساری بیماریوں کا مرکز ہے جب اس میں صحت ہوگی تو سارے بدن میں صحت ہوگی۔ پھر اس نے دوسرا سوال کر دیا کہنے لگا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دے دو میں واپس چلا جاؤں۔ مجھے تو بھیجا گیا تھا کہ تمہارے صحابہ کرام کا علاج کروں گا اور اتنی دیر ہوگئی ان میں سے تو کوئی بیمار ہوا ہی نہیں۔ تو میں گھر جاتا ہوں۔

تو میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیمار نہیں ہوتے۔ اس واسطے کہ جب تک شدت سے بھوک نہ لگ جائے۔ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے۔ اور جب کھاتے ہیں تو آدھی بھوک ابھی باقی ہوتی ہے کہ کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس واسطے ان کے ہاضمے بالکل صحیح ہیں۔

تو یہ جو صورتحال روزے میں ہمارے لئے لازم کی گئی ہے اس میں انسان کی حقیقی زندگی ہے۔ اس کے اندر زندگی کی قوت بھی ہے، نکھار بھی ہے اور بقا بھی ہے۔ لہٰذا طب کے لحاظ سے روزے کی یہ حکمت ہے کہ اس میں ہماری یہ زندگی بھی ہے اور زندگی کا نکھار بھی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم ہی نہیں ایک یورپین کیتھولک ڈاکٹر جس کا نام جعفرائے ہے، اس نے اس کی تحقیق کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

روزہ کائنات میں ہر طرف ہے، حیوان بھی رکھتے ہیں، درخت بھی رکھتے ہیں اور جب پوری کائنات اپنی صحت کے لئے روزے ضرور اختیار کرتی ہے۔ حیوان بھی کچھ وقت ایسا گزارتے ہیں تو پھر انسان کو بھی صحت کے لئے روزہ رکھنا چاہئے۔

یعنی یہ اس کا اپنا سروے تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے بڑی طویل بحث کے بعد اس بات کو ثابت کیا، کہتا ہے کہ:

تمہارے قرآن نے اور تمہارے نبی ﷺ نے تو جالینوس کے لئے پیچھے کوئی طب چھوڑی ہی نہیں ہے۔''

ساری طب قرآن نے بھی بیان کردی ہے اور ساری طب تمہارے نبی ﷺ نے بھی بیان کردی ہے اور جالینوس کے لئے کوئی طب باقی نہیں رہ گئی۔ جس بات کو اس نصرانی نے بھی تسلیم کیا اور جس کو ساری طب کا مرکز قرار دیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ انسان اپنے بدن کے لحاظ سے مناسب کھائے اور کچھ وقت اپنے معدہ کو خالی بھی رکھے اور اپنے آپ کو کھانے میں اصراف سے بچا کے رکھے۔ اسلام میں اس کا سالانہ کورس روزے کی شکل میں کروایا جاتا ہے۔ اس واسطے روزے کے لحاظ سے رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہماری اس دوسری حکمت کے لحاظ سے بڑا ہی مناسب ہے کہ محبوب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

خَیْرُ الدَّوَاءِ الْعَزْمُ

بہتر دوا بھوکا رہنا ہے۔

محاسن اسلام: ١٩

سب سے بہتر دوا یہ ہے اور سب سے بہتر علاج بندے کے لئے یہ ہے کہ اپنے شکم کو خالی رکھے کیونکہ بیماریاں بنتی تب ہیں جب وہ زیادہ کھاتا ہے اور اس کے بعد آگے سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک بادشاہ نے طبیب بھیجا تھا کہ جو صحابہ کرام بیمار ہو جائیں گے، یہ ان کا علاج کرے گا۔ وہ کافی طویل مدت رہا اور پھر کہنے لگا،

ہے کہ اس نے اپنی زکوٰۃ نکال دی ہے اور زکوٰۃ نکالنے کے لحاظ سے ظاہری طور پر اس کا بدن بالکل سلامت ہے۔

اس میں چمک آ گئی ہے اور اس کو یہ صورتحال میسر ہے۔ وہی صورتحال کہ جب برفباری ہوتی ہے۔ موسم خزاں ہوتا ہے تو درختوں کے پتے گر جاتے ہیں اور پھر وہ وقت آتا ہے کہ نئے شگوفے نکلتے ہیں جو نازک خوشبو والے اور چمکدار ہوتے ہیں کہ جس سے زمانے میں بہار آتی ہے۔ یہ کیوں ایسا ہوا؟

اس واسطے کہ انہوں نے روزوں کا وقت گزار لیا ہے اور اب ان کی عید کا زمانہ آ گیا ہے، درختوں کے اندر بھی فاضل مادے ہوتے ہیں۔ درختوں کی صحت کے لئے ان کا خروج ضروری ہوتا ہے۔ وہ پتوں میں جمع ہو جاتے ہیں اور پتے ان سے جدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے روزے کے موسم کے اندر جب پتے جدا ہو گئے اب نیا زمانہ آیا۔ وقت آیا تو نئے پتے نکلے، بہار آ گئی، تازگی آئی تو بعینہٖ ڈاکٹر نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں تو انسانیت کی بقا کے لئے اور انسان کی بہتری اور نشو و نما کے لئے بھی اس کو دیکھنا چاہئے کہ کچھ وقت وہ حالتِ روزہ میں گزارے اور یہ ہمارے دین کی حکمتیں ہیں کہ ہمیں رب ذوالجلال نے دہری اور بلکہ کئی لحاظ سے تہہ در تہہ فوائد عطا فرمائے ہیں۔

ایک طرف یہ حالت کہ جس میں سے ہم گزر رہے ہیں۔ اللہ خوش ہو رہا ہے کہ یہ میرے فرمانبردار بندے ہیں، یہ سرکش نہیں ہیں، باغی نہیں ہیں، کہ میں کہوں کہ تم نے نہیں کھانا اور یہ پھر چھپ کے کھا جائیں۔ اللہ خوش ہو رہا ہے، وہ ذوالعرش

برفانی علاقوں میں کئی کئی مہینوں تک جانور غائب ہو جاتے ہیں اور ہمارے علاقوں میں بھی سانپ وغیرہ ایک وقت تک پوشیدہ ہوتے ہیں اور جن علاقوں میں برفباری ہوتی ہے وہاں تو کئی کئی ماہ تک کچھ پرندے بھی غاروں میں ہوتے ہیں۔ کچھ جانور بھی غاروں میں ہوتے ہیں اور وہ اس حالت کے اندر اپنا ایسا کورس مکمل کر رہے ہوتے ہیں جس کو انگلش میں **Hibernition** کہا جاتا ہے۔یعنی سردی کی نیند ایک لمبا **season** وہ گزارتے ہیں۔ جب وہ وقت گزر جاتا ہے اس کے بعد جب وہ باہر نکلتے ہیں تو ان کی کھالیں چمک رہی ہوتی ہیں۔ پرندوں کے نئے پر آچکے ہوتے ہیں اور ان کو نئی تازگی ملی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنا روزے والا وقت گزار چکے ہوتے ہیں اور اس کے بعد ان کو صحت مل گئی ہے۔ یہ تم دیکھتے ہو کہ ایک وقت آتا ہے سانپ کی کھال بدل جاتی ہے اور سانپ اپنی جھلی کو بدلتا ہے تو وہ اس کا ایک روزے کا انداز ہے جس کی وجہ سے اس سے فاضل مادے باہر نکل گئے تو اس کو پھر چمکدار کھال مل گئی۔

ایسے ہی ہمارے لئے روزہ ہے۔میرے محبوب علیہ السلام فرمانے لگے:

لِكُلِّ شَيْءٍ زَكٰوةٌ وَزَكٰوةُ الْبَدَنِ الصَّوْمُ

اتحاف سادۃ المتقین: ۳۹۵/۷ دار الفکر

''ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔''

اب جب زکوٰۃ نکلتی ہے تو پیچھے چیز پاک ہو جاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ عید کے دن روزے دار کے چہرے پر چودھویں کے چاند جیسی چمک آجاتی ہے۔نکھار آجاتا

نفس کی اپنی شہوت ہے۔

نفس کی شہوت ہے کہ مجھے کھانے کو ملے اور اعضاء کی شہوت یعنی آنکھ کی شہوت یہ ہے کہ میں ناجائز دیکھوں، کان کی شہوت یہ ہے کہ میں ناجائز سنوں اور زبان کی شہوت یہ ہے کہ میں گندی باتیں کروں، ہاتھ کی شہوت یہ ہے کہ میں ناجائز جگہ پر لگوں اور قدم کی شہوت یہ ہے کہ میں حرام وادی کی طرف چل کے جاؤں۔

اب جس وقت بندے کا نفس سیر ہو گیا تو سارے اعضاء بھوکے ہو گئے۔ اب وہ مست ہے اس کی آنکھ چاہتی ہے میں اپنی بدکاری کرلوں، زبان چاہتی ہے میں اپنی بدکاری کرلوں، آنکھ چاہتی ہے میں اپنا گناہ کرلوں، ہاتھ چاہتے ہیں، ہم اپنا گناہ کرلیں اور قدم چاہتے ہیں ہم اپنا گناہ کرلیں۔

یہ ساری بیماریاں اس لئے پیدا ہوئیں کہ نفس مست ہو گیا ہے، نفس سیر ہو گیا ہے۔ نفس کھا کھا کے پوری طرح دھت ہو گیا ہے، اعضاء سارے بھوکے ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ایک کشمکش بدن میں جاری ہو گئی اور ایک جنگ چھڑ گئی۔ انسان کی روحانیت کہتی ہے کہ اللہ کے دربار میں رہو، شیطانیت کہتی ہے کہ نکل کے باہر چلے جاؤ۔

لیکن اگر بندے کا نفس بھوکا ہو تو پھر کیا ہوتا ہے، سارے اعضاء سیر رہتے ہیں۔

نفس جب بھوکا ہوگا تو کان کو گناہ کرنے کا خیال نہیں ہوگا، آنکھ کو بھی گناہ کرنے کا خیال نہیں ہوگا، ہاتھ کو بھی بدکاری کا خیال نہیں ہوگا، قدم کو بھی بدکاری کا خیال نہیں ہوگا۔

تو پھر اچھا یہ ہے کہ ایک چیز کو بھوکا رکھا جائے تاکہ باقی ساری برائیوں سے

خوش ہے کہ انہوں نے میری بات مانی ہے اور میرے بندے میری اطاعت کر رہے ہیں اور دوسری طرف یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا موقع دیا ہے اور طبی طور پر ہمیں وہ سہولت میسر آئی ہے کہ جس کی وجہ سے ہمارے بدن کی صلاحیتوں میں نکھار آنے کا زمانہ ہے۔

حکمت نمبر ۳

حقیقی زندگی کا جوبن

حقیقی زندگی بھی روزے سے ہے۔ حقیقی زندگی کیا ہے؟ حقیقی زندگی یہ ہے کہ بندے کا دل روشن ہو اور بندے کے دل میں اجالا ہو کیونکہ قرآن مجید میں زندگی چلنے پھرنے کا نام نہیں ہے۔ حقیقی زندگی یہ ہے کہ بندے کا دل چمک والا ہو۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب کبھی گردن جھکائی دیکھ لی

چودہ طبق دلے دے اندر تنبو ونگن تانے ہو

وہ انداز جو دل کا ہے کہ دل اتنا روشن ہو کہ لوح محفوظ کی تحریریں بھی اس سے پڑھی جا سکیں تو یہ دل کو روشنی روزے کی وجہ سے ملتی ہے۔ کیوں؟

اس واسطے کہ اگر چہ جو ہمارا روزہ ہے اس سے ہم اتنا کچھ حاصل نہیں کر سکتے لیکن خواص کا جو روزہ ہے، وہ یقیناً انہیں اس حقیقی زندگی کے آخری مرحلے تک لے جاتا ہے۔ یہ انسان کی طبیعت کا حصہ ہے کہ جس وقت بندے کا نفس پوری طرح سیر ہو جاتا ہے تو اس کے سارے اعضاء بھوکے ہو جاتے ہیں۔ اعضاء کی اپنی شہوت اور

اور جب پیٹ لقمہ سے خالی ہوتا ہے تو عقل حکمت سے بھر جاتی ہے۔

اس بنیاد پر یہ حقیقی تازگی روزے کے اندر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنے نظام شریعت میں تجویز فرمائی ہے۔

حکمت نمبر 4 عقل کا مطالبہ

عقل کا بھی مطالبہ ہے کہ روزہ رکھا جائے۔ وہ کیسے؟

اگر انسان کا بس چلتا ہوتا تو یہ کبھی بھی کھانے پینے کے قریب نہ جاتا کیونکہ کھانے پینے کے اندر جو بالآخر ایک قباحت ہے اس قباحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ کبھی بھی کھانا پینا نہ کرتا، چھوڑ دیتا۔ اگر اس کی زندگی کھانے پینے کے بغیر چل سکتی ہوتی، اگر یہ کھائے پیئے بغیر زندگی گزار سکتا ہوتا تو کبھی بھی کھانا نہ کھاتا، پانی نہ پیتا، کیوں؟

جب وہ دیکھتا کہ جو میں کھاتا ہوں یہ بنتا کیا ہے اور جب بن جائے تو پھر اگر اندر رہے تو میں کیسے بچوں گا۔ اور اگر باہر اس کو نکالوں تو میری حالت اس وقت کیا ہوگی۔

اگر انسان کھائے پیئے بغیر بچ سکتا ہوتا تو عقلمند کھانے پینے کے قریب ہی نہ جاتا کہ میں جو کھاتا ہوں، پیتا ہوں وہ کتنی گندی چیز بنتی ہے اور اس کی کتنی بدبو آتی ہے اور میں خواہ مخواہ اپنے بدن کو بدبو کا مرکز بنالوں اور اپنے اندر ایسی بدبو کو اکٹھا کر لوں اور پھر جس وقت اس سے فارغ ہونا چاہتا ہے تو اس وقت اس کو اپنا بدن ننگا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی تمام قباحتوں کا بندہ کبھی بھی اپنے آپ کو مرکز نہ بناتا، اگر اس کا بس چلتا ہوتا تو کبھی بھی یہ کھانے پینے کے قریب نہ جاتا کہ کھالوں گا، پی لوں گا، تو اس کا

بندہ محفوظ ہو جائے۔ تو اس کا باقاعدہ کورس جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں دیا گیا ہے وہ یہ روزہ ہے جس کی وجہ سے نفس کو بھوکا رکھا جاتا ہے۔ جب نفس کو بھوکا رکھا جاتا ہے تو سارے اعضاء اللہ کی رضا میں مست ہو جاتے ہیں۔ سارے اعضاء بدی سے دور رہتے ہیں اور برائی سے باز رہتے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے جس وقت ظاہری اعضاء پاک ہوتے ہیں تو اس کا اثر دل پر جا پڑتا ہے اور دل چمک والا ہو جاتا ہے۔

اب دیکھئے کہ یہ ایک قدرتی طریقہ کار ہے کہ یہ جو ہمارے اعضاء ہیں ان کا ایک اثر دل پہ ہوتا ہے۔ مثلاً کان نے غم والی خبر سنی لیکن اس سے بدن سارا کمزور ہو گیا اور بندے کی طبیعت پریشان ہوگئی۔ اور اس کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ اب سنا تو کان نے تھا لیکن دل کو ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ کان کی خبر کا دل پر اثر ہو گیا ہے۔ اگر ظاہری طور پر یہ اثر ہو سکتا ہے تو پھر جب کان کو گناہوں سے بچائیں گے تو پھر اس نور کا اثر بھی دل پر ہوگا۔ آنکھ کو جب بدکاری سے بچائیں گے تو پھر اس کا اثر دل پر پڑے گا اور جب سارے اعضاء بدی سے بچ جائیں گے تو دل نورنگر بن جائے گا اور یہ وہ حقیقی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا فرماتا ہے۔

لہٰذا تیسری حکمت یہ ہے کہ جس کی وجہ سے بندے کو ایک ایسی زندگی مل جاتی ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ حقیقی طور پر زندہ ہوتا ہے چونکہ مومن کا باطن ظاہر کا ایک حوالہ ہوتا ہے اور ظاہر باطن کے لئے ایک حوالہ ہوتا ہے۔ جس کا باطن جتنا خالی ہوتا ہے۔ ظاہر اتنا ہی چمک والا ہوتا ہے اور یہ حکماء کے نزدیک مشہور ہے:

جب پیٹ لقمہ سے بھر جاتا ہے تو پھر ذہن حکمت سے خالی ہو جاتا ہے۔

سوار ہے اسے تب پتہ چلے گا، پیادہ کتنی مشکل میں ہے جب وہ خود پیدل چلے گا۔اور کبھی بھی کسی شخص کو جو اپنے گھر میں بیٹھا ہے یا اپنے محلے میں رہتا ہے اسے یہ نہیں پتہ چلے گا کہ پردیسی کو کیا مصیبتیں پیش آتی ہیں اور پردیسی بننا کتنا مشکل ہوتا ہے، جب وہ پردیسی بنے گا تو پھر اس کو پتہ چلے گا کہ پردیس میں جانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ایسے ہی تعارف کروانے سے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ فقر کیا ہے، بھوک کیا ہے جب بندہ کچھ وقت کے لئے خود بھوکا رہا تو پھر اس کو شعور ملا ادراک آیا کہ فقر یہ ہوتا ہے۔

تو یہ روزے کی شان ہے کہ جس نے ہمیں فقراء کی حالت کے ادراک کا ایک لمحہ عطا فرمایا ہے کہ پہلے کسی کا ادراک کریں گے تو پھر کس پر رحم کر سکیں گے۔ پھر کسی کے ساتھ شفقت کر سکیں گے تو اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض کر دیا کہ امراء رکھیں، فقراء رکھیں، سب رکھیں تا کہ امراء کو بھی پتہ چلے کہ بھوک کیا ہوتی ہے؟ پیاس کیا ہوتی ہے؟ گھر سب کچھ ہو اور ان کو یہ پریکٹس کروائی جائے پھر انکو فقراء کی مشکل کا پتہ چل جائے گا اور پھر دل سے جذبہ پیدا ہوگا کہ یارو ہم نے تو ایسی چند دن مشکلات کو دیکھا اور جو بے چارے ساری زندگی ایسے گزار رہے ہیں۔ان کا کیا ہوگا تو پھر ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے گا۔

حکمت نمبر 6 فقراء و غرباء کے ساتھ یکجہتی

روزے کی چھٹی حکمت یہ ہے کہ اس سے غرباء و فقراء کے ساتھ یکجہتی ہوتی ہے۔ بندہ یہ چاہتا ہے کہ میں ان صبر والے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کروں، ان کے ساتھ میں ہاتھ بٹاؤں اور ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و

جو انجام ہے اس کو نبھانا بڑا مشکل ہے لیکن چونکہ بندہ آخر بندہ ہے تو اس کو کھانے پینے کی ضرورت ہے اور یہ کھانا پینا بندے کے لئے جو رکھا گیا یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دبایا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا غلبہ ہے کیوں؟

اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ انہی بندوں میں سے کچھ ایسے بگڑے ہوئے ہوں گے جو میرے مقابلے میں کہیں گے کہ ہم بھی خدا ہیں۔ ہم بھی رب ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کھانا پینا لازم کیا تا کہ تم سے جس وقت یہ گندگی نکلے تو تمہیں پتہ چلے کہ رب ایسا نہیں ہوتا جس سے ایسی گندگی نکل رہی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس واسطے قہراً بندے پر اپنی قدرت کو ظاہر کرنے کے لئے بندوں پر کھانا پینا لازم کر دیا۔

اب جو چیز ایسی صورتحال کے لئے ہے یقیناً اس میں بذات خود کوئی حسن نہیں ہے اس سے بچنے میں حسن ہے تو کھانے پینے سے اجتناب کا عقل بھی تقاضا کرتی ہے کہ اصل کمال نہ کھانا اور نہ پینا ہے، کھانا پینا تو ایک مجبوری کا نام ہے۔ تو اس واسطے بندے نے کچھ وقت ایسا جو گزارہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں وہ تحفہ میں مل گیا، تو عقل بھی خوش ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے تقاضے پورے کر دیئے ہیں۔

حکمت نمبر 5 فقراء کی حالت کا ادراک

اس روزے سے فقیر کی حالت کا ادراک ہوتا ہے۔ ویسے ہمیں جتنا بھی فقیر کا تعارف کرایا جائے کہ فقیر یہ ہے اور مسکین یہ ہے تو ہمیں پتہ نہیں چلے گا کہ فقر کیا ہوتا ہے؟ بھوک گھر میں ہو تو کیا ہوتا ہے؟ تین دنوں تک کھانا نہ ملے تو حالت کیا ہوتی ہے؟

ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ کبھی بھی اس شخص کو پیادہ کی مشکلات کا پتہ نہیں ہے جو

بھی دن میں کھا سکتا ہے لیکن اس نے بھی روزہ رکھا ہوا ہے کیونکہ یہ مہینہ اللہ نے مسلمانوں پر لازم کر دیا کہ تم پورا مہینہ فقراء کے ساتھ یکجہتی میں گزارو۔ یہ پورا مہینہ فقراء کے ساتھ یکجہتی کا مہینہ ہے۔ اگر تم نہیں کھاتے تو ہم بھی نہیں کھاتے اگرچہ مخصوص انداز ہوگا شرائط ہوں گی لیکن حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فقراء کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ دیکھو میں نے امراء کو بھی اس وصف میں تمہارے ساتھ شریک کر دیا ہے۔

حکمت نمبر 7 محاسن اخلاق کا گلشن

روزہ محاسن اخلاق کا گلشن ہے۔ روزے میں انسان کو اچھے اخلاق حاصل کرنے کا ایک وقت ملتا ہے اور یہ بھی ایک طویل حکمت کا سلسلہ ہے۔ اختصار سے کچھ اس طرح ہے۔ ابھی جب رمضان المبارک کا دن نہیں تھا تو آپ دن کے وقت کھاتے پیتے تھے، حرام نہیں تھا۔ آج دن کے وقت کھانا پینا حرام ہو گیا تو یہ کھانا پینا جو کل جائز تھا اس وقت حرام نہیں تھا اب حرام ہو گیا تو پتہ چلا کہ روزے کا اہتمام ہے کہ کچھ کام جو جائز تھے اب روزے کی وجہ سے ناجائز ہو گئے ہیں۔

لیکن کچھ کام ایسے ہیں جو روزے سے پہلے بھی ناجائز تھے تو اب وہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوں گے۔ جب رمضان نہیں آیا تھا تو دن کو کھانا کھانا تو جائز تھا مگر فراڈ کرنا تو جائز نہیں تھا۔ تو کیا پتہ چلا کہ اس وقت روزے کے اہتمام کے پیش نظر ہمارے لئے بھوک کو لازم قرار دے دیا گیا۔ پیاس کو لازم کر دیا گیا تا کہ جب یہ صورتیں آئیں تو دل نرم ہو اور دل کی بنجر زمین زرخیز بن جائے اور اس میں پھر اچھے

ثواب پالوں۔ یہ وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاتِ مشکوٰۃ: ۱۷۳

''یہ ہمدردی کا مہینہ ہے۔''

حضر بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ بغداد شریف کے مشہور ولی ہیں۔ مجھے ان کے دربار پر حاضری کا بھی شرف حاصل ہوا۔ حضرت بشر حافی سردی کے موسم میں بیٹھے ہوئے کانپ رہے تھے اور سردی والے کپڑے پاس پڑے ہوئے تھے تو کسی نے کہا کہ سردی بھی ہے اور سردی والے کپڑے بھی تمہارے پاس موجود ہیں تو ان کپڑوں کو پہن لو، تم یونہی سردی سے کانپ رہے ہو۔ تو حضرت بشر حافی کہنے لگے:

يَا اَخِيْ اَلْفُقَرَاءُ كَثِيْرٌ لَيْسَ لِيْ طَاقَةُ مُوَاسَاتِهِمْ بِالثِّيَابِ

مرقاۃ: ۲۳۹/۴

اے میرے بھائی! فقراء بہت ہیں مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ان سب کو کپڑے دے کر ان کے ساتھ ہمدردی کرسکوں۔

مجھے پتہ ہے کہ میرے پاس کپڑے پڑے ہیں مگر میں اس لئے نہیں پہن رہا کہ فقراء بہت زیادہ ہیں۔ جن کے پاس اس وقت سردی میں کپڑے نہیں ہیں اور مجھ میں یہ طاقت نہیں۔ میں اس لحاظ سے ہمدردی ان کے ساتھ نہیں کرسکتا کہ سب کو کپڑے لے کر دے دوں تو میں اس لحاظ سے ہمدردی کر رہا ہوں کہ اگر انہوں نے نہیں پہنے تو میں بھی نہیں پہنوں گا۔ میں نے اپنے کپڑے قریب اس لئے رکھے ہوئے ہیں اور خود کانپ رہا ہوں۔

تو یہ اس موسم کے اندر مواسات ہے۔ اگرچہ کتنا بڑا مالدار ہے، ہزار کھانے

بندے کو کھانے پینے کی زیادہ چاہت ہے اور ایسی چیزوں کے ساتھ بندے کی رغبت زیادہ ہے لیکن بندہ بڑی بھوک لگنے کے باوجود اللہ کے روکنے کی وجہ سے کھانے سے رکا ہوا ہے اور ادھر اگر چہ جی نہ کر رہا ہو پھر بھی افطار کے وقت کھانا لازم کر دیا گیا ہے تو یہ روزہ ایک انسان حاکم ومحکوم کے سامنے عملی طور پر ایک اطاعت پیش کرتا ہے اور ڈسپلن پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزے کی شکل میں ہمیں ڈسپلن قائم کرنے کا ایک درس عطا فرمایا ہے۔

حکمت نمبر 9: انداز فرضیت میں حکمتیں اور شفقتیں

روزے کی فرضیت کا جو انداز ہے اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ساری زندگی کا روزہ لازم نہیں کیا اور ساری زندگی کیا سارے سال کا بھی لازم نہیں کیا بلکہ ہر سال میں ایک مہینہ لازم کیا، ایک مہینہ کیسا اس میں بھی دن رات مسلسل روزہ نہیں بلکہ صرف دن کو روزہ ہمارے لئے لازم کیا۔

اب اللہ تعالیٰ کی اس میں جو شفقتیں ہیں اور جو ہمارے لئے حکمتیں ہیں، ان کو ملاحظہ کیجئے:

1۔ دن کے وقت روزہ فرض کرنے کی حکمت

روزہ دن کو ہے رات کو نہیں کیونکہ اگر بندہ غروب آفتاب سے پہلے کھالے اور سو جائے تو صبح تک اس کو کوئی حاجت نہیں ہے، چونکہ وہ سونے کا وقت ہے۔ وہ کام کا وقت نہیں ہے جبکہ کام میں بھوک ہوتی ہے، کام میں پیاس ہوتی ہے تو پھر یہ ہوتا کہ محض عادت پوری ہوتی، عبادت پوری نہ ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے عادت وعبادت میں

اچھے پھول کھلیں۔ اس میں صدق وصفا ہو، شرم وحیاء ہو، عدل وانصاف ہو اور مختلف چیزیں اس کے اندر پیدا ہو جائیں۔

لہٰذا روزے نے بندے کو اخلاق حسنہ کے لئے ایک بہترین موقع عطا کر دیا ہے کہ جس کو اچھی اچھی صفتیں اپنے اندر پیدا کرنی ہیں تو روزے نے اس کو ایک direction دے دی ہے۔ اب دیکھو انسان چھت پہ چڑھنا چاہتا ہو تو وہ سیڑھی پہ چڑھتا ہے اور سیڑھی پہ تو چڑھے مگر چھت پہ نہ بیٹھے تو اس کو بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔

ایسے ہی بھوک اور پیاس چھت پر جانے کی سیڑھی ہے۔ چھت تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔ اچھے اوصاف ہیں۔ لہٰذا روزہ تب روزہ بنتا ہے کہ جس وقت مقصد کو پایا جاتا ہے اور اس تقویٰ کی چھت تک انسان پہنچ جاتا ہے تو اس بنیاد پر جب اس کے ادب کے پیش نظر پہلے جائز کام بھی ناجائز ہو گئے تو جو پہلے ہی ناجائز تھے ان سے بچنا تو بہت زیادہ لازم ہو گیا۔ جس وقت انسان ان ساری چیزوں سے بچے گا تو مہینہ گزرنے کے ساتھ اچھے اخلاق کا گلشن بھی پیدا ہو چکا ہو گا۔

حکمت نمبر 8: روزہ Decipline کی عملی شکل ہے

روزہ Decipline کی ایک عملی شکل ہے کہ کھانا وقت معین پر لازم کر دیا گیا۔ اور وقت معین پر نہ کھانا لازم کیا گیا اور پھر وقت معین پر کھانا لازم کر دیا گیا۔ اور اگر اس وقت تاخیر کرتا ہے تو مکروہ ہو جاتا ہے کہ جب اتنی تاخیر کرے گا ستارے نکل آئیں اور جب روزہ رکھنے کا وقت ختم ہو گیا تھا اب اگر اس وقت کھاتا ہے تو روزہ ہوتا ہی نہیں ہے تو یہ روزہ انسان کو نظم وضبط اور نظام کی پابندی کا سبق دیتا ہے

ہے اب دیکھو ایسا کوئی آمر دلاسا دیتا ہے کہ حکم دے اور ساتھ پیار بھی دے، فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

البقرہ: ۱۸۳

''اے ایمان والے تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

وہ ہمیں direct فرما دیتا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

''تم پر روزہ فرض ہے۔''

نہ یہ کہتا اے مومنو تم پر یوں فرض کیا گیا جس طرح پہلوں پر فرض کیا گیا اور نہ یہ فرماتا کہ تمہیں فائدہ یہ ہوگا۔ صرف یہ کہتا کہ تم پر روزہ فرض ہے۔ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم انکار کرتے ہم ضرور رکھتے لیکن اب اس کا پیار کتنا ہے اس نے پہلے تو ہمیں اپنے نام سے بلایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر: ۲۳)

مومن اللہ کا اپنا نام ہے اور اس نے ہمیں روزے کا حکم دینے سے پہلے اپنے نام سے پکارا اور پھر فرمایا، روزہ جو میں نے تم پہ لازم کیا ہے، اس سے تم گھبرا نہ جانا، کیوں؟

فرمایا:

فرق رکھا، عبادت تب بنتی ہے۔ جب اپوزیشن ہو اور پھر بھی بندہ اس کو دبائے۔ بھوک بھی لگے، پیاس بھی لگے، لیکن پھر بھی بندہ اس کو دبا کے رکھے تو روزہ بن جائے گا۔ اگر ساری رات ویسے عادت کے مطابق سویا رہتا ہے تو پھر حکمت پوری نہ ہوتی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے دن کے اندر ہمارے لئے روزہ کو لازم قرار دیا۔

2- دوسری شفقت

دوسری وجہ اور حکمت یہ ہے کہ دن کو روزہ لازم کیا اور پھر مزید اس میں اللہ کی شفقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رخصت دے دی کہ اگر تم سفر پہ ہو، لمبی مسافت ہے، ساڑھے ستاون میل تم جانا چاہتے ہو۔ 92 کلومیٹر کا سفر ہے تو اگر تم مشقت سمجھتے ہو تو رخصت ہے اور ایسے ہی بیماری ہے تو اس میں بھی رخصت ہے۔

اب دیکھئے رخصت میں پھر آگے شفقت کیا ہے کہ اگر انسان نے عذر کی وجہ سے روزہ کی چھٹی کی تھی، وہ دن چودہ گھنٹے کا تھا اور پھر جس وقت اس نے قضا کی ہے وہ دن بارہ گھنٹے کا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ لازم نہیں کیا کہ جتنا لمبا دن تم نے ناغہ کیا تھا اتنا لمبا دن تم روزہ رکھو تو پھر روزہ پورا ہوگا اگر چھوٹا دن آ گیا ہے۔ اس میں روزہ رکھے گا تو قضا پوری ہو جائے گی۔ ایسے ہی جس دن اس نے بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تھا، وہ بڑا گرم دن تھا۔ جب اس کی قضا کرتا ہے بڑا سرد دن ہے تو اللہ نے اس میں بھی شفقت رکھی ہے کہ تم اس میں بھی قضا کرو گے تو تمہیں ثواب عطا فرما دیا جائے گا۔

3- تیسری شفقت

اس واسطے جو اس روزے کی فرضیت کا **Pattern** ہے اس میں بڑی شفقت

اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ

اس میں بھی ایک شفقت ہے۔ فرمایا چند دن ہی تو ہیں یہ نہیں فرمایا کہ پورا مہینہ ہے۔ اب اس سے بندے ڈر جائیں۔ پورا مہینہ تمہیں روزہ رکھنا پڑے گا۔ فرمایا

اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ

یہ چند دن ہی تو ہیں جن میں تم نے روزے رکھنے ہیں تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی شفقت کا مزید اظہار فرما دیا۔

5- پانچویں شفقت

اللہ تعالیٰ نے روزے میں ایک اعتکاف والی فضیلت بنا دی۔ مطلب کیا تھا کہ روزے دار ضیف اللہ ہوتا ہے۔ روزہ دار اللہ کا مہمان ہوتا ہے تو جو اللہ کا مہمان ہو وہ اللہ کے گھر میں رہتا ہے۔ لہٰذا وہ اعتکاف والی جو صورت تھی اس کو ساتھ attach کر دیا گیا۔ یہ اللہ کے جب مہمان ہیں تو ان میں سے کچھ ضرور اللہ کے گھر میں رہیں۔

6- چھٹی شفقت

روزے میں پھر اللہ تعالیٰ نے صدقہ فطر بنا دیا۔ کس طرح کہ جیسے نماز میں بھول ہو جائے تو اس کے لئے سجدہ سہو ہوتا ہے تو آخر بندہ روزہ رکھ کے اس کی زبان سے کوئی لفظ نکل جاتا ہے کبھی کوئی لغویات ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے صدقہ فطر کو سجدہ سہو بنا دیا ہے کہ جس وقت صدقہ فطر ادا کر دیا جائے گا تو محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کما کتب علی الذین من قبلکم

یہ تو سوچو کہ یہ روزہ تم سے پہلے کس کس نے رکھا..............اب عام طور پر لوگ یہ کہہ دیتے ہیں:

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

جس طرح پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ امتوں پر فرض کیا گیا تھا لیکن جب یہ تصور کیا جائے، جیسے پہلے انبیاء پر فرض کیا گیا تھا اور پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تو پھر یہ تڑپ پیدا ہو گی کہ جب اللہ نے انبیاء کو یہ شان دی ہے تو ہم اس معاملے میں پیچھے کیوں رہ جائیں؟ وہ روزہ رکھ کے اللہ کے قرب میں پہنچ جائیں اور ہم اس سے خالی رہ جائیں؟ تو اس سے ایک تڑپ پیدا ہو گی کہ ہم سے جو پچھلی امتیں ہیں وہ تو روزہ رکھیں لیکن ہم نہ رکھیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ ایک شوق دلا دیا اور پھر ساتھ اللہ تعالیٰ نے حوصلہ بھی دیا۔

تم یہ نہ سمجھنا کہ جو یہ کام کرے وہ تو مر جاتا ہے اور ہم کیسے روزہ رکھ سکیں گے۔ اللہ فرماتا ہے پہلے بھی لوگ رکھتے رہے ہیں اور تم سے پہلی قوموں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو تم سے ہو نہ سکے تو اللہ تعالیٰ نے

كَمَا كُتِبَ

سے ایک مزید شفقت کا اظہار فرما دیا، حکم بھی دیا ہے، ساتھ دلاسہ بھی دیا ہے اور ساتھ اس کے انعام کا اعلان بھی فرما دیا ہے۔

4- چوتھی شفقت

یہ روزے کی چند حکمتیں تھیں اور آخر میں صوفیاء کے نزدیک جو روزہ کی تعریف ہے، اس کو بیان کرتے ہیں:

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ عرائس البیان میں روزے کی تعریف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ:

ہمارے صوفیاء کے نزدیک روزہ کیا ہے۔ چونکہ عمومی طور پر صوفیاء کہتے ہیں:

اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْہِ صَوْمٌ

''ساری دنیا ایک دن ہے اور یہ ایک دن ہمارے لئے روزے کا دن ہے۔''

ابن عربی کہتے ہیں:

اَنْ تَصُوْمُوا عَنْ مَأْلُوْفَاتِ الطَّبِیْعَۃِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کا مطلب یہ ہے:

کہ جو طبیعت کی پسندیدہ چیزیں ہیں جن کی طرف بندوں کو الفت ہے اور جن کی طرف بندہ مالوف ہے ان مانوس چیزوں کو چھوڑ دو تو کیا ہوگا۔

لِکَیْ تَتَخَلَّصُوْا عَنْ رِجْسِ الْبَشَرِیَّۃِ

''جب ساری مانوس چیزیں چھوڑ دو گے تو بشریت کی گندگی سے تم محفوظ ہو جاؤ گے۔''

پھر کیا ہوگا:

تَصِلُوْا مَقَامَ الْاَمْنِ وَالْقُرْبَۃِ

''تو تمہیں اللہ کے دربار میں ایک اہم مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔''

لہٰذا صوفیاء کا روزہ عام روزہ سے بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ

زَکٰوۃُ الْفِطْرِ طُھْرُ الصِّیَامِ (مشکوٰۃ: ۱۶۰)

صدقہ فطر روزوں کی پاکیزگی ہے۔

جب روزے دار کا روزہ پراگندہ ہو جائے اس پر غبار پڑ جائے، تو جب وہ صدقہ فطر دیتا ہے تو روزہ دھل جاتا ہے، روزہ ستھرا ہو جاتا ہے۔

7- ساتویں شفقت

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ساتویں شفقت یہ ہے کہ جہاں ساری عبادات میں نیت کا پہلے ہونا ضروری ہے لیکن روزہ کے لئے پہلے نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ سو گیا تھا، اس کو پتہ نہیں چلا کہ طلوع صبح صادق ہو گئی ہے، پھر کھائے پیئے بغیر زوال سے پہلے وہ نیت کرے تو اس کے سارے دن کا روزہ ہو جائے گا لیکن نماز پڑھنے کے لئے نیت پہلے ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ آدھی رکعت پڑھ کر پھر نیت کر لو، اس طرح نماز نہیں ہو گی۔

یہ روزے کی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرض کیا کہ کچھ وقت اگرچہ نیت کے بغیر گزر گیا ہے، بعد میں نیت کر لو گے تو سارے دن کا روزہ ہو جائے گا۔

8- آٹھویں شفقت

روزے کی فرضیت میں اللہ تعالیٰ کی بندوں پر آٹھویں شفقت یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں بھول کر کھا لو گے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ برقرار رہے گا۔ جبکہ نماز میں اگر تم بھول کے بھی بات کرو گے تو نماز ٹوٹ جائے، نماز نہیں رہے گی لیکن بھول کر اگر روزے میں کھاؤ گے تو روزہ برقرار رہے گا۔

سوالات وجوابات

☆ حالت روزہ میں احتلام ہو جائے تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: حالت روزہ میں احتلام کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ غسل بندے کو کرنا چاہئے اور پھر بندگی میں مصروف ہونا چاہئے۔ صرف غرارے ہیں حلق کے، ان سے اجتناب کرے اور جس وقت روزہ افطار کرے۔ اس وقت وہ غرارے یا اس نیت سے پانی کے گھونٹ حلق سے نیچے اتار دے۔ اس کو طہارت مل جائے گی۔

☆ روزے کی حالت میں پٹھوں میں ٹیکا لگوا سکتے ہیں کہ نہیں؟

جواب: حالت روزہ میں اصل ہم نے اس کی جو حکمت عملی بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بندے کے اندر ایک کمزوری پیدا ہو اور اس کی شہوتیں دم توڑ جائیں اور اس کو ایک تجلی حاصل ہو اور اگر کوئی بندہ ٹیکے لگوا لگوا کے پھر وہی صورت حال اپنی برقرار رکھتا ہے، اس کے نفس میں کمزوری نہیں آتی اور کسر شہوت نہیں ہوتی یعنی شہوت نہیں ٹوٹتی تو پھر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ نہایت مجبوری کی حالت میں عذر کی شکل میں اس کے لئے جائز ہے کہ وہ پٹھوں میں گوشت میں ٹیکا لگوا سکتا ہے اور رگ کے ٹیکے سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ اور جو پٹھوں میں لگوانے کی صورت یہ ہے کہ انتہائی مجبوری کی حالت میں ہے ورنہ افطار کے بعد کوئی لگوائے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔

☆ روزے کی حالت میں اگر بیماری ہو نکسیر کی تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: روزے کی حالت میں نکسیر آنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس کا

ان کے نزدیک اگر بندہ یہ خیال کرلے کہ آج افطار کس سے کروں گا تو وہ سمجھتے ہیں کہ روزے کا فائدہ ہی ختم ہو گیا۔ ایک منٹ بھی یہ خیال کیوں آیا کہ افطار کس سے کروں گا۔ تو یہ جتنی انسان کوششیں کرتا ہے اسی کے لحاظ سے اس کو مرتبہ ملتا جاتا ہے۔

میری دعا ہے رب ذوالجلال روزے کی ان تمام حکمتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا روزہ مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

انہوں نے حلال رزق کھا کے روزہ رکھا تھا اور غیبت کر کے اپنے بھائیوں کا گوشت کھا کھا کے یہ ان کا حال ہو گیا تو اس واسطے غیبت سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔

☆ یا الٰہی کرم فرما مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم کیجئے خدا کے واسطے کیا یہ دعا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: تو دعائیہ اشعار میں سے یہ شعر جائز ہے کہ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہ دعا کی جا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا یہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ صحابہ کرام علیھم الرضوان اس پر قائم رہے اور یہ قرآن پاک کی اس آیت کا حصہ ہے، جس میں یہ فرمایا گیا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء: ۶۴)

اور یہ جو دوسرا اس کا مصرع ہے، جس میں ہے کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم کیجئے خدا کے واسطے

اب خدا کے واسطے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی رضا کے حصول کے لئے کہ تم ہم پہ کرم کرو گے۔ اللہ کی رضا کے لئے جس طرح منگتا مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے لئے مجھے یہ دے دو، اللہ کے لئے ایک روپیہ، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک روپے کی اللہ کو ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے مجھے ایک روپیہ دے دو۔

روزہ بحال رہے گا۔

☆ حاملہ عورت نے اگر روزہ رکھا ہے تو وضع حمل کے وقت ٹیکہ لگوانے، دوائی کھانے اور آپریشن کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی حالت جو ہے اگر اس کے علاوہ کوئی دوسری بیماری بھی ہو تو اس میں روزہ افطار کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ جان جانے کا خطرہ ہو عورت پر جب ولادت کا وقت آجائے تو ایسی صورت میں یہ ہے کہ اس کا روزہ ویسے ہی نفاس کی وجہ سے برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اس پر اس کی قضاء لازم ہوگی۔ ادویات کا بھی استعمال کرنا اس کے لئے درست ہے۔

☆ غیبت سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب: غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقت اس کی باقی نہیں رہتی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ غیبت سے روزہ یوں ٹوٹ جاتا ہے کہ اب اس کا روزہ ختم ہو گیا اور اس پر قضاء یا کفارہ لازم آجائے جو حدیث شریف میں منع کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت روزہ یعنی کامل روزہ نہیں رہتا لیکن ڈھانچہ روزے کا برقرار رہتا ہے اور فرضیت ادا ہو جاتی ہے مگر بندۂ مومن کو اس حالت کے اندر کہ جب اس نے روزہ رکھا ہو تو ایسی صورت میں اس کو غیبت سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ گزشتہ سال ہم نے بیان کیا تھا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کو حکم دیا کہ یہ دونوں قے کریں تو ان کے اندر سے گوشت کے ٹکڑے باہر نکلے، فرمایا:

کہ سنگی لگانا، لگوانا کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ جس سے روزہ ٹوٹے۔ چونکہ روزہ ٹوٹتا ہے کہ دوا یا غذا سے کوئی

چیز بندے کے دماغ میں اس کے شکم میں داخل ہو جائے۔ وہ عادی راستہ ہو یا غیر عادی راستہ ہو تو اس سے کوئی چیز اس کے شکم میں داخل نہیں ہوئی نہ دماغ میں پہنچی ہے تو صرف یہ ہے کہ خطرہ ہے کہ اگر خون زیادہ نکل گیا تو کمزور ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روزہ توڑنے کی نوبت آجائے۔

تو اس بنیاد پر ٹیسٹ کے لئے اتنا اگر کوئی مریض کمزور ہے کہ جس سے اتنا خون مطلوب ہے ٹیسٹ والوں کو کہ جس کی وجہ سے اس بندے کے بے ہوش ہو جانے کا خطرہ ہے اور اس کے روزہ کے افطار کی نوبت کا خطرہ ہے تو پھر حالتِ روزہ میں اس کو ٹیسٹ کے لئے خون نہیں دینا چاہئے اور اگر ایسا نہیں تو خون دیا جاسکتا ہے۔

اور جو نفس مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ ٹیسٹ کے لئے جب خون لیا جائیگا تو روزہ اس سے نہیں ٹوٹے گا۔ آگے ایک امر عارض ہے کہ اگر اس کی صحت ایسی ہے کہ اس کے بیہوش ہو جانے کا خطرہ ہو، خون دیکھنے کی وجہ سے یا خون نکلنے کی وجہ سے، کیونکہ کچھ بندے خون نکلتا دیکھیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت حال کہ اس کے منہ میں پانی ڈالنا پڑ جائے اور روزہ اس کا تڑوانا لازم آجائے تو ایسی صورت میں احتیاط کرنی چاہئے۔

☆ حالت روزہ میں علاج کے لئے یا ویسے بھاپ لے

تو ایسے ہی اس میں خدا کے واسطے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم پر کرم کیجئے۔ نبی ﷺ کا کرم کر سکنا یہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ حضرت زید بن حارثہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۳۷)

اللہ نے بھی ان پر انعام کیا ہے اور اے نبی ﷺ آپ نے بھی ان پر انعام کیا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید سے یہ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ (التوبہ: ۷۴)

''ان کو غنی کر دیا اللہ تعالیٰ نے اور ان کو غنی کر دیا اللہ کے رسول ﷺ نے، اپنے مشترکہ فضل کے ساتھ۔''

☆ حالت روزہ میں ٹیسٹ کروانے کے لئے خون نکلوا سکتے ہیں یا نہیں؟ (سائل انڈیا سے)

جواب: یہ مسئلہ ہم حجامت پر یعنی سنگی لگوانے پر قیاس کر سکتے ہیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ حالت روزہ میں ایک شخص نے سنگی لگوائی جو پرانا طب کا ایک طریقہ تھا کہ رگ سے وہ خون چوس کے باہر نکالا جاتا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمادیا:

أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ (ترمذی شریف: ح: ۷۷۴)

''جس نے سنگی لگائی ہے اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور جس نے لگوائی ہے اس کا بھی ٹوٹ گیا۔''

مطلب یہ تھا کہ وہ ساتھ ساتھ غیبت کر رہے تھے اور اس میں محدثین نے کہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 4

امتیازاتِ نماز

سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: حالت روزہ میں بھاپ لینا درست نہیں ہے ہے۔ اس سے روزے کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔ صرف وہ صورتیں کہ جن پر مجبوری ہے۔ مثال کے طور پر کوئی آٹے کی مشین پر مزدور ہے اور آٹے کا غبار اڑ رہا ہے یا ویسے بارش ہو رہی ہے اور چل رہا ہے تو کچھ بالکل معمولی قطرے ہو سکتا ہے۔ ناک کے ذریعے یا ویسے اندر چلے جائیں تو یہ صورتیں عذر کی ہیں۔ ویسے عملاً اور ارادے کے ساتھ جس طرح سگریٹ جائز نہیں ہے، حقہ جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی بھاپ لینا بھی جائز نہیں ہے۔

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کا کروڑوں بار شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس عشرۂ رحمت میں اس پر کیف اجتماع میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی ہے

ادارہ صراطِ مستقیم کا پروگرام رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے تسلسل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہٗ ہم سب کو صحت وعافیت کے ساتھ اس کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

امتیازاتِ نماز

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یقیناً آج کا موضوع ہمارے لئے بڑی دلچسپی، چاشنی اور لذت کا باعث ہے کہ ہم رب ذوالجلال کی عبادت میں جس وقت حالتِ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارے سامنے نماز کا وہ امتیازی سلسلہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے خالق کائنات نے اس کو تمام عبادات پر ممتاز فرمایا ہے۔ اگر ہم اس کی طرف توجہ کرلیں گے تو عبادت میں مزید چاشنی پیدا ہوگی اور مزید نکھار آئے گا۔

اَحْمَدُکَ اللّٰھُمَّ یَامُجِیْبَ کُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ ھُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِی الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوالزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلَاکُمْ فَنِعْمَ

الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَآئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ وعمّ نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین ، خاتم النبیین ، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

هُوَ مَوْلَاکُمْ

وہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔

فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر

اور وہ بہت اچھا مولا اور بہترین کارساز ہے۔''

اس آیہ کریمہ میں اور اس کے سوا آیات میں نماز کا حکم واضح طور پر موجود ہے اور ایسے ہی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ نماز کے احکام سے متعلق ہے۔ نماز جس کی گفتگو آج ہمارے موضوع کا مرکزی کردار ہے۔ اس سے مراد نماز پنجگانہ ہے، یعنی فرض عین اس کے اسرار و رموز کے لحاظ سے یہ گفتگو آگے چلے گی اور فرض کفایہ، نماز جنازہ بھی نماز ہی کہلاتی ہے مگر ہم اس وقت فرض عین کے لحاظ سے جو امتیازات ہیں ،ان کو بیان کریں گے۔

صلوٰۃ کا لغوی معنیٰ

صلوٰۃ کا لغوی معنیٰ ہے:

اَلدُّعَاءُ

یا

اَلدُّعَاءُ بِالْخَیْرِ

صلوٰۃ کا معنیٰ ہے دعا کرنا یا کسی کی بہتری چاہنا۔

چونکہ قرآن مجید برہان رشید میں سورۂ توبہ کے اندر آیت نمبر **103** مین رب ذوالجلال کا فرمان ہے۔ جہاں خالق کائنات نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا:

نماز بندے اور مولا کے درمیان ایک بہترین رابطے کا نام ہے۔

نماز مومن کے لئے معراج ہے

نماز اللہ کے دربار میں بندے کی سرگوشی ہے۔

نماز ظاہر اور باطن کا نور ہے۔

نماز دارین میں سعادتوں کا سبب ہے۔

نماز بے حیائی اور برے کام سے بچے رہنے کا ایک بہترین حصار اور قلعہ ہے۔

نماز کی وجہ سے انسان کی سیرت میں بھی جوبن آتا ہے اور انسان کے اعمالِ صالحہ میں بھی ایک نکھار آتا ہے۔

قرآن مجید برہان رشید اور حدیث شریف میں نماز سے متعلق جتنے احکام ہیں اور اس کے سوا صحابہ کرام علیھم الرضوان اور علماء امت کے جو فرمودات ہیں۔ ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے آج کا ہمارا مختصر سا درس نماز کے ایک پہلو سے متعلق ہے کہ اس عبادت میں جامعیت کتنی ہے۔ اس عبادت کے اندر خالق کائنات جل جلالہٗ نے ہمارے لئے وہ کونسے مواقع رکھے ہیں کہ جن کی وجہ سے واقعی نماز مومن کی معراج کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے قرآن مجید برہان رشید کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ سورۂ حج کی آیت نمبر 78 ہے۔ خالقِ کائنات فرماتا ہے:

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ

''نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

نماز کی فضیلت جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی وہ احادیث کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے یہ بات مسند امام احمد میں موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَّسْمَعُ اَذَانَ صَلٰوةٍ فَقَامَ اِلٰى وُضُوْئِهٖ اِلَّا غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ بِاَوَّلِ قَطْرَةٍ تُصِيْبُ كَفَّهٗ مِنْ ذَالِكَ الْمَآءِ

مسند امام احمد: ۲۵۴/۵

''جس وقت بھی ایک عبد مسلم اذان کی آواز سنتا ہے، اذان کی آواز سننے کے بعد وضو کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو جس وقت اس کا ہاتھ پانی کو لگتا ہے اور پانی کا پہلا قطرہ اس کے ہاتھ کو مس کرتا ہے تو اس بندے کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔''

نماز کی کس قدر فضیلت ہے کہ ابھی نماز کا موضوع آگے بڑھنے والا ہے۔ نماز کے اندر جو عظمتیں بندے کو میسر ہوں گی اور جس قدر اس کے صحن چمن میں بہار آئے گی، وہ سارے معاملات ابھی بعد میں ہیں۔

ابھی اس نے اذان سنی اور نماز کے لئے وضو کا آغاز کیا اور پانی کا پہلا قطرہ جب اس کی ہتھیلی سے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

غُفِرَلَهٗ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ

''جتنے بھی اس کے سابقہ گناہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں صاف کر دیا۔''

تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَهِيَ نَافِلَه قَامَ اِلٰى صَلٰوتِهٖ

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبۃ: ۱۰۳)

''آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کریں۔(بیت المال کے لئے) ان کو پاک کرتے ہوئے اور ان کا اس صدقے کے ذریعہ سے تزکیہ کرتے ہوئے، اور آپ ان کے لئے دعا مانگیں کیونکہ آپ کی دعا آپ کے غلاموں کے لئے باعث سکون ہے۔''

یہاں قرآن مجید میں لفظ صلوٰۃ استعمال کیا گیا۔

تو اب یہاں پر وہ معنیٰ نہیں جو ہم نماز کی شکل میں لیتے ہیں۔اس سے دعا بالخیر مراد ہے۔کسی کی بہتری کی دعا مانگنا تو اللہ تعالیٰ محبوب علیہ السلام کو حکم فرمارہا ہے کہ اپنے غلاموں کو نیکی کی طرف متوجہ کرو اور ان کو دعائیں دو۔آپ کی دعائیں ان کے سکون کا سبب بنتی ہیں۔اور آپ کی دعاؤں سے ان کو تسکین کے جام ملتے ہیں۔

صلوٰۃ کی اصطلاحی تعریف

هِيَ اَقْوَالٌ وَاَفْعَالٌ مَخْصُوْصَةٌ مُفْتَتَحَةٌ بِالتَّكْبِيْرِ مُخْتَتَمَةٌ بِالتَّسْلِيْمِ

''نماز مخصوص اقوال وافعال کو کہا جاتا ہے کہ جن کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے اور اختتام سلام پر ہوتا ہے۔''

مخصوص اقوال اور مخصوص افعال شریعت کی شرائط کے مطابق ان کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔جس وقت کہ ان کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہو اور اختتام سلام پر ہو، یہ نماز کی اجمالی سی تعریف ہے۔

امتیازاتِ نماز

ہم اللہ کی جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ بڑی عظیم ہے اور بالخصوص روزے کے بارے میں جو اسرار و رموز اور حکمتیں اور جامعیت آپ نے سنی وہ تازہ تازہ آپ کے ذہن میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی آج نماز کا باب شروع ہو گیا ہے۔

امتیاز نمبر 1

جامع عبادت

امتیازات کے لحاظ سے نماز کی سب سے پہلی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ ساری عبادات میں سے جامع عبادت ہے۔

ایک عبادت مالی ہوتی ہے، ایک عبادت بدنی ہوتی ہے اور ایک عبادت قلبی ہوتی ہے اور ایک عبادت قالبی ہوتی ہے۔ نماز کو دیکھیں تو ہر لحاظ سے اس میں ایک جامعیت موجود ہے۔

بدنی تو ہے ہی کہ انسان نماز پڑھتا ہے تو تھک جاتا ہے اس کو تھکاوٹ ہوتی ہے۔ قدم سوج سکتے ہیں۔ کثرت قیام کی وجہ سے قدموں میں ورم آ سکتا ہے۔ اس کے بدن کو تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ بالخصوص لمبا قیام کرنے سے اور کثرت سجود کے ساتھ نقاہت آ سکتی ہے۔ بدن کے ساتھ ساتھ یہ باقاعدہ مالی عبادت بھی ہے۔ کیوں؟

اس میں طہارت شرط ہے اور وہ طہارت بدن کی بھی ہے اور طہارت کپڑے کی بھی ہے۔ کپڑے کی طہارت کے لئے جو پانی ملے گا تو وہ بھی اس کو پیسے سے ملے گا، اس کے حصول کے لئے اس کو دولت خرچ کرنا پڑے گیا اور بدن کی طہارت کے

''اب جس وقت وہ نماز پڑھ رہا ہے تو یہ سارا بخشش کا اضافی سلسلہ ہے۔''

بخشش کا کام تو پہلے قطرے سے ہو گیا جب اس نے وضو کرنے کے لئے پانی کو مس کیا اب جو کچھ بعد میں کر رہا ہے یہ بخشش کا اضافی سبب ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ مزید اپنی طرف سے نوازشات عطا فرمائے گا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی دوسری روایت بھی ہے کہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الْجِنَانِ

طبرانی ۸/ ۲۹۹ طبعۃ العراق: فتح المنان: ۵

''جس وقت بندہ وضو کر کے اللہ کے دربار میں کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔''

آج ہم جس وقت رمضان المبارک کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں کہ جونہی چاند طلوع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے تو دن کے پانچ مرتبہ نماز کی حالت میں بندے کے لئے اللہ نے یہ اہتمام کیا ہے جب یہ تیار ہو کے زمین پر کھڑا ہوتا ہے اور اللہ کے دربار میں حاضری کی نیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ اتنا پسند ہے کہ اگرچہ یہ زمین پہ ہے لیکن اس کے استقبال کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے یعنی یہ وہ عمل ہے جو جنت میں جانے کا ایک قوی ذریعہ ہے اور جنت میں جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

سے لگ گیا کہ وہ خود باہر ہو، دل مسجد میں رہتا ہے۔ اس کا دل مسجد سے معلق ہو گیا ہے، لٹک گیا ہے اور مسجد کے ساتھ گویا کہ اس کا دل چمٹ گیا ہے۔ حالانکہ دل اس کے بدن میں ہی ہے لیکن اس کی دلچسپی کا مرکز مسجد بن گئی ہے تو اس لحاظ سے نماز میں اصل اس کے دل کا وظیفہ ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اتنا عادی بنے کہ اس کو حضوری مل جائے۔

صرف حالتِ نماز میں ہی نہیں یا صرف مسجد کے اندر ہی نہیں بلکہ مسجد سے باہر بھی اس کو خیال مسجد کا ہو تو اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ جامعیت عطا فرمائی ہے کہ یہ قالب کی بھی عبادت ہے اور قلب کی بھی عبادت ہے۔

امتیاز نمبر 2 نماز میں شہادتین کا وجوب

دوسرا نماز کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں شہادتین کا وجوب ہے۔

شہادتین سے مراد اللہ کی توحید کی شہادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت۔ ویسے عمومی طور پر سروے کرلیں عبادات میں سے کسی کے اندر شہادتین کو بحیثیت رکن ان کے لئے لازمی قرار نہیں دیا گیا۔

اگرچہ مومن کا دل ہر وقت شہادت سے مامور ہونا چاہئے چونکہ یہ عقیدے کا اہم معاملہ ہے تو ہر وقت بندہ یہ شہادت دے رہا ہے کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے میں بات کر رہا ہوں کہ شہادتین کے الفاظ کو واجب قرار دے دیا جائے کہ اگر وہ نہ ہوں تو وہ عبادت ہی نہ ہو جس عبادت کی یہ شان ہے، اسے نماز کہا جاتا ہے۔

چونکہ نماز میں قعدہ ہے، تشہد ہے تو تشہد میں شہادتین ہیں:

لئے بھی اس کو سرمایہ لگانا پڑے گا۔

اور پھر نماز کی ادائیگی کے لئے ستر عورت ضروری ہے یعنی شرمگاہ کا ڈھانپے ہوئے ہونا اور بدن پر کپڑوں کا ہونا۔ اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کا خیال رکھے۔ کیونکہ یہ نماز کے لئے شرط ہے تو اس سے پتہ چلا کہ یہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔

یہ عبادت صرف بدن یا مال کی ہی نہیں بلکہ یہ عبادت قلب کی بھی ہے اور قالب کی بھی ہے، یہ دل کی عبادت بھی ہے اور جسم کی عبادت بھی ہے۔

جسم کی عبادت واضح ہے کہ اس میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں اور پھر باقاعدہ اعضاء کو معین کیا گیا ہے کہ جن کا سجدے کی حالت میں لگے ہوئے ہونا ضروری ہے۔

اور پھر قلب کی عبادت یہ ہے کہ یہ رب ذوالجلال کے دربار میں حاضر ہے اور انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے دربار میں جھکتا ہے اور دل کو تمام خیالات سے پاک کیا جاتا ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے اس نمازی کی شان بیان کی ہے اور اس کو ان سات افراد میں شمار کیا ہے کہ جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ وہ کونسا خوش نصیب ہے، فرمایا:

قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ

بخاری شریف: 91/1

گویا کہ فرمایا کہ وہ بندہ کہ جس کا دل نماز پڑھ پڑھ کے اتنا اللہ تعالیٰ کے گھر

صرف نماز میں نظر آئے گی، نماز کے سوا باقی عبادت میں نظر نہیں آئے گی۔ اس رزلٹ پر جا کر اخذ ہوگا کہ جس میں اتنی زیادہ شرائط ہیں تو پھر یہ وہ عبادت ہے جو بندے کے لئے اللہ کے قرب کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

امتیاز نمبر 3 توجہ الی الکعبۃ

نماز کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ اس میں توجہ الی الکعبۃ ہے۔

نماز توجہ الی الکعبۃ کے بغیر نہیں ہوتی جو مکہ شریف میں ہے۔ اس کیلئے عین قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اور ہمارے لئے جہت قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے کیونکہ عین قبلہ کیطرف سب کا دور سے منہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگرچہ کچھ لوگ کشف والے بھی ہوں اور ان کو کعبہ نظر بھی آرہا ہو مگر اس کی جتنی حدود ہیں اس کے لحاظ سے وہ پوری کائنات میں مساوی سامنے آجائے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ عین کعبہ کی طرف وہاں کے لوگوں کے لئے منہ کرنا ضروری ہے۔ باقی سب کے لئے جہت کعبہ ضروری ہے۔ جس جہت میں کعبہ ہے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے توجہ الی الکعبۃ نماز کے لئے لازم ہے۔

اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو کیسی شان دی ہے کہ اللہ تعالیٰ سجدہ اپنے آپ کو کروانا چاہتا ہے اور درمیان میں اس نے ایک قبلہ بنا دیا ہے جو معبود نہیں ہے، معبود تو اللہ ہے قبلہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے سجدوں کو وصول کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچا رہا ہے اس سے قبلہ کی شان کو سمجھو کہ قبلہ کیا چیز ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے؟

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

یہ جو شہادتین ہیں نماز کے اندر بالخصوص یہ اس کی جامعیت اور اس کا امتیاز ہے۔

روزہ رکھنے کے لئے شہادتین کا تلفظ ضروری نہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شہادتین کا تلفظ ضروری نہیں۔ حج اور جہاد کی ادائیگی کے لئے شہادتین کا تلفظ واجب نہیں لیکن یہ نماز ہے کہ جس میں شہادتین کو لازم قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کو دیگر تمام عبادتوں سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔

ان امتیازات کے ساتھ ساتھ اپنے ذہن کو دوسری عبادات کی طرف بھی متوجہ رکھیں۔

مثلاً جو میں نے جامعیت بیان کی ہے کہ یہ جامع عبادت ہے اب اس میں ستر کا ذکر کیا اور اس میں طہارت کا ذکر کیا تو آپ نگاہ کر لیں کہ روزے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بندے کا روزہ تب ہی برقرار رہے گا جب اس کا پورا بدن ڈھانپا ہوا ہو اور اگر وہ غسل کرنے کے لئے ننگا ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ نہیں نہیں، روزہ برقرار رہے گا۔

مگر نماز ایسی چیز ہے کہ اگر تین تسبیحات کی مقدار کے برابر وقت بھی کوئی عضو ننگا ہو گیا، جس کا ڈھانپنا لازم ہے تو نماز نہیں رہ سکے گی۔

اور ایسے ہی روزے کے لئے وضو ضروری نہیں کہ وضو ہو تو روزہ باقی رہ سکے۔ وہ وضو کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اور نماز کے لئے ضروری ہے۔ اگر وضو ہو گا تو نماز ہو سکے گی۔ ورنہ نماز نہیں ہو سکے گی تو یہ ہر امتیازی شان انوکھی طرح کی ہے کہ جو

جب آپ نے یہ بڑی گہری بات کی تو اس پر کسی نے سوال کر دیا کہ یقیناً جو کسی کا کعبہ ہو وہ اس سے افضل ہوتا ہے تو یہ جن کا کعبہ اور قبلہ ہے تو یہ ان سے افضل ہوگا۔ حالانکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ حقیقتِ محمدی ﷺ کا قبلہ حقیقتِ قبلہ ہے۔ تو پھر یہ لازم آئے گا کہ حقیقت کعبہ ہمارے نبی ﷺ کی حقیقت سے افضل ہو۔ حالانکہ یہ اتفاقی عقیدہ ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہے جس کو اللہ نے ہمارے نبی ﷺ سے زیادہ شان عطا فرمائی ہو۔ آپ ﷺ افضل المخلوقات ہیں، سید المرسلین ہیں۔ تو حقیقتِ کعبہ جب آپ کی حقیقت کا قبلہ بن جائے گا تو قبلہ ہونے کے لحاظ سے وہ آپ کی حقیقت سے افضل ہو جائے گا۔ حالانکہ آپ ﷺ کی حقیقت سے افضل کوئی چیز نہیں ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے مکتوبات شریف میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لوگو تم نے سمجھا ہی نہیں کہ صورتِ کعبہ کیا ہے اور حقیقتِ کعبہ کیا ہے۔ صورتِ کعبہ یہ سمجھتے ہو کہ جو پتھر کعبہ میں لگے ہوئے ہیں۔ فرمایا: یہ صورتِ کعبہ نہیں ہے اگر یہ صورتِ کعبہ ہو تو اگر یہ پتھر نہ ہوں تو کہا جائے کہ کعبہ اٹھ گیا ہے حالانکہ کعبہ ان پتھروں کا محتاج نہیں ہے۔ اگر بفرض محال یہ پتھر نہ ہوں تو کعبہ پھر بھی کعبہ ہے۔ اگر یہ بلڈنگ نہ ہو تو کعبہ پھر بھی کعبہ ہے۔ جب یہ عمارت نہیں تھی اور مختلف ادوار میں دس مرتبہ اس کی تبدیلی ہوتی رہی کعبہ پھر بھی کعبہ ہی رہا۔ لہٰذا فرمانے لگے کہ عمومی طور پر جو لوگوں کے ذہن میں ایک تصور آ جاتا ہے کہ صورتِ کعبہ سے مراد یہ

یہ توجہ الی الکعبۃ نماز میں تو ضروری ہے، روزے میں کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر کعبہ کی طرف منہ ہو تو پھر روزہ ہوگا، اگر ہٹ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ نہیں نہیں۔ روزہ پھر بھی ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے توجہ الی الکعبۃ کوئی ضروری نہیں ہے۔ حج کی ادائیگی میں توجہ الی الکعبۃ کوئی ضروری نہیں ہے۔

تو یہ امتیاز نماز کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درمیان میں ایک ایسی Direction دے دی ہے کہ جو ہماری عقل سے ماورئی ہے کہ وہ کیسے سجدوں کو وصول کرتی ہے اور اللہ کی طرف لے جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے لئے مرکز محبت بھی بنا دیا۔ مرکز وقار بھی بنا دیا اور مرکز تعظیم بھی بنا دیا۔ ہمیں اس کا پاسبان بنایا اور اسے ہمارا پاسباں بنا دیا۔

اس کعبہ کو درمیان میں لازمی کر کے اللہ نے جس عبادت کی حیثیت کو بڑھایا ہے وہ عبادت نماز کی عبادت ہے کہ جس میں توجہ الی الکعبۃ کو نہایت ہی ضروری قرار دیا گیا ہے۔

ایک ضروری نکتہ

یہاں ایک بات بہت ضروری ہے کہ مبداء و معاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے، اس میں آپ نے کعبہ کی جو حیثیت ہے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمادیا:

''صورتِ محمدی ﷺ کا قبلہ صورتِ کعبہ ہے اور حقیقتِ محمدی ﷺ کا قبلہ حقیقتِ کعبہ ہے۔''

شامل نہیں ۔ لہٰذا ہمارا دستور اپنی جگہ برقرار رہا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ ساری مخلوقات سے افضل ہیں اور آپ ﷺ کی حقیقت کا قبلہ وہ حقیقتِ کعبہ ہے اور حقیقتِ کعبہ کوئی مخلوق نہیں بلکہ حقیقتِ کعبہ خالق کی ذات ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی حقیقت اپنے مولیٰ کی حقیقت سے افضل نہیں ہے۔

تو اس بنیاد پر ہماری اس لحاظ سے جو نماز کی بحث چل رہی تھی اس پر اس بات کو منطبق کرو کہ نماز کے اندر اللہ نے ہمیں یہ حیثیت دی ہے کہ تمہارے لئے ایک کعبہ ہے، قبلہ ہے اور وہ ماورئ عقل ایک چیز ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہو کر جس وقت اس کی جہت سامنے رکھ کر ہم اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کے پھول پیش کرتے ہیں تو یہ صرف اس عبادت کی انفرادیت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے اندر ایک مافوق العقل مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

امتیاز نمبر 4 عکوف للعبادۃ

نماز کا چوتھا امتیاز عکوف للعبادۃ ہے۔

عکوف کا مطلب وہی ہے جو اعتکاف میں استعمال ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی عبادت کے لئے روک لینا۔

معتکف اپنے آپ کو گویا کہ باندھ لیتا ہے باہر نہیں نکلتا۔ تو نماز کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ اس میں اپنے آپ کو ساری حرکات و سکنات چھوڑ کے ایک جگہ بند کر لیا جاتا ہے۔ ایسی حالت روزہ میں نہیں، ایسی حالت زکوٰۃ میں نہیں۔ ایسی حالت حج میں نہیں ہے۔

کعبہ کی دیوار ہے۔ فرمایا: یہ کعبہ کی صورت نہیں ہے۔ اگر یہ صورتِ کعبہ ہوتی تو پھر ان کے ہٹ جانے سے کعبہ کی حیثیت ختم ہو جاتی۔ جب کہ ایسا نہیں ہوتا۔ فرمانے لگے: صورتِ کعبہ ہے تو عاصم خالق سے مگر رنگِ خلق میں نہیں ہے تو وہ ایک مخلوق مگر رنگ مخلوق میں نہیں ہے۔ وہ انسان کی عقل سے ماوریٰ چیز ہے، انسان کی سوچ سے اوپر چیز ہے۔

اگر واقعی ان پتھروں کا نام صورت کعبہ ہوتا تو پھر ہم پر کفار اور بت پرستوں کی طرف سے بہت بڑا اعتراض ہو سکتا تھا کہ تم نے بھی ایک بت پرستی کی صورت رکھی ہوئی ہے کہ پتھروں کی طرف منہ کر کے سجدے کرتے ہو تو ہم صورتِ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ پتھروں کی طرف سجدہ نہیں کرتے اور صورتِ کعبہ انسانی عقل سے ماوریٰ چیز ہے اور وہ بندے اور مولا کے درمیان رابطہ ہے کہ ادھر سے سجدے وصول کرتی ہے اور صورت کعبہ اللہ کے دربار میں پیش کر دیتی ہے۔ فرمانے لگے: یہ صورتِ کعبہ ہے۔ لیکن حقیقتِ کعبہ کیا ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی فرمانے لگے:

حقیقتِ کعبہ خود اللہ کی ذات ہے۔''

مکتوبات شریف جلد نمبر۲ دفتر سوم میں تفصیلاً موجود ہے

لہٰذا پتہ چلا کہ رسول اکرم ﷺ کی حقیقت کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور صورت کا قبلہ یہ صورتِ کعبہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو مخلوقات کے افراد میں نہیں ہے تو حقیقت کعبہ مخلوق کا فرد نہیں بلکہ وہ مخلوق سے ماوریٰ ہے وہ تو مخلوق میں

تو یہ عکوف للعبادۃ۔ جس عبادت کی امتیازی شان ہے اس عبادت کو نماز کہا جاتا ہے۔

نماز میں جو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اس کا معنیٰ ہوتا ہے چیز کو حرام کرنا، تو حرام کرنے کا مطلب کیا ہے کہ پہلے بہت سی باتیں جائز تھیں سب حرام ہو گئیں۔ کھانا بھی جائز تھا، پینا بھی جائز تھا، لوگوں سے بولنا بھی جائز تھا، لوگوں کے سلام کا جواب دینا بھی جائز تھا لیکن جب اللہ اکبر کہا تو گویا اس نے کہا کہ اس وقت صرف اللہ سے بات ہو گی، باقی ساری حرام ہو گئی ہیں۔

باقی کسی سے گفتگو نہیں ہو گی اور پھر جا کے جب تسلیم کہا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس کا مطلب کیا ہے کہ درمیان میں جو پابندیاں لگ گئیں تھیں اب ان پابندیوں کو اللہ کے اذن پر ختم کیا جا رہا ہے۔ اصل میں اس سلام کو آخر میں رکھنے کا مسئلہ یہ ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میرے بندے تو میرا بندہ ہے، تو محتاج ہے، تجھے بندوں کی بھی ضرورت ہے۔ اب تو نے میرے دربار میں حاضری دے لی ہے۔ اب ان بندوں کو سلام کہہ دے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں، وہ بھی تمہارے کام آئیں گے۔ ان کے ساتھ تمہارا تعلق ضروری ہے۔

نماز میں تحریم سے سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تسلیم تک جا پہنچتا ہے۔ اس میں عکوف ہے، تو عکوف سے اس عبادت کو خاص کر دیا گیا ہے۔

یہ نماز کے اندر عکوف للعبادۃ ہے۔ گویا کہ بندے نے اس جہان میں ہوتے ہوئے اس زمین پر ہوتے ہوئے اپنے آپ کو باور کرالیا کہ اللہ اکبر کہنے کے بعد تیری حیثیت اور ہوگئی ہے۔ اب تو ایک اور دربار میں ہے، تو اور مقام پر پہنچ چکا ہے اور تیرا ایک دربار سے راز و نیاز کا سلسلہ ہے۔

لہٰذا عکوف للعبادۃ کے لحاظ سے اپنے آپ کو روک لینا بلکہ جب رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ نماز میں ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

مَالِیْ اَرٰکُمْ رَافِعِیْ اَیْدِیْکُمْ کَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمْسٍ اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃ

مسلم شریف: ۱۸۱/۱

’’کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں شریر گھوڑوں کی دمیں ہلانے کی طرح۔ اپنے ہاتھ ہلا رہے ہو۔ نماز میں ساکن رہو۔‘‘

یہ رفع یدین نہ کرو، ہاتھ نہ ہلاؤ تو یہاں آپ ﷺ نے نماز میں کھڑے ہو کر ہاتھوں کو جنبش دینا اس کو بھی نماز میں ناجائز قرار دے دیا کہ یہ نماز عکوف للعبادۃ ہے اور اس میں اعتکاف سے بھی زیادہ پابندی ہے کہ بندے نے اپنے آپ کو ایک جگہ یوں کھڑا کر دیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے تو لوگ کہتے تھے لگتا ہے ان کو کوئی میخ لگا دیا گیا ہے جو اپنی جگہ سے ہٹتا ہی نہیں۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے تو لوگ کہتے تھے، لگتا ہے کوئی ستون کسی چھت کے نیچے لگا دیا گیا ہے جو آگے پیچھے ہوتا ہی نہیں ہے۔

اگر اس کے دل میں نرمی ہوتی، اللہ کا ڈر ہوتا اور دل میں یہ تصور ہوتا کہ میں رب کے دربار میں حاضر ہوں تو کبھی اپنی داڑھی کو ہاتھ نہ مارتا، کبھی آگے پیچھے یہ حرکتیں نہ کرتا۔ اس کے جو بے لگام اعضاء ہیں اور اس کی جو غیر مناسب حرکات ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا دل بھی غیر مناسب ہے اور دل کے خیالات بھی مجتمع نہیں ہیں اس کے دل میں حضور نہیں ہے، یہ دل اللہ کے دربار کے تصور میں نہیں ہے۔

کیونکہ اعضاء تو رعایا ہیں دل حکمران ہے ۔ اور جس وقت حکمران میں کمزوری ہے تو پھر رعایا میں کمزوری ہے۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ظاہری اعضاء کی حرکتوں کو دیکھ کے فرمایا:

''نہ اس کے اعضاء میں خشوع ہے اور نہ اس کے دل میں خشوع ہے۔''

تو یہ چونکہ ظاہر و باطن دونوں کی عبادت ہے اور یہ اس کی جامعیت ہے۔ اس میں دل کو سنبھالنا بھی بڑا لازم ہے اور ظاہر کو سنبھالنا بھی بڑا لازم ہے۔ نہ یہ کہ میرا دل اللہ کے دربار میں اعتکاف بیٹھا ہے، میری نماز کعبہ میں ہوتی ہے اور میں ویسے ہی پڑھ لیتا ہوں، ایسی نماز کسی کی نہیں ہوتی۔ اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ظاہری سب کچھ کرتا رہے۔ نماز شروع کرے تو ادھر دوکان کا حساب بھی شروع کردے اور اس کا دل رشتہ داروں کے پاس یا دوسری جگہوں پہ چکر لگا رہا ہو۔ نہیں نہیں، یہ نماز ہے۔ اس کے اندر حضور اور سکون ضروری ہے۔

زکوٰۃ دیتے وقت یہ پابندی نہیں ہے بلکہ وہاں اور پابندی ہے کہ زکوٰۃ چھپا کے دو اس میں اخفا رکھو، ہاں نماز میں یہ لازم کردیا گیا ہے کہ اپنے ظاہر و باطن دونوں

امتیاز نمبر 5 ظاہر و باطن کی عبادت

نماز کا پانچواں امتیاز یہ ہے کہ نماز ظاہر و باطن کی عبادت ہے۔

تم ظاہر میں دیکھ رہے ہو کہ بندہ نماز میں ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو جاتا ہے۔
بلکہ اس سلسلے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اکرم ﷺ کا فرمان احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ:

قَالَ ﷺ قَدْ رَاٰی رَجُلاً مُصَلِّیاً یَعْبَثُ لِحْیَتَہٗ اَمَا ھٰذَا لَوْخَشَعَ قَلْبُہٗ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُہٗ

احیاء العلوم: ۱۹۹/۱

محبوب علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک شخص نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے یعنی نماز کے دوران کبھی ادھر ہاتھ مارتا ہے اور کبھی ادھر ہاتھ مارتا ہے۔ جس طرح کہ آج خاص طبقہ کے لوگ جونہی تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، انہیں ساتھ ہی خارش شروع ہو جاتی ہے ہر طرح کی تکالیف اور پورے بدن پہ ہاتھ مارنا، یہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ اتفاقاً بندے سے جب ہو گیا تو جب محبوب علیہ السلام نے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز کو ناپسند کیا۔

کس انداز میں فرمایا:

لَوْخَشَعَ قَلْبُہٗ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُہٗ

''اگر اس بندے کے دل میں خشوع ہوتا تو اس بندے کے بدن پر بھی خشوع کا اثر ہوتا۔''

کرتے تھے۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا تو گویا کہ آپ ہمیں نہیں پہچانتے ہم آپ کو نہیں پہچانتے۔

یعنی ہمارے درمیان بیٹھے تھے کہ اللہ کی ملاقات کا وقت آ گیا تو اس وقت مخلوق سے اتنا انقطاع ہو گیا ہے اور اس قدر ان سے اپنے آپ کو دور کر لیا گویا کہ ہماری آپس میں کوئی جان پہچان ہی نہیں، اور یہ بالخصوص رسول اکرم ﷺ کی شان ہے۔

جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو صحابہ کرام کہتے ہیں کہ سرکار ہمیں دیکھتے ہی نہیں تھے۔ اس واسطے کہ وہ اللہ کو دیکھنے کا ایک خاص وقت ہے اور اس کے جلوؤں کا وقت ہے پھر جو محبوب علیہ السلام کی نماز ہے اس میں ایسی حالت کیوں نہ بنے کہ آپ ﷺ سب سے اجنبی ہو جائیں، بیگانہ ہو جائیں اور دوسروں کو احساس دلائیں کہ اب مجھ سے بات نہ کرنا اب تمہارا ٹائم نہیں ہے۔ میں اپنے رب سے اس وقت مخاطب ہوں۔

کیونکہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب شریف (فارسی ۳۳۱) میں اس کو واضح کیا کہ معراج کی رات نبی ﷺ واپس ہی تب آئے تھے جب اللہ تعالیٰ سے یہ منوا لیا تھا اور اللہ نے فرمایا تھا کہ اے محبوب تم زمین پہ چلے جاؤ۔ تمہیں نماز پنجگانہ میں وہ دیدار دوں گا جو آج عرش پہ بلا کے تجھے کروایا ہے۔ اس کے بعد محبوب ﷺ تشریف لائے۔

یہی وجہ ہے جو آپ ﷺ فرماتے ہیں:

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ

کنز العمال: ح: ۱۸۹۱۲

کو اللہ کی عبادت میں لگا دو۔ جب ظاہر و باطن دونوں کا اتحاد ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ دل کی روشنی چہرے پر بھی لے آئے گا۔ پھر بندے کے چہرے پر نورانیت آجائے گی۔ یہاں تک آثار میں آیا ہے:

مَنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ

تفسیر ابن کثیر ۴/۲۱۹

"جو رات کو سجدے زیادہ کرے دن کو اس کا چہرہ خوبصورت نظر آتا ہے۔"

اس پر ایک اثر ظاہر ہوتا جاتا ہے تو اس لحاظ سے نماز ظاہر و باطن دونوں کی عبادت ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف کی اور فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

سورۃ المومنون: ۱-۲

وہ لوگ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ نماز میں ایسی حرکات جو نماز کا حصہ نہیں ہیں، ان کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتے وہ مؤمن فلاح پانے والے ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بہت ہی عجیب بات ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں بیان کی، کہتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحَدِّثُنَا وَنُحَدِّثُهٗ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ كَاَنَّهٗ لَمْ يَعْرِفْنَا وَلَمْ نَعْرِفْهُ

احیاء العلوم: ۱/۱۹۲

رسول اکرم ﷺ بیٹھے ہم سے گفتگو کر رہے ہوتے تھے اور ہم آپ سے گفتگو

امتیاز نمبر 6 مناجات اور اظہار عبودیت

نماز کا چھٹا امتیاز یہ ہے کہ نماز مناجات ہے اور عبودیت کا اظہار کرنا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ سرگوشی ہے اور اس میں اظہار عبودیت ہے، مناجات سو کر نہیں کی جاتیں۔ مناجات جاگ کر کی جاتی ہیں اور حاضر دماغی سے کی جاتی ہیں۔

اب دیکھئے فقہ کی کتابوں میں کتاب الحج ہوتی ہے جہاں حج کے مسائل ہوتے ہیں، بالخصوص ہدایہ شریف اور دیگر تمام کتب میں موجود ہے کہ:

وقوف عرفہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے سب فقہاء نے لکھا اور ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حج کا سب سے بڑا فرض وقوف عرفہ یعنی عرفات میں ۹ ذوالحجہ کو جانا ہے۔

اگر کوئی بندہ گاڑی پر بیٹھا ہوا تھا اور سویا ہوا تھا، وقت معین میں وہ گاڑی وہاں سے گزر گئی اور اس کو پتہ بھی نہیں کہ یہ عرفات کا میدان ہے، وہ جاگ بھی نہیں رہا، نیت بھی نہیں پھر بھی اس کا رکن ادا ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اغماء ہو اس کے ذہن پر پردہ ہو اور وہ بے ہوش ہو اس کو وہاں پر پہنچا دیا جائے تو پھر بھی اس کا رکن ادا ہو جائے گا۔

لیکن اگر نماز میں بے ہوشی آئی تو نماز تو نماز ہے اس کا وضو بھی باقی نہیں رہے گا۔ نماز کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں جو حساس حالت ہے اور نماز کا جو حساس مقام ہے، یہاں عقل پر پردہ آجائے، بندہ مجنوں ہو جائے، بے ہوش ہو جائے۔ بندہ کی پھر بھی

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ (مسند امام احمد ۵/۳۶۴)

''اے بلال! اذان پڑھو، ذرا ہم راحت پالیں۔''

ہم نماز پڑھیں تو تھکتے ہیں لیکن سرکار ﷺ جب تھکے ہوں نماز پڑھیں تو چین آجاتا ہے۔

اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اور اس وعدہ کی تاثیر آپ کے معاملات کے لحاظ سے بھی اتنی تھی کہ بالکل اپنے ماحول میں جب نماز کی گھڑی آگئی تو لگتا تھا کہ سرکار ﷺ کسی کو جانتے ہی نہیں ہیں اور ان میں سے کسی کے واقف ہی نہیں ہیں چونکہ وہ عملاً اس حیثیت میں ہیں کہ ان کی ساری کی ساری توجہات اپنے رب کے دربار کی طرف مبذول ہو جاتی ہیں۔

ایسا ہی مرتبہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اسلاف کا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جب بھی وضو کرتے تھے تو چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کیا کوئی بیماری ہے کہ وضو کے بعد رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ فرمایا: تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میں کس کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہ اللہ کی ذات کا تصور ہے جس کی وجہ سے میرا رنگ زرد ہو جاتا ہے تو یہ ظاہر و باطن دونوں کی عبادت ہے اور یہ اس کی امتیازی شان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کی امت کو جامعیت کے ساتھ یہ عبادت عطا فرمائی ہے۔

اور اس اظہار عبودیت میں بڑی لذت ہے۔

عبودیت کا لفظ یہ ظاہر کرتا ہے میں اللہ کا بندہ ہوں، کہیں کھڑا ہے، ہاتھ باندھے سر جھکایا ہے تو اس نے دنیا کو بتایا کہ رب کا حکم میرے سر پر ہے، میرے رب کی قدرت میرے سر پر ہے، میرے رب کی قدرت کا غلبہ میرے سر پر ہے۔ میں اپنے رب کا ادب کر رہا ہوں اور احترام کر رہا ہوں۔

جو میں نے ہاتھ باندھے سر جھکا لیا ہے اور میں جو کھڑا ہو گیا ہوں تو جگہ جگہ جہاں وہ سجدہ کرتا ہے، قیام کرتا ہے، وہ قیامت تک کے لئے حوالے بن جاتے ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے ایک بندے نے بندگی کا ثبوت دیا ہے۔ اس انداز میں کھڑا رہا ہے اور اس انداز میں سر جھکائے رکھا ہے اور اس انداز میں سجدہ کرتا رہا ہے۔

یہ جو ایک خصوصی طور پر صورتحال ہے کہ جب وہ کھڑا ہو تو اس انداز میں کھڑا ہو کہ کسی کے سامنے کھڑا ہے اور کسی کی عزت کے لئے اور کسی کا ادب کرتے ہوئے کھڑا ہے۔ یہ نماز کے اندر صورت ہے، یہ روزے کے اندر نہیں ہے، یہ زکوٰۃ کے اندر نہیں ہے تو یہ بھی اس کی امتیازی شان ہے کہ یہ اظہار عبودیت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مناجات کا انداز بھی بنایا ہے۔ جب میرے محبوب علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جب نماز پڑھیں تو کیسے پڑھیں:

فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ

''یوں عبادت کرو گویا کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو۔''

نماز ہوتی رہے، ایسا بالکل نہیں ہوسکتا، یہ نماز ہے۔ یہ حج نہیں، یہ زکوٰۃ نہیں، یہ روزہ نہیں کہ کوئی بندہ روزہ رکھ کے سارا دن سویا رہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ سو گیا ہے، اس کو پتہ نہیں بے ہوشی آ گئی ہے۔ اس کو خبر نہیں روزہ پھر بھی روزہ ہے لیکن اگر نماز میں ایسی لمبی نیند کرے گا اور اس انداز میں عقل پہ پردہ آ جائے گا، اغماء ہو جائے گا، بیہوشی ہو جائے گی تو اس کی نماز نہیں رہ سکے گی بلکہ اس کا وضو بھی نہیں رہ سکے گا کیونکہ جب اس کی عقل پر پردہ تھا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی ہوا کا مخرج سے خروج ہو گیا ہو تو وضو ہی سلامت نہ رہا۔ اس انداز سے کہ یہ مناجات ہے۔ اس میں بیداری بھی ضروری ہے اور اس میں اللہ کے دربار کی تیاری بھی ضروری ہے۔

نماز میں بندہ ہر طرح ذہن کو حاضر کر کے یہ خیال رکھے کہ میں اللہ کے دربار میں موجود ہوں۔ اللہ سے مناجات کر رہا ہوں، آخر میں نے اس سے بات کرنی ہے۔ بات رب سے کرنی ہو اور سو کے کرنی ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کو بیدار ہو کر اور پوری طرح تیار ہو کر اس فریضے کو ادا کرنا ہے اس لئے کہ دیگر عبادات میں یہ ضروری نہیں ہے، تمہیں نیند آئی ہو۔ خیال ہی نہ ہو جبکہ پہلے نیت تھی کہ زکوٰۃ دینی ہے کسی کو دے دیتے ہو تو ادا ہو جائے گی بلکہ اگر وکیل کو زکوٰۃ دے کے بھیج دیتے ہو تو وکیل جا کے زکوٰۃ دے آئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اگر نماز میں کسی مزدور کو کھڑا کر دو کہ وہ میری جگہ تراویح پڑھ لے اور میری جگہ فرض پڑھ لے تو یہ نہیں ہوسکے گا۔

وہاں حج کا بدل بھی ہوسکتا ہے، زکوٰۃ کا وکیل بھی ہوسکتا ہے مگر ایسا نماز کے اندر نہیں ہوگا۔ یہ اللہ کے دربار میں ایک مناجات ہے اور ایک اظہار عبودیت ہے

پہلی صورت حال یہ ہے کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ صورتحال نہ بن سکے تو دوسری صورت گویا کے بغیر ہے۔

اِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ

''اگر تم رب کو نہیں دیکھ سکتے۔''

فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

''وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

اب اسے اِنَّ سے بیان کیا۔

کَاَنَّ اور اِنَّ میں فرق ہے۔

کَاَنَّ ہوتا ہے گویا کہ، اِنَّ ہوتا ہے بالیقین۔

اِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ

اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے۔

فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

وہ تو تجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔

تو یہ مناجات کے لئے جو کچھ لازمی تھا۔ ہمارے محبوب علیہ السلام نے کوزے میں دریا کو بند کر دیا ہے اور یہ آپ کے کلام کی شان ہے کہ اللہ نے جوامع کلمات کے لحاظ سے جملہ چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن معانی کا سمندر اس میں موجود ہوتا ہے۔ اب اس کی بحث مہینوں کریں، تو ہم ان شاء اللہ کر سکتے ہیں۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ مشکوٰۃ: 11

جب یہ تصور ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو پھر جذبہ کتنا ہوگا، بیداری کتنی ہوگی۔ اللہ کی عام مخلوق میں سے کوئی چیز کسی کو دیکھنے کو ملے تو اس کے لئے بھی اس میں ایک attraction ہے۔ اللہ کو دیکھنے والا سویا ہوا ہو، اللہ کو دیکھنے والا غافل ہو، اور اس کا دل غیر حاضر ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ

اس میں لفظ کا نک کا استعمال ہے گویا کہ تم دیکھ رہے ہو کیونکہ ہم حقیقت میں رب کو نہیں دیکھ سکتے آخرت میں جنت میں جا کے ان شاء اللہ ضرور دیکھیں گے۔ دنیا میں صرف ہمارے نبی ﷺ نے دیکھا ہے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

کَاَنَّكَ

گویا کہ اس سے پتہ چلا کہ تصوراتی حالت پیدا کرنا یہ بھی اسلام کی تعلیم کا ایک حصہ ہے یعنی اس کو یہ کوئی نہ کہے کہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز کا تصور کرلو۔ فلاں چیز کی طرف ذہن متوجہ کرلو کہ تم یہ مجازی اور غیر حقیقی کام کرواتے ہو۔

نہیں نہیں۔ یہ سب سے بڑی حقیقت کے لئے کام کروایا جارہا ہے کہ محبوب علیہ السلام نے فرمایا تم عبادت کرو گویا کہ تم رب کو دیکھ رہے ہو۔ یہ اپنے اندر ایک کیفیت بنا لو کہ رب ہمارے سامنے ہے اور ہم اس رب کی زیارت کر رہے ہیں، اس سے تمہیں فائدہ میسر ہوگا کہ تمہارے باطن کے اندر اللہ کی روحانیت کا اجالا ہو جائے گا۔

اور ساتھ فرمادیا:

اِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

اور دوسرا جماع ہے۔ حالتِ نماز میں ان کو حرام کردیا گیا اور روزہ کے ساتھ تو مناسبت کے لحاظ سے ایک برزخ بن گئی کہ روزے میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں اور نماز میں بھی ان چیزوں کو حرام کردیا گیا۔ یہ ایک ایسی عبادت ہوئی کہ اگر زکوٰۃ ہے ان چیزوں کی ادائیگی میں ان کی ایسی حیثیت نہیں کہ جن کو ہر حال میں ہر جہت کے اندر اور ہر لمحہ کے اندر حرام کیا گیا ہو، تو یہ نماز کی امتیازی شان ہے۔

امتیاز نمبر 9 شیطان سے جہاد

نماز کی نویں امتیازی شان شیطان سے مجاہدہ کرنا ہے۔

حالتِ نماز میں ایک **specialist** شیطان ہے جو نماز کے بارے میں وہم ڈالتا ہے۔ اور نمازی اس سے جہاد کر کے اپنی نماز پوری کرتا ہے۔ رکعتیں اور سجدے پورے کرتا ہے اور تمام ارکان واجبات اور سنتوں کو پورا کرتا ہے۔ تو روح جہاد بھی اللہ نے اس عبادت کو عطا فرمائی ہے۔

امتیاز نمبر 10 کثرت وتکرار

نماز کی دسویں امتیازی شان کثرت وتکرار ہے۔

کثرت کا مطلب ہے زیادہ اور تکرار کا مطلب یہ ہے کہ بار بار کرنا۔ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ سال میں ایک مہینہ اور زکوٰۃ سال میں ایک بار، اگر استطاعت ہو تو ضروری ہے، یعنی نصابِ زکوٰۃ ہو تو پھر زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔ سال کے بعد استطاعت ہو تو حج ہے لیکن زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ بندے پر لازم، اگر مرض یا سفر کا عذر نہیں ہے تو وہ

رسول اکرم ﷺ نے شریعت مطہرہ کے سینکڑوں باب اس ایک جملہ کے اندر بند فرما دیئے ہیں۔

امتیاز نمبر 7 قرأت قرآن

نماز کا ساتواں امتیاز قراۃ قرآن ہے، جو کہ نماز میں فرض ہے۔

سارا قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی صفت کو زبان سے ادا کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ باقی جو عبادتیں ہیں ان میں قرآن پڑھنا فرض نہیں ہے۔

باقی سے مراد روزے کے ڈھانچے میں ہو کہ روزہ تب ہو گا جب فاتحہ پڑھی جائے اور ساتھ سورۃ پڑھی جائے۔ نہیں روزے کے لئے کوئی ضروری نہیں، زکوٰۃ کے لئے کوئی ضروری نہیں، نفس حج کے لئے کوئی ضروری نہیں، نماز کے لئے اس کو فرض قرار دیا گیا اور فرض اس کو قرار دیا گیا جو چیز اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو جس کے ڈھانچے میں اللہ کی صفت کا اتنا جلوہ موجود ہو تو اس کی عبادت کی یہ حیثیت ہے کہ وہ یقیناً سب سے زیادہ رب کا قرب عطا کرنے والی ہے کہ جس میں اللہ کی صفت اور قرآن کی قرأت کو بحیثیت فرضیت کے لازم کر دیا گیا کہ مطلقاً قرأۃ کرنا فرض ہے جو اس انداز میں نماز کے ساتھ قرأت کی فرضیت کو بیان کیا گیا تو یہ اس کی امتیازی شان ہے کہ اللہ نے باقی عبادات کے مقابلے میں اس عبادت کو یہ انوکھی حیثیت عطا فرمائی ہے۔

امتیاز نمبر 8 اطیبین سے اجتناب

نماز کی آٹھویں شان اطیبین سے اجتناب کرنا ہے۔

اطیبین سے مراد ہے دو اطیب چیزیں یعنی حلال چیزیں۔ ایک ہے کھانا پینا

تھا۔ تمہیں خاص ملاقات کا وقت میں نے عطا کر دیا۔ اب اس وقت کے لحاظ سے اس کی یہ امتیازی شان ہے کہ ساری عبادتیں جو اسلام کی اساسی عبادتیں ہیں۔ ان میں سے نماز میں کثرت مجلس ہے اور تکرار بھی ہے نہ سال کا انتظار ہے اور نہ مہینے کا انتظار ہے اور نہ پورا دن گزرنے کا انتظار ہے کہ ایک بار اب ملاقات ہو گئی ہے۔ اب دوسرے دن ملاقات ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دن میں پانچ بار ملاقات کروا دی ہے اور پھر یہ اس کا فضل ہے کہ پڑھو گے پانچ، شمار پچاس ہوتی رہیں گی، وہ پچاس کا اجر عطا فرمائے گا جو پچاس اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائیں تھیں اور فرما دیا کہ میرے احکامات بدلتے نہیں ہیں، میں نے پچاس لازم کی تھیں مگر اے محبوب! اب تم نے کہہ دیا ہے تو تمہارے کہنے پر میں نے پڑھنے میں تو کمی کر دی ہے لیکن اجر میں کمی نہیں کی۔ تمہاری امت کے کوٹے میں پچاس نمازوں کا ثواب داخل کروں گا۔

یہ پڑھیں گے پانچ مگر ثواب ان کو پچاس کا عطا کرتا رہوں گا۔ یہ نماز کے اندر کثرت اور تکرار کے لحاظ سے بھی ایک جامعیت موجود ہے۔

امتیاز نمبر 11 ام العبادات

نماز کی ان حیثیات کو بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ البالغہ کے اندر ایک بات کی، کہنے لگے:

اُمُّ الْاَعْمَالِ الْمُقَرِّبَۃِ اِلَی اللّٰہِ

اللہ کی طرف جتنی عبادتیں بندے کو لے جاتی ہیں ان سب کی ماں کو نماز کہا

سال میں ایک مہینہ روزے رکھے۔

مگر قربان جائیں نماز پر نہ پوری زندگی میں ایک بار اور نہ پورے سال میں ایک مہینہ اور نہ سال کے بعد مال کے نصاب کی شرط پر بلکہ اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ مرتبہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اپنے بندوں کو یہ ذریعہ عطا فرما دیا ہے کہ میرے بندے میری ملاقات کے لئے تڑپتے رہیں اور پابندی ہو کہ سال کے بعد ملاقات ہو گی۔

تو یہ بندوں پر شفقت نہیں ہے۔ جو نماز کے اندر رغبت ہے، ذوق ہے اور بندے کی اللہ کی بارگاہ میں حاضری ہے اور یہ خدا کی قسم !ان کو محسوس ہوتا ہے جو اللہ کے دربار میں اس مرتبہ یہ آتے ہیں:

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

پہلے تو غائب کے صیغے سے گفتگو کر رہا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ

ساری تعریفیں اللہ کی ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے، وہ جو رحمٰن ہے، رحیم ہے۔ وہ ایسے بات کر رہا ہے لیکن اچانک کہتا ہے تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں تو یہ اس کو محسوس ہوتا ہے جو معرفت کے زینے پر آ گیا ہے۔ کہ پہلے جس کی صفتیں بیان کر رہا تھا اب پردہ درمیان سے اٹھ گیا ہے اور یہ ادھر متوجہ ہو گیا ہے۔ یہ بہت بڑا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ سے تازہ تعلق بنانے کا اور اس میں بندے کو چاشنی محسوس ہوتی ہے۔

تو اس کی افادیت کے پیش نظر فرمایا کہ تمہیں سال کا انتظار نہیں کرنے دوں گا۔ پانچ وقت میں نے تمہیں یہ ٹائم دے دیا ہے اور یہ پہلے پیغمبروں کو میں نے ٹائم دیا

تازہ رابطہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات سمجھنے والی ہے کہ فطرت کے ساتھ اس کا رابطہ کیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ

سورۃ القصص: ۷۱

اے میرے نبی یہ فرما دو لوگو! اگر اللہ تمہارے لئے ہمیشہ کی رات بنا دیتا تو کون تھا جو ایک منٹ کا بھی دن لاتا۔ فرمایا: اس رب کی شان دیکھو وہ تمہیں منٹ میں رات کے بعد دن دیتا ہے اور اگر وہ ہمیشہ کا دن بناتا تو کون تھا جو پانچ منٹ کی بھی رات لا سکتا تو وہ رب تمہارے لئے منٹ میں دن کے بعد رات لے آتا ہے۔

تو مطلب کیا بنا کہ رات کا آنا اور دن کا جانا، یا رات کا جانا اور دن کا آنا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ اگر ساری کائنات مل کر یہ کام کرنا چاہتی تو دن کو رات ایک منٹ کے لئے نہیں بنا سکتی تھی۔ یہ لوگوں پر کتنا بڑا کرم ہو رہا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر تازہ کرم ہوا کہ رات جارہی ہے اور دن آرہا ہے۔ میرے رب نے مجھ پر کتنا کرم کیا ہے تو جی میں بھی آیا، دل نے کہا کہ اس رب کو سجدہ کرنا چاہئے تو اس نے نماز فجر پڑھ ڈالی پھر جس وقت یہ ظہر کے وقت تک پہنچا اور پھر اس کو امید ہوئی کہ اب مجھے تھکاوٹ ہو رہی ہے میں نے رات کو آرام بھی کرنا ہے اور رات کون لائے گا جس میں میری بیٹری پھر چارج ہوگی اس وقت سے احساس پیدا ہوا کہ یہ کام رب کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تو اس نے ظہر کی نماز ادا کر لی۔

جاتا ہے۔ یہ ساری عبادتوں کی ماں ہے۔

امتیاز نمبر 12 ابوالعبادات

حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کو ام کہا اور بندہ اس کو صرف ام نہیں کہتا بلکہ میں ان کو ابوالعبادات بھی کہتا ہوں۔ نماز عبادتوں کی ماں بھی اور اور عبادتوں کا باپ بھی ہے۔

یہ عمل جو بندہ نماز کی حالت میں کرتا ہے اس کو باپ اس لحاظ سے کہہ رہا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ کنزالعمال: ح: ١٨٨٩٠

''نماز دین کا ستون ہے۔''

تو ستون وہ ہوتا ہے کہ جس کے سہارے کوئی قائم ہوتا ہے تو سارے دین کی عبادتیں اس ستون کے سہارے قائم ہیں۔ جس ستون پہ چھت کا ایک حصہ ہو تو اس ایک حصے کا ستون پر مدار ہے۔ ستون ہوگا تو چھت کا ایک حصہ برقرار رہے گا لیکن اگر ایسا ستون ہو کہ ساری چھت ہی اس پر ہے تو پھر ہر ہر چیز کا مدار اس پر ہوگا تو اس لحاظ سے اس کی شان ابوّت والی ہے کہ باقی ساری عبادتیں رہیں گی تب جب نماز ہوگی ورنہ وہ گر جائیں گی۔ وہ دین کا حصہ بندے کو میسر نہیں آئے گا۔ اس کا ستون اور عمود ہونا اس کی شان ابویت کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ عبادتوں کی اصل بھی ہے اور ساری عبادتوں کی نگہبان بھی ہے۔

امتیاز نمبر 13 فطرت کے ساتھ بندے کا تازہ رابطہ

نماز کی تیرھویں امتیازی شان یہ ہے کہ اس سے فطرت کے ساتھ بندہ کا

اللہ سب سے بڑا ہے تو معنیٰ کیا ہے کہ بندہ عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہے اور ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا رب مجھ جیسے عابدوں کی عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ میرا رب بڑا ہے اس کی اس سے شان کہیں زیادہ اعلیٰ ہے۔ وہ میری عبادت کا حاجتمند نہیں ہے۔ لہٰذا تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اس نے یہ اشارہ کر دیا کہ میرا رب عابدین کی عبادت کی حاجت سے پاک ہے۔ اللہ اکبر وہ اس عبادت کی حاجت سے پاک ہے اور وہ بہت بڑا ہے۔ اس نے پہلے نمبر پر یہ اعلان کیا۔

پھر رکوع میں جاتا ہے، سجدے میں جاتا ہے اللہ اکبر کہتا ہے۔ تو اس وقت یہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر چہ میں نے قیام تو بڑا لمبا کیا مگر میرا یہ قیام اس لائق نہیں کہ میں اس کے دربار میں پیش کروں۔ وہ اس قیام سے بڑا ہے۔ اس کا مقام قیام کے اس تحفہ سے کہیں بڑا ہے۔ اس نے جو سجدہ کیا اور اللہ اکبر کہا تو کہتا ہے اگر چہ میں نے سجدہ بڑے خلوص سے کیا مگر میرے رب کی ذات اس سے بھی بڑی ہے۔ پوری نماز پڑھتے وقت جتنی بھی تکبیرات انتقال کہہ رہا ہے تو اللہ اکبر کہہ رہا ہے۔"

یہ تصوف والے لوگ ہیں جو دین کی روح کو چکھتے بھی ہیں اور چکھاتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں اور دوسروں کو سمجھاتے بھی ہیں۔ توحید کی لذت ان کے ہاں سے ملتی ہے۔

"اب جس وقت بندہ رکوع میں جاتا ہے تو وہ جاتے وقت تکبیر کہتا ہے، اٹھتے وقت نہیں کہتا لیکن سجدے میں جاتے وقت بھی تکبیر کہتا ہے اور اٹھتے وقت بھی تکبیر کہتا ہے۔

پھر ظہر سے شروع ہو گیا۔ عصر سے مغرب تک پہنچا اور پھر جب رات آ گئی تو پھر اس نے شکر کیا تو اس نے مغرب وعشاء ادا کر ڈالی تو یہ فطرت کے ساتھ بندے کا ایک تازہ رابطہ ہے اور اس میں باقی ساری عبادات کے مقابلے میں زیادہ چاشنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑھ کر احسان کیا کہ اگر بندہ تھوڑا سا بھی بیدار مغز ہے، بیدار خیال ہے تو اسے اس میں لذت ملتی ہے کہ میرے رب کے مجھ پر کرم بھی تازہ ہیں اور میری طرف سے سجدے بھی تازہ ہیں۔

تکبیرات اور سمع اللہ لمن حمدہ کا فلسفہ

نماز میں تکبیر تحریمہ ہے اور پھر تکبیرات انتقال ہیں، اس میں رکوع اور سجدے ہیں۔ قیام کے متعلق حدیث شریف میں صورتحال موجود ہے کہ قیام میں بندے کے کندھوں پر گناہوں کی گٹھڑیاں تھیں، رکوع میں جھکا تو گر گئی، سجدہ کیا تو رحمت میں ڈوب گیا پھر وہ مقام ملا جو بندے کا سب سے زیادہ قریب رابطہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے تو وہ اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اب یہ جو صورت حال ہے کہ رکوع ایک ہے، سجدے دو ہیں اور پھر رکوع کی تسبیح اور ہے، سجدوں کی تسبیح اور ہے۔ اصل میں اس کا سبب کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف کی جلد نمبر 1 کے دفتر پنجم کے اندر یہ بڑی عجیب بات کی۔

فرمانے لگے:

”تکبیر تحریمہ کے وقت جب بندہ کہتا ہے اللہ اکبر تو اس کا یہ مطلب ہے کہ

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے اندر یہ بات واضح کی کہ اصل رکوع مقصود نہیں ہے بلکہ رکوع مقصود کا ذریعہ ہے، آلہ ہے۔ رکوع سجدے کا ذریعہ ہے۔ مقصد سجدہ ہے لہٰذا جو مقصود ہو وہ تو جی بھر کے ادا کرنا چاہئے۔ اب یہ نہیں ہوسکتا کہ وضو پہ دو گھنٹے لگا دے اور نماز پہ پانچ منٹ لگا دے۔ نہیں لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ وضو تو پانچ منٹ میں کرے اور نماز گھنٹے میں پڑھے۔

چونکہ مقصود کو ٹائم زیادہ دینا چاہئے اور بندہ مقصود کی طرف جا رہا تھا، مقصود کے رستے میں رکوع آ گیا ہے تو وہ ایک ہی کافی ہے اور سجدے دو ہونے چاہئے۔

دوسری وجہ

اصل میں اس بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ

سورۃ طٰہٰ: ۵۵

''اس مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے پھر تجھے نکالیں گے۔''

تو جب اس نے پہلا سجدہ کیا تو اس نے اس بات کو ذہن میں رکھا کہ یہ وہ مٹی ہے جس سے مجھے میرے رب نے پیدا کیا۔ اب جب دوسرا سجدہ کرنے لگا تو یہ خیال آیا کہ اسی سے مجھے اٹھائے گا۔ لہٰذا یہ دو سجدے جو ہیں، ان کی حکمت کو واضح کر دیا گیا۔

تیسری وجہ

جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ کہا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں:

رکوع میں اگر چہ عاجزی ہے مگر آخری درجے کی عاجزی نہیں، نصف ہے لیکن جب لوگوں کے قدموں کی جگہ سر رکھے گا اس وقت عاجزی پوری ہوگی اور جہاں لوگوں کے جوتے ہیں وہاں اللہ کے لئے اس کا سر ہوگا اور وہ جو احسن تقویم صورت ہے جو چاند جیسی صورت ہے تو وہ جب زمین پر مٹی میں رکھے گا تو اب یہ سمجھ رہا ہے کہ میں نے عاجزی کی انتہا کردی۔ لیکن رکوع میں عاجزی کے انتہا کا وہم نہیں تھا، یہاں وہم پڑنے لگا کہ میں نے بڑی عاجزی کردی تو اب دوبارہ اللہ نے اکبر کہلوادیا کہ دوبارہ اللہ اکبر کہہ کے بتاؤ اگرچہ میں نے بڑی عاجزی کی ہے مگر میرا رب اس سے بھی بڑی عاجزی کا حقدار ہے جو اس کے لئے کی جائے۔

رکوع میں یہ وہم نہیں ہے عاجزی ابھی نصف تھی انتہاء تک نہیں پہنچی تھی لہٰذا وہاں

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

لیکن سجدہ کے اندر جب سجدہ کردیا تو ذہن میں خیال آیا کہ میں نے چہرہ بھی زمین پر رکھ دیا، اٹھا ہوا سر بھی رکھ دیا۔ میں نے تو عاجزی کی انتہا کردی لیکن پھر جب اس نے اللہ اکبر کہا تو اس نے ظاہر کیا کہ اگرچہ بہت کچھ کیا مگر میرا رب ان سے بڑی عاجزی کا مستحق ہے کہ اس کے لئے جھکا جائے۔"

تو یہ وجہ ہے کہ کہ رکوع سے اٹھتے وقت اللہ اکبر نہیں ہے سجدہ سے اٹھتے وقت اللہ اکبر ہے کہ جو وہم پیدا ہو رہا تھا اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے۔

دو سجدے ہونے کی وجوہات

ایسے ہی رکوع ایک ہوتا ہے لیکن سجدے دو ہوتے ہیں۔ اس کے لحاظ سے

سوالات و جوابات

☆ کھڑے ہو کر وضو کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اور آج کل کمرے کے اندر باتھ روم ہوتا ہے تو وہاں وضو ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: کھڑے ہو کر وضو کرنا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن مستعمل پانی کے چھینٹے گندگی سے اڑ کر بندے پر پڑیں گے تو اس وجہ سے ناجائز ہے۔ اس کے کپڑے پلید ہو جائیں گے اور اگر ایسا اہتمام ہے کہ وہ چھینٹوں سے بچا رہے تو کھڑے ہو کر وضو کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

دوسرا باتھ روم میں وضو کرنا اس میں مسئلہ یہ ہے کہ وضو میں کچھ دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور باتھ روم کے اندر وہ دعائیں نہیں پڑھ سکتا تو ان دعاؤں کا اسے نقصان ہوگا کہ وہ دعاؤں کے ثواب سے محروم ہوگا ورنہ باتھ روم میں اگر وضو کرے گا تو اس میں دیگر کوئی قباحت نہیں ہے، وہ وضو کر سکتا ہے۔

☆ میرے پیٹ میں اکثر گیس کا نقص رہتا ہے تو میں نماز اکثر مشکل سے ادا کرتی ہوں تو ایسی حالت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: اس بارے میں بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں شریعت میں یہ چھوٹ موجود ہے کہ اگر کوئی بندہ مریض ہے اور اس کا مرض حالتِ عذر تک پہنچ چکا ہے تو اس کے لئے رخصت ہے۔

عذر یہ ہے کہ ایک بندے کے پیٹ سے مسلسل ہوا نکلتی ہے اور اسے نماز

فرشتوں نے سجدہ کیا ابلیس اکڑ گیا، جب فرشتے سجدہ کر کے اٹھے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ تو اکڑ گیا ہے تو فرشتوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے کہ رب نے ہمیں خراب نہیں ہونے دیا، اللہ نے ہمیں سجدے کی توفیق دی ہے، فرشتوں نے ایک اور سجدہ کر ڈالا۔

مرقاۃ: ۱۳۸/۲

جب ان کو نظر آیا کہ وہ ابلیس تو مردود ہو گیا، مارا گیا اور اللہ نے ہمیں تو بڑی شان دی ہے، اس شکر میں ایک اور سجدہ کر دیا تو یہ اللہ نے ہمیں بھی شان دی ہے۔ ہم بھی اس سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں، رکوع ایک کرتے ہیں اور سجدے دو کر جاتے ہیں۔

یہ ایک مختصر سی گفتگو اس موضوع کی تھی، یہ روح کی غذا ہے، یہ پکانے کے لئے ایک سبق ہے۔ اس دین کو ہم نہیں سمجھیں گے، اس میں ہم مغز نہیں کھپائیں گے تو اور کس چیز کے لئے کھپائیں گے۔ اس واسطے سننے میں بھی یہ نیت کر کے آیا کرو کہ ہم نے مشکل میں اپنے آپ کو ڈالنا ہے اور ہم نے مشکل بات سمجھنی ہے۔ جس قدر حنا کو رگڑا جاتا ہے رنگ اتنا ہی زیادہ آجاتا ہے۔

جس قدر دودھ کو بلویا جاتا ہے تو مکھن پھر نکلتا ہے۔ ایسے دودھ میں ہی مکھن ہوتا ہے لیکن جب تک وہ شرائط پوری نہیں کی جاتیں مکھن نکلتا نہیں ہے تو ہم فہمِ دین میں مکھن نکالنا چاہتے ہیں۔ اور کھانے والے کو بھی مکھن کھانے کی نیت سے آنا چاہئے ورنہ لولی پاپ اس کے طرح کئی لوگ کورس کرا رہے ہیں اور روتے پھر رہے ہیں لیکن ہمارا مشن خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

گیا یا پہلے اٹھ گیا تو پھر اس میں قباحت ہے اور اس کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ بڑا خطرہ ہے کہ کہیں اس کا چہرہ بدل نہ جائے۔

لیکن اگر وہ ایک رکن میں امام اور مقتدی شریک ہو گئے تو نماز ہو جائے گی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر یہ امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا، اس نے ایک کام ناجائز کیا لیکن امام بھی وہاں پہنچ گیا، دونوں رکوع میں اکٹھے ہو گئے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی نماز فاسد ہو گئی ہے۔ اس کی نماز ہو جائے گی اور اگر یہ امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا اور امام ابھی رکوع میں نہیں تھا اور یہ رکوع سے اٹھ پڑا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

کے پورے ٹائم میں پانچ منٹ بھی نہیں ملتے کہ افاقہ ہو یعنی جب سے ظہر کا ٹائم شروع ہوا ہے عصر تک پانچ منٹ بھی اسے ایسے نہیں ملتے کہ جس میں افاقہ ہو اور وہ نماز پڑھ سکے۔

مثال کے طور پر سلس البول کا مریض ہے۔ مسلسل پیشاپ کے قطرے آتے ہیں یا زخم سے پیپ نکلتا ہے یا اس طرح کی کوئی چیز ہے۔ اگر پانچ منٹ بھی ایسے نہیں ملتے تو وہ معذور ہے، وہ ایک بار وضو کرے پھر جو بہتا ہے، بہتا رہے۔ اس کے لئے کوئی حرج نہیں وہ نماز پڑھے۔ لیکن اگر اس سے کم عذر ہے تو اس کو وہ وقت ڈھونڈھنا چاہیئے جس میں اس کو افاقہ ہو اور صحیح حالت میں وہ نماز ادا کرے۔

☆ محفل میں دورانِ بیان درود پاک پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: محفل میں بیان کے دوران درود پاک کا ورد کرنا، یہ اچھا عمل ہے۔

☆ اگر امام کے پیچھے کوئی تکبیریں کہتا ہے تو اس کی تکبیر امام کی تکبیر سے پہلے ختم ہو جاتی ہے تو آیا اس کی نماز ہو گی یا نہیں؟ (سائل U.S.A سے)

جواب: اس سلسلہ میں یہ ہے کہ تکبیر کا آغاز امام سے پہلے نہیں ہونا چاہیئے اگر تکبیر کا آغاز امام کے اللہ اکبر کہنے کے بعد ہوا تو لیکن اختتام پہلے ہو گیا تو محض آواز کے اختتام میں حرج نہیں ہے۔

لیکن اگر اس نے کوئی حرکت بھی ایسی کر دی کہ امام سے پہلے رکوع میں چلا

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ یَامُجِیْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ هُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِی الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِاهْتَدَوْا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ وعمّ نوالہٗ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 5

شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق

سائے تھے۔ رحمتِ ایزدی کو جوش آیا اور کائنات کے گلشن میں بہار آئی، بارہ ربیع الاول شریف کی چمک، اس کے اجالے کائنات کو میسر آئے اور سید عالم ﷺ کا کائنات میں ظہور ہو گیا۔ اس کے ساتھ دنیا میں انقلاب آیا۔

کائنات کو نئے آفاق کی طرف رہنمائی ملی اور پھر وہ لمحہ آن پہنچا جب فاران کی چوٹیوں پر ہمارے آقا ﷺ اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان فرما رہے تھے ایسے میں سید عالم ﷺ کو جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کے کلمات کو سنا۔ آپ ﷺ کے رخ پرنور کی زیارت کی ان کے دل اگر بغض وحسد سے بھرے ہوئے نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نور ایمان عطا فرما دیا اور وہ افراد کائنات کے خوش نصیب ترین افراد تھے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد کہ جنہوں نے سید عالم ﷺ کی زیارت بھی کی اور آپ کی دعوت کو قبول بھی کیا، وہ شرف صحابیت سے مشرف ہوئے، ان کی شان یہ ہے کہ ہم جیسے کروڑوں ان کے قدموں کی خاک تک نہیں پہنچ سکتے۔

رب ذوالجلال نے ہمیں یہ شرف بخشا کہ ہم نے اگرچہ وہ زمانہ نہ پایا، ہم نے اپنی آنکھوں سے سید عالم ﷺ کا کارواں نہ دیکھا، ہم نے مکہ شریف کے افق سے اسلام کا سورج طلوع ہوتے نہ دیکھا، ہم نے راہِ ہجرت کی ان صعوبتوں کا مشاہدہ نہ کیا، جنہیں قدم قدم پر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ہمیں بدر وحنین کے ہنگاموں میں شرکت کی سعادت حاصل نہ ہوئی، ہمیں سید عالم ﷺ کے خطبہ جمعہ سے اپنے کانوں کو محظوظ کرنے کا لمحہ میسر نہ آیا۔ رب

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز و محتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے آج ادارہ صراطِ مستقیم کے فہمِ دین کورس میں نہایت ہی اہم موضوع پر گفتگو کرنے اور سننے کا لمحہ متبرک ہمیں میسر آرہا ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ اہل ایمان کا ایک گلشن ہے کہ جس کا ہر پھول مسکرا رہا ہے، ایمان اور نور کی تازگی کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے، ایسے میں ایمان سے متعلق ہی اہم موضوع ہمارا محور گفتگو ہے یہ موضوع یقیناً کلیدی اور اساسی موضوعات میں سے ہے، اس کے بغیر نہ تو ایمان آسکتا ہے اور نہ ہی ایمان کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

محتشم سامعین حضرات:

جس وقت عرب شریف کا ماحول بڑا افسردہ تھا اور ہر طرف کفر وشرک کے

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔

درمیان میں اب سلسلہ ایسا ہے کہ ہمیں اس امتحان سے گزرنا پڑ رہا ہے جو نہ دیکھنے والوں کا امتحان ہوتا ہے، ہم نے یقیناً دیکھا نہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری سوچ سے بھی کہیں اوپر ہیں اور ہمارے خیال سے بھی کہیں آگے ہیں۔ہم اپنے تصور کو بھی اتنا حسین نہیں بنا سکتے کہ جتنا حسن اللہ تعالیٰ نے ان کے رخسار میں رکھا ہے اور ہم کائنات کے کسی گلاب کو دیکھ کر بھی کوئی ایسا تشخص اپنی طرف سے معین نہیں کر سکتے کہ جو اللہ نے گل قدس کی پتیوں کو جوبن عطا فرمایا تھا۔ہم دنیا کے چاند یا سورج کو دیکھ کر اس چمک کا کوئی تصور اجاگر نہیں کر سکتے جو چمک اللہ تعالیٰ نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چمکتی جبین میں رکھی تھی۔

ہم مانتے ہیں اور عظیم سے عظیم تر مانتے ہیں اور اپنے خیالات کی ہر الجھن اور ہر دھول سے ان کو مبرا اور پاک مانتے ہیں لیکن امتحان یہ ہے کہ درمیان میں ایک طبقہ آ گیا۔ دیکھا انہوں نے بھی نہیں ہے مگر وہ ہمیں بتانا چاہتے ہیں کہ جنہیں تم اتنا عظیم مانتے ہو، انہیں ہماری تعلیم کے مطابق مانو، جتنا ہم بتاتے ہیں، جس طرح ہم تمہیں خاکہ دیتے ہیں اور جس طرح کی ہم تمہیں پہچان کرواتے ہیں، تو ویسا ان کو مانو۔

اب مومن نے مانتے وقت تو مانا اسطرح ہے کہ:

فلک کو اس بلندی پر بھی وہ عظمت نہیں حاصل

جبین خاک سے پوچھو مقام نقش پا کیا ہے

جہاں محبوب علیہ السلام کے تلوے لگتے ہیں اس جگہ کو جتنی بلندی مل جاتی

ذوالجلال نے پھر بھی ہم پر بڑا کرم کیا کہ ہم نے بغیر دیکھے اللہ کو ایک مانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب علیہ السلام کو آخری رسول مانا ہے۔

یہ خالق کائنات کا ہم پہ کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈبل ایمان بالغیب عطا فرمایا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو بھی بغیر دیکھے مانا ہے اور ہم نے آمنہ کے لعل حضرت محمد ﷺ کو بغیر دیکھے تسلیم کیا ہے آج ہمارے اس لمحہ موجود میں جس وقت اس عظیم عظمت کو دیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ امتحانات کا سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو سید عالم ﷺ کو براہِ راست دیکھا ہے، انہیں کوئی شک نہیں کہ وہ کتنا جانتے ہیں، کتنی خبر دیتے ہیں، ان کے سامنے کا معاملہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیٹھتے فرش پہ ہے اور خبریں عرش کی دیتے ہیں۔

آپ ﷺ بیٹھے تو مدینہ شریف میں ہیں لیکن خبریں موتہ کی دی جارہی ہیں، آپ بیٹھے تو صحابہ کرام کی انجمن میں ہیں مگر آپ خبریں وہ دے رہے ہیں کہ جن کا تعلق جنت الفردوس سے ہے انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کبھی بے حجاب جلوے سے باہر نکلتے ہیں تو ان کی روشنی سورج پہ غالب آجاتی ہے۔

انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ یہ جس سمت چلتے ہیں ان کی سانس سانس سے کائنات میں بہاریں آباد ہوتی ہیں اور ان کے قدموں سے جو ذرے لگتے ہیں وہ آسمان کے تارے بن جاتے ہیں۔ صحابہ کرام اس بات کے گواہ ہیں لہٰذا انہیں اس سلسلے میں کوئی بھٹکا نہیں سکتا تھا کہ ہمارے نبی ﷺ یہ حیثیت نہیں رکھتے، یہ مقام نہیں رکھتے ان کے سامنے کی سب باتیں تھیں۔ ہمیں اللہ نے ایمان دیا اور ہم بغیر دیکھے

ہیں، ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، تم شان مانتے ہوئے ان کی شان بہت زیادہ مان جاتے ہو۔

اب ایسے عالم میں، ہم پلٹ کے ایسے دربار میں پہنچتے ہیں کہ جن کے ایمان پر اللہ کے عرش نے گواہیاں دی ہیں، جن کے ایمان کی صداقت کو قرآن نے بیان کیا ہے، جن کا ایمان ہمارے ایمانوں کا امام ہے اور ہمارے لئے وہ ایک معیار کی حیثیت رکھتا ہے اس سے قبل آپ نے گزشتہ کورس کے اندر ایک گفتگو سنی تھی۔

منصبِ نبوت اور عقائدِ صحابہ رضی اللہ عنھم

آج کی گفتگو کا جو موضوع ہے اس کا تعلق ایک فکری موضوع کے ساتھ ہے۔ اور اس میں آپ کے قلب ونظر کے لئے بڑی چاشنی ہے۔ اسے خوب دل کے کان کھول کر، چشمِ تصور مدینہ شریف کی طرف کر کے سننا اللہ میرا گواہ ہے، ان شاء اللہ رب ذوالجلال سے امید ہے کہ وہ ہمارے کاروان سخن کو منزل تک ضرور پہنچائے گا۔

محتشم سامعین حضرات:

ہم نے بغیر دیکھے مانتے وقت جو عظمت پائی ہے اس کا ایک فکری پہلو یہ دیکھو کہ کچھ دیکھنے والے ہی ایسے تھے کہ جنکا دیکھا ہمارے دیکھنے سے کروڑ درجہ زیادہ برا ہے، بدتر ہے اور اس کے اندر ایک سفلہ پن ہے۔ وہ دیکھ کر بھی کچھ نہ پا سکے۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے بغیر دیکھنے کے بہت کچھ عطا کر دیا۔

دیکھا تو ابو جہل نے بھی تھا مگر کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ابو جہل کو دیکھنے کا فائدہ ہوا، اور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر دیکھے جو مانا ہے تو بہت

ہے۔ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے خود آپ کے تلووں کی عظمت اور پھر آپ کے سر مبارک کی بلندی کا تصور ہم کیسے کر سکتے ہیں۔

اب درمیان میں جن لوگوں نے ہمیں پہچان کروانا چاہی تو اس سے ایک امت میں کشمکش پیدا ہو گئی۔ایک فکری تناؤ اور الجھن سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے آنے لگی۔

تو ہم آج کے درس میں اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے یقیناً مانا بغیر دیکھے ہے لیکن ہم نے جن کی وساطت سے مانا ہے وہ بالآخر وہ طبقہ ہے کہ جنہوں نے دیکھا بھی تھا اور مانا بھی تھا، ہمیں بالواسطہ ان سے یہ دین پہنچا ہے۔ ہمارے پاس سند ہے، ہمارے پاس سرٹیفکیٹ ہے۔ ہمارے پاس اس کے Documents ہیں، صراط مستقیم کے ہمارے پاس گواہ ہیں جو ہم پر اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ہم نے اگرچہ بظاہر بغیر دیکھے مانا ہے مگر ہمیں ان گواہیوں پر بالکل یقین ہے کہ ہم نے ویسا مانا ہے جیسی ہو بہو شان اللہ تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے۔

محتشم سامعین حضرات:

اب درمیان میں جو کچھ لوگوں کی طرف سے تعارف کروایا گیا، جنہوں نے کتابوں میں لکھا اور بار بار اس کو چھاپا۔ وہ کہنے لگے کہ نبی اکرم ﷺ کو زیادہ بڑا نہ مانا کرو، غلو کرتے ہو، ان کو مانو تو بڑے بھائی جتنا مان لو، ان کو مانو تو گاؤں کے چودھری جیسا مان لو، ان کو مانو تو ایک پوسٹ مین اور ڈاکیے کی طرح مانو۔ ان کے بھی دو ہاتھ

اندر آیا تو اتنی عظمت ملی اور جنہوں نے اس انداز میں دیکھا ہے کہ تمہارے جیسا رب نے کوئی پیدا نہیں کیا۔ ان دیکھ کر ماننے والوں کی عظمت کا عالم کیا ہوگا۔ اس سلسلے میں میری بات جو ایک جملہ میں تھی۔ اس کا مجھے پس منظر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں نظر آتا ہے۔ آپ نے مکتوبات شریف جلد نمبر 2 کے دفتر سوم میں یہ بات تحریر فرمائی ہے۔

محجوبان کہ محمد رسول اللہ ﷺ رابشر گفتند و در رنگ سائر بشر تصور نمودن ناچار منکر آمدند

جو لوگ محجوب تھے جن پر اپنی انانیت کا پردہ پڑا ہوا تھا ابوجہل جیسے۔

محجوب وہ ہوتا ہے جس پر پردہ پڑا ہوا ہو تو کہنے لگے کہ محجوب لوگ جن پر اپنی انانیت کا پردہ تھا کہ ہم کچھ ہیں۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو بشر کہا:

ودر رنگ سائر بشر نمودن

اور عام بشروں ہی جیسا سمجھا تو نتیجہ کیا نکلا۔

انکو کلمہ نصیب نہ ہوا۔ عرب شریف کے ماحول میں جب رسول اکرم ﷺ کا چمکتا چہرہ سامنے ہو پھر بھی کوئی نہ مانے تو اس سے بڑا بد بخت انسان کون ہوگا کہ جن کو دیکھ کر ذرے بھی کلمہ پڑھیں، جن کو دیکھ کر درخت بھی گواہیاں دیں، جن کے چہرے کی تجلی پر پتے پتے کے نغمے موجود ہوں۔ انسان دیکھے، ذی عقل دیکھے پھر بھی نہ مانے تو سبب کیا تھا؟

ان کی شخصیت کے پردے ان پر پڑے ہوئے تھے، اپنی انانیت کے پردے

کچھ پالیا ہے۔ اب یہاں سے یہ پتہ چلا کہ دیکھنے والے بھی کچھ محروم رہ گئے تو سبب سمجھنا چاہیے کہ آخر وجہ کیا تھی۔ وہ محروم کیوں رہ گئے اور نہ دیکھنے والے بھی کچھ ایسے ہیں جو دامن بھر گئے، تو کیوں بھر گئے۔

سبب کیا تھا، اس کی حقیقت کیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

میں گھنٹوں کی بحث ایک جملے میں تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس دیکھنے والے کو جو کچھ نہ ملا تو صرف ایک وجہ تھی کہ اس نے اپنے جیسا سمجھ کر دیکھا اور نہ دیکھنے والوں کو بہت کچھ مل گیا تو اس بنیاد پر کہ انہوں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

یہ اس ساری گفتگو کا خلاصہ ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔ ابو جہل اگر دیکھ کے بھی مردود رہا، محروم رہا تو اس لئے کہ اس نے تعارف یہ بنا رکھا تھا کہ یہ عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ ابو طالب کے یتیم بھتیجے ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے تو ابو جہل نے پہلے دن یہی کہا تھا:

يَتِيْمُ اَبِىْ طَالِبٍ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِىٌّ

ترجمہ:۔ ابو بکر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابو طالب کا یتیم بھتیجا نبی بن جائے۔

اس کے نزدیک یہ آپ کا تعارف تھا۔ اس انداز میں وہ سوچ رہا تھا اپنے جیسا اپنے ماحول کا انسان اور ایک عام سی شخصیت اور ایک عام رجل یہ اس کا انداز تھا۔ مگر بعد میں آنے والے اور بغیر دیکھے مان جانے والے انہوں نے جس وقت اس انداز سے مانا ہے کہ ان جیسا کائنات میں کوئی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان نہ دیکھنے والوں کو ان جیسے دیکھنے والوں پر عظمت عطا فرمادی ہے۔ اور جب یہ عقیدہ نہ دیکھنے والوں کے

کو مل گیا ہے مگر جس وقت انہوں نے سمجھتے وقت یہ چیز سامنے رکھی ہے کہ ہم جنہیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ کائنات کی ایسی شخصیت ہے کہ جن کے چہرے کی کوئی بھی مثال نہیں ہے اور جن کی سیرت کی بھی کوئی مثال نہیں ہے۔ اس انداز سے اور اس view سے جو دیکھ رہے تھے تو ان کو دیکھتے ہی محبوب علیہ السلام کے جلوے نظر آئے ہیں۔

اور جو بغض سے آئے، حسد سے آئے، عداوت سے آئے۔ اگر چہ قریب ہو کے دیکھتے رہے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَرٰىهُمْ يَنظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

سورۃ الاعراف: ۱۹۸

''محبوب وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے تو ہیں مگر آپ ان کو نظر نہیں آتے۔''

کیونکہ وہ اس انداز سے دیکھتے ہیں اور وہ بشریت اور انانیت لے کے اس کے حجاب میں دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا وہ قریب ہو کے بھی دیکھتے رہے، پھر بھی محروم رہے۔ اور جنہوں نے اس نقطہ نظر سے دیکھا کہ ان جیسا کوئی نہیں۔ انہوں نے صدیوں بعد بھی دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کو ایمان سے مامور فرما دیا۔

محتشم سامعین حضرات:

یہ انداز جو ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ملتا ہے۔ چونکہ ہمارے پاس اور کوئی سوزِ سفر نہیں ہے کہ جس سے ہم اپنے آپ کو مطمئن کر سکیں۔ یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے کہ آخر وہ لوگ جن کی رشتہ داریاں تھیں، زمانے کے حالات تھے۔ سب کچھ انہوں نے چھوڑا اور ہوا کے رخ کو بھی نہیں دیکھا، وہ آئے ہیں اور دیوانہ وار

تھے کہ محبوب علیہ السلام کو اپنے جیسا سمجھتے رہے اور جس نے بھی اپنے جیسا سمجھا ہے ۔ کفار مکہ ہوں یا اس وقت کی دیگر پارٹیز ہوں، اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ ایمان اس کو نصیب ہوا ہے جس نے اس جیسا کسی کو نہیں سمجھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا عمدہ نظریہ ہے، کہتے ہیں:

وصاحب دولتاں کہ او را علیہ السلام بعنوان رسالت ورحمت عالمیاں دنستد وازسائرناس ممتاز دیدند بدولت ایمان مشرف تشند

مکتوبات شریف: دفتر: ۳ جلد: ۲

ان لوگوں کو ایمان ملا اس ماحول میں مکہ شریف میں اور مدینہ شریف میں عرب میں یمن سے آنے والوں کو، حجاز کے لوگوں کو اور روم کے لوگوں کو، ان لوگوں کو ایمان ملا کہ جنہوں نے ان کو اپنے جیسا بشر نہیں مانا، اپنے جیسے بشر سمجھ کر ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ایمان انہیں ملا ہے جنہوں نے ان کو رسالت کے آئینے سے دیکھا ہے، رسالت کے آئینے میں ان کا دیدار کیا ہے اور جنہوں نے ان کی رحمت عالیشان کو دیکھا ہے اور ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کو سب سے ممتاز دیکھا ہے۔ ان دیکھنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ شان رکھی۔ چونکہ وہ دیکھ کس انداز سے رہے ہیں کہ ان جیسا کوئی نہیں ہے تو اللہ نے ان دیکھنے والوں کو ایمان عطا فرمایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے۔ اس سے ہزاروں گواہیاں پیش کی جا سکتی ہیں کہ اس وقت کے جو حالات تھے، ان میں بڑے بڑے کٹر مشرک بھی تھے۔ جب آئے ہیں تو ان کو کلمہ نصیب ہوا ہے اور ایمان ان

دریغ مانتے چلے جاتے ہیں۔ بخل نہیں ہوتا، وہ بخیل نہیں ہوتے، یہ صورتحال آج ہمارے سامنے ہے۔

میں ہر اس بندے کے ایمان کو سلام کرتا ہوں کہ جس کے ایمان میں یہ روح موجود ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی ذات کی بات ہوتی ہے تو سنتے ہی اس کے چہرے پہ چاندنی آجاتی ہے اور اس کے گلشن ایمان میں بہار آجاتی ہے۔ لگتا ہے کہ اس کے دیئے کے اندر کسی نے تیل ڈال دیا ہے اور چراغ مزید روشن ہو گیا ہے۔

دوسری طرف اگر آج کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی فضیلت بیان کی جائے تو ایسا لگے کہ یہ خزاں رسیدہ ہو گیا ہے۔ اس کے چراغ کا تیل ہی ختم ہو گیا ہے۔ چہرہ ہی بجھ گیا ہے تو پتہ چلے گا کہ اس کا تعلق اس ایمانی طریق سے نہیں ہے جو ایمانی طریق صحابہ نے اس امت کو عطا فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس بڑے دلائل ہیں۔

بخاری شریف جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 598 پر یہ حدیث موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

عَطِشَ النَّاسُ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَةِ

"حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے۔

وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَیْنَ یَدَیْهِ رَكْوَةٌ

نبی ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا جس کو چھاگل کہتے ہیں، وہ سامنے موجود ہے اس میں کچھ پانی ہے۔

داخل ہوئے ہیں۔ عاشق بن گئے ہیں، کلمہ پڑھ لیا ہے، مومن بن گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کو بیان کیا ہے اور لوح محفوظ سے ان کے نام کے سندیسے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو ہمارے لئے معیار قرار دے دیا ہے تو ہمیں ان کے ایمان سے ایک اصول اخذ کرنا چاہیے کہ وہ کیا چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ایمان کی بلندیوں سے مشرف فرما دیا اور ان کے صدقے ہمیں بھی ایمان کی بھیک عطا فرمادی ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برابری کا سوچ بھی نہیں سکتے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو قبلہ ان کے ایمان کا تھا۔ اللہ نے وہی قبلہ ہمارے ایمان کو بھی عطا فرمایا ہے۔ تو اختصار سے شان رسالت سمجھنے کا جو ایمانی طریق ہے۔ ایک تو وہ شیطانی طریق ہے، جو ابوجہل کے سامنے تھا اور عتبہ و شیبہ کے سامنے تھا کہ وہ بھی سمجھتے ہیں مگر اپنے جیسے انداز کو سامنے رکھ کے۔ لیکن ہماری گفتگو کا جو آج موضوع ہے وہ یہ ہے کہ ایمانی طریق کیا ہے۔

پہلا طریقہ

شانِ رسالت کے معاملے میں بخیل نہ ہونا

شان رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق یہ ہے کہ شان رسالت کو سمجھتے ہوئے شان رسالت میں بخل نہ کرنا۔ بخیل نہ بننا کہ دل جکڑا ہوا ہے کہ تھوڑا مانیں کہیں زیادہ نہ مان جائیں اور تول تول کے بولنا اور ناپ ناپ کے ماننا۔ یہ شان رسالت کے ماننے والوں کا وطیرہ نہیں ہوتا۔ رسالت کے ماننے والے سینہ کھولتے ہیں اور بے

اگر حالت شک میں رکھتے تو یہ شان رسالت کے لائق نہیں تھا کہ اگر پانی نہ نکلا تو جو کلمہ پڑھتے ہیں ان کے ایمان کا کیا بنے گا۔ میرے محبوب علیہ السلام کی اس ادا کو اس انداز میں سنو کہ جب محبوب علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا ہے تو آپ کو یقین تھا کہ ہاتھ رکھنا میرا کام ہے اور چشموں کا جاری کر دینا میرے رب کا کام ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا تو کیا ہوا:

فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ

چشموں کی طرح پانی انگلیوں کے درمیان سے نکلنا شروع ہو گیا۔

كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ

بخاری شریف: ۵۹۸/۲

جس طرح چشمے ہوتے ہیں۔

اب میں اس حدیث کے الفاظ کی جو بحث ہے، اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ اصل میں اپنی دلیل آگے سے جا کے پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن اتنا گزرتے گزرتے بیان ضرور کروں گا کہ انسانی پیکر جو چھ یا سات فٹ کا ہو، اگر وہ سارا بھی پانی کا بھرا ہوا ہو تو کتنا پانی اس سے باہر نکلے گا تو جو نکلے گا وہ کیسا ہو گا؟

انسان کے بدن سے رطوبت نکلتی ہے یا خون نکلتا ہے، دونوں پلید ہوتے ہیں۔ نہ طاہر ہوتے ہیں، نہ مطہر ہوتے ہیں۔ اور یہاں صحابہ کرام نے نمازیں پڑھنی ہیں، وضو کرنا ہے، ان کو پانی کی ضرورت ہے۔ محبوب علیہ السلام نے ہاتھ برتن میں

فتوضاء منہا

محبوب علیہ السلام نے اس سے وضو کیا۔

اب سب کے پاس پانی نہیں ہے۔

ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَالَكُمْ

پھر لوگ آپ کی طرف لپک پڑے تو رسول پاک ﷺ نے پوچھا تمہیں کیا ہے؟

قَالُوْا يَارَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ

وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔

ہم وضو کہاں سے کریں، پانی کہاں سے پئیں، حدیبیہ میں ہمارا گزارہ کیسے ہوگا۔

اب دیکھئے شروع سے ہی اہل حق کا یہ وطیرہ رہا ہے اور امت میں جو ماننے والے تھے ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اگر کوئی مشکل ہے تو اپنے نبی ﷺ کے پاس جانا ہے۔ اب ان کو یہ نہیں ہے کہ نماز رب کی پڑھنی ہے تو پانی بھی رب سے مانگیں، ان کو پتہ ہے کہ ہمارے لئے رب نے ہی ان کو بھیجا ہے۔

لہٰذا محبوب علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر جب انہوں نے پانی کی درخواست کی اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ پانی نہیں ہے تو ہم پانی کہاں سے پئیں۔ تو کیا ہوا؟

فَوَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهٗ فِي الرَّكْوَةِ

اسی برتن میں ہمارے نبی ﷺ نے ہاتھ رکھ دیا۔

اب جس وقت سرکار ہاتھ رکھ رہے تھے تو کیا آپ کو اس سلسلہ میں کوئی شک تھا کہ میں ہاتھ رکھتا ہوں، آگے ہوسکتا ہے پانی نکل آئے، ہوسکتا ہے پانی نہ نکلے۔

سکتا ہے۔

اب دیکھئے اس مقام پر یہ بات بڑی قابل غور ہے کہ جو پانی انگلیوں سے نکلا وہ کتنا تھا اور صحابہ کرام کتنے تھے۔ صحابی کہتے ہیں، میں نے حضرت جابر سے پوچھا:

كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ

تم اس وقت کتنے تھے جنہوں نے پانی کو پیا تھا۔

تو حضرت جابر کہنے لگے:

كُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةً

ہم اس وقت پندرہ سو تھے۔

حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم پندرہ سو تھے تو وہ پانی کہاں سے آیا جو پندرہ سو کے لئے کافی تھا ان کے جانوروں نے بھی پیا وہ پانی کہاں سے آیا۔

اگر محض ایک بشر اور ایک انسان کی بات ہوتی تو وہ پانی کا پھر منبع بتاؤ۔ کیا نیچے قدموں سے آرہا تھا یا اوپر سر میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ اس پیکر کی بات ہے کہ جس کا قلب صادق، پوری کائنات کی وسعتیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

لہٰذا ان کے اندر یہ پانی کہیں سے آئے، یہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ مخلوق کے کسی فرد کے محتاج نہیں ہیں۔ پوری کائنات کی جھولیاں اس پیکر کی عطا سے بھرتی جاتی ہیں۔ اب جس وقت صحابہ کرام نے پانی کا یہ نظارہ دیکھ لیا۔ حضرت جابر فرمانے لگے ہم پندرہ سو تھے۔ اب اگلی بات حضرت جابر سے کسی نے پوچھی ہی نہیں ہے۔ مگر انہوں نے بتا دی ہے تا کہ قیامت تک کے لوگوں کو پتہ چلے کہ ماننے والے بخل سے

رکھا ہے تو پانی نکلنا شروع ہو گیا ہے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں، ہم نے اس پانی کو کیا سمجھا:

شَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا

ہم نے اس پانی کو پیا اور وضو بھی کیا۔

تو پتہ چلا جو پانی انگلیوں سے نکلا وہ پاک بھی تھا اور پاک کرنے والا بھی تھا، پیا ہے تو پاک ہے، وضو کیا ہے تو پاک کرنے والا ہے۔

اب انسانی بدن سے جو نکلے تو وہ گندا پانی ہوتا ہے وہ طاہر ہوتا ہے نہ مطہر ہوتا ہے اور یہاں جو پانی اللہ تعالیٰ نے اس بدن سے ظاہر کیا ہے اور نبی ﷺ کی انگلیوں سے نکلا ہے اگر صحابہ کرام محبوب علیہ السلام کو اس پیٹرن **(Pattern)** میں مانتے ہوتے جو ابو جہل والا تھا تو ہرگز اس پانی سے وضو نہ کرتے اور آج کا جو نبوت کے بارے میں ایک بگڑا ہوا تصور ہے۔ اگر یہ صحابہ کرام کا تصور ہوتا تو ہرگز اس پانی سے وضو نہ کرتے۔ کہتے کہ انسانی بدن سے نکلا ہے اور یہ طاہر اور مطہر نہیں ہے۔ ہم اس کو پی کیسے سکتے ہیں، پلا کیسے سکتے ہیں۔

صحابہ کرام جب پانی پی رہے تھے اور وضو کر رہے تھے تو بتا رہے تھے کہ ان انگلیوں سے جو پانی نکلتا ہے اس کا مقابلہ زم زم کیسے کر سکے، اس کا مقابلہ کوثر کیسے کر سکے، تو جن کی انگلیوں سے نکلے ہوئے پانی کی مثال نہ ہو تو بھلا کوئی انگلیوں کی مثال ہو سکتی ہے اور جن کے ہاتھوں کی مثال نہ ہو تو ان کی ذات کی بھلا کوئی مثال ہو سکتی ہے تو یہ حدیبیہ میں بیٹھے ہوئے سارے اس ایمان کو ظاہر کر رہے تھے کہ یہ وہ پیکر ہے جس کو نہ عقل کے ترازو پہ تولا جا سکتا ہے اور نہ ان کی عظمتوں کی بلندیوں کو کوئی ناپ

اگر حضرت جابر کی جگہ بطور فرض آج کے اس کیمپ کا کوئی بندہ ہوتا جو اپنے اساتذہ کو ماننے پہ آئیں تو سینہ کھول کے مانتے ہیں۔ اپنے شیوخ کو مانیں تو بے دریغ مانتے ہیں اور جب نبی ﷺ کی باری آئے تو ترازو پکڑتے ہیں۔ اور سند کی پابندی اور سند کے معاملے اور اس طرح کی تمام چیزیں ان کے سامنے ہوتی ہیں۔ ایسے معاملے میں آج یہ بات سمجھنا لازم ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وہاں جو بیان کیا ان کے بیان کرنے کا جو طریقہ تھا۔ اس طریقہ پر آج کون ہے؟

دوسرے کیمپ والے ہیں یا ہم ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ نے وہ ایمانی طریق ہمیں عطا فرمایا ہے۔ کیوں؟

یہ بات جو حضرت جابر نے کہی کہ اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہمیں کافی تھا اس کا سبب کیا ہے، کس بنیاد پہ کہی، پیچھے اس کی بیس **Base** کیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں سچے ہیں، مبالغہ آرائی نہیں کرتے کہ وہ ایک دانے کو قبّا بنا کے دکھا دیں اور چھوٹی بات کو بڑا کر دیں، نہیں نہیں، سچ بولتے ہیں۔

تو جو کہہ رہے تھے کہ لاکھ کے لئے بھی پانی کافی تھا۔ تو اس کا سبب کیا ہے، کس بنیاد پر کہہ رہے تھے؟ کیا کوئی ایسا حوض تھا کہ نبی ﷺ کے ہاتھوں سے پانی نکلا اور انہوں نے حوض میں سٹور کیا ہو؟ اور اس بھرے ہوئے حوض کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں کہ یہ ایک لاکھ کو بھی کافی ہوسکتا ہے۔ وہ تو ابھی انگلیوں سے باہر ہی نہیں آیا۔ جو آیا ہے وہ پی لیا گیا ہے اور نکلنے کا انداز صحابہ کرام کے سامنے ہے، انہوں نے کوئی پانی کا سٹور نہیں دیکھا اور نہ ہی انہوں نے پچاس ہزار کو بٹھا کر پلایا ہے۔ اور پھر یہ اس اندازے سے کہہ

نہیں مانا جاتا بلکہ مانتے وقت سینہ کھول کے مانا جاتا ہے۔ پوچھا تو ان سے یہ گیا تھا:

کَمْ کُنْتُمْ یَوْمَئِذٍ

تم اس دن کتنے تھے۔

تو جواب اتنا کافی تھا کہ ہم پندرہ سو تھے۔ نہیں پندرہ سو تو انہوں نے بعد میں کہا لیکن پہلے کیا کہا:

لَوْ کُنَّا مِأَۃَ اَلْفٍ لَکَفَانَا

بخاری شریف: ۵۹۸/۲

اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہمیں کافی تھا۔

تو انہوں نے پوچھنے والے کی غلطی بھی نکالی کہ تم یہ نہ پوچھو کہ تم کتنے تھے بلکہ یہ پوچھو کہ وہ پانی کتنے لوگوں کے لئے کافی تھا۔ ہم وہاں پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم لاکھ بھی ہوتے:

لَکَفَانَا

وہ پانی ہمیں کافی تھا۔

یہ اس وقت پیش نظر دلیل ہے جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کھلے دل سے ماننا، بخل نہ کرنا۔ تھوڑا سا کہیں سے بھی مل جائے تو اس پر پوری کائنات کو روشن سمجھنا۔

اب یہاں دو صورتحال ہیں۔

وہ صحابہ کرام جو وہاں تشریف فرما تھے اور حضرت جابر جو بیان کر رہے ہیں۔

بخود بیان کرنا یہ تو بڑی دور کی بات ہے۔ پوچھنے پر بھی ماننا تو بڑی مشکل سے ایک ماننا۔ کہتا اگر اس سے دس آدمی زیادہ ہوتے تو پانی ختم تھا، پندرہ بھی ہوتے تو پانی ختم تھا اور کوئی آدمی آیا ہی نہیں، پانی تو ختم ہو چکا تھا۔ یہ اس کیمپ کے بندے کا انداز ہوتا کہ جتنا سامنے ہے وہ مانیں گے۔ آگے نہیں مانیں گے اس میں غلو ہوتا ہے۔ اس سے اسلام میں ایک نئی روش پیدا ہو جائے گی۔ جتنا پیا ہے اتنے ہم بیان کرتے ہیں۔ آگے کسی کا بیان نہیں کرتے یہ ان لوگوں کا انداز ہونا تھا۔

لیکن صحابہ کرام نے ہمیں جو انداز دیا تو فرمایا پندرہ سو سامنے آ جائیں۔ ایمان یہ ہے کہ گواہی لاکھ کی دے جاؤ۔ اس واسطے کہ یہ معاملہ کسی اور کا نہیں بلکہ معاملہ دل کے محبوب اور اپنے آقا کی شان کا ہے۔

اب بغیر دیکھے اور بغیر تجربہ کے لاکھ کی جو گواہی تھی۔ یہ ہے رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق کہ اس میں بخل نہیں ہونا چاہئے اور صحابہ کرام نے بخل نہیں کیا اور اس میں پابندیاں لگا کر ایک مرتبہ دس کا اضافہ کرتے پھر کہتے چلو بیس سمجھ لو، پھر کہتے چلو زیادہ سے زیادہ سو سمجھ لو کہ پندرہ سو سے مزید سولہ سو کے لئے بغیر دیکھے ہم مان لیتے ہیں، ایک سو مزید سمجھ لیتے، لیکن نہیں نہیں، وہاں ماننے کا انداز کیا ہے۔ فرمایا:

پندرہ سو کیا ایک لاکھ بھی ہوتے تو انگلیوں سے نکلنے والا پانی وہ ہمارے لئے کافی تھا۔ بغیر اس لاکھ کو دیکھنے کے اور بغیر لاکھ کو پلانے کے، یہ گواہی دینا کہ یہ لاکھ کے لئے کافی ہے یہ رسالت کو ماننے کا طریقہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رب نے عطا فرمایا تھا۔

رہے ہوں۔ چونکہ پچاس ہزار پی گئے ہیں تو باقی بھی پی جائیں گے۔ نہ انہوں نے بٹھا کے بالفعل پلایا ہے کہ اس پر یہ عقیدہ بیان کریں اور نہ ہی انہوں نے سٹور کیا تھا کہ پھر کوئی اندازہ کرتے کہ یہ حوض بھر گیا ہے۔ لہٰذا لاکھ کے لئے کافی ہوگا اور وہ یقیناً بہت بڑا حوض ہونا چاہئے تھا، یہ دونوں ہی باتیں نہیں تھیں۔

تو پھر سبب کیا تھا کہ انہوں نے بغیر دیکھے یہ اعلان کر دیا ہے اور بغیر تجزیہ کئے یہ واضح کر دیا ہے کہ ہم پندرہ سو تھے اگر ہم لاکھ ہوتے، پانی پھر بھی ختم نہ ہوتا۔ جو سبب تھا وہ آج ہمارا موضوع ہے کہ شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق۔

پہلا یہ ہے کہ اس میں بخل نہیں ہونا چاہئے تو کیا ہونا چاہئے۔ صحابہ کرام کا ایمان بولتا تھا کہ جن کی انگلیوں سے پندرہ سو پی چکے پھر لاکھ بھی پی سکتے ہیں۔ اگرچہ لاکھ کو بٹھا کے پلایا نہیں، لاکھ کے سامنے پیالے رکھے نہیں اور لاکھ کے لئے کوئی بہت بڑا حوض بھرا ہوا نظر آتا نہیں۔ لیکن ایمان اتنا ہے کہ اگر پانی پندرہ سو پی سکتے ہیں، پانی ختم نہیں ہوتا تو پھر مان جاؤ لاکھ سے بھی ختم نہیں ہوگا۔ جو اس انداز میں مانے، اس کے ایمان کو ایمانِ صحابہ کی خیرات کہا جاتا ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی غلو نہیں کر رہا۔

دنیا کے کسی چوک میں کھڑے ہو جاؤ اور یہ حدیث سامنے رکھو اور پھر سروے survey کرو کہ یہ ایمان کی تجلی اور رسالت کو سمجھنے کا یہ طریقہ کہاں موجود ہے۔ دوسرے کیمپ میں سے اگر کوئی بطور فرض وہاں ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔ اس سے جب بعد والے پوچھتے بتاؤ کتنا پانی تھا تو مشکل سے پندرہ سو تو کہتا جتنے تھے لیکن آگے خود

اتنی صدیوں کے باوجود بھی ہمیں ڈائریکشن direction عطا فرمائی ہے اور صحابہ کرام سے چمک آج تک ہمارے سینوں میں پہنچ رہی ہے۔

اس دوسرے انداز پر دلیل یہ ہے اور یہ حدیث شریف بھی بخاری شریف میں موجود ہے اور اتفاق سے اس کے راوی بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تُوُفِّيَ اَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہو گئے تھے اور ان پر قرضہ تھا تو انہوں نے قرض خواہوں سے کہا کہ جتنی میرے باغ میں کھجوریں ہیں، وہ لے لو اور میری جان چھوڑ دو مزید مجھ سے قرضہ نہیں دیا جاتا۔

فَاَبَوْا وَلَمْ يَرَوْا اَنَّ فِيْهِ وَفَاءً

بخاری شریف: ۳۷۴/۱

انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پورا قرضہ لیں گے۔ تھوڑا سا بھی معاف نہیں کریں گے۔

فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لَهُ

تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ گیا اور یہ معاملہ بیان کیا۔

حضرت جابر اسی در پر آئے جہاں مشکل میں امتی آتا ہے:

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے

دوسرا طریقہ

شانِ رسالت کے سلسلے میں ہمیشہ اضافے کی تڑپ ہونا

جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بحث ہو رہی ہو تو دل چاہے کہ اس سے بھی زیادہ سامنے آئے۔ جتنی آئے لیکن دل کرے کہ اس سے بھی زیادہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت نہ ہو لیکن اس کے سوا جو کچھ ہو، دل تڑپتا رہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا کہیں اس سے بھی زیادہ سامنے آجائے۔

وہ دل جو اس انداز میں دھڑکے۔ اس کی دھڑکن میں صحابہ کرام کی روح موجود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو انداز، رسالت کو ماننے کا جو طریقہ ہے یہ نہیں تھا کہ جتنا ثابت ہو اس کو بھی مروڑا جائے، دبایا جائے، چھوٹا ظاہر کیا جائے اور نیچے لانے کی کوشش کی جائے۔ نہیں نہیں، صحابہ کرام کا انداز یہ رہا کہ ان کو کثرت کی تڑپ تھی اور اضافے کی جستجو تھی اور ہر جگہ ان کو تقاضا یہ تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی چلی جائے۔

آج اس نقطہ نظر کے لحاظ سے بھی تم دیکھ سکتے ہو، واضح طور پر یہی بات جو اس وقت بخاری سے تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ مجھے تم میں سے ہر بندے کا چہرہ کھلا ہوا نظر آ رہا ہے اور ہر چہرے پر ایک چمک ہے اور ایک اجالا ہے۔

یہی بات اگر کسی بگڑے ہوئے کیمپ کے بندے کے سامنے کرو۔ سند صحیح ہے، کوئی غبار بھی نہیں، کوئی کسی طرح کا اس میں ہیر پھیر بھی نہیں۔ تو کیا ہوگا اس کے ماتھے پہ شکن چہرے پہ ایک اندھیرا چھا جائے گا تو پتہ چلتا ہے کہ رب ذوالجلال نے

آپ ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں ساتھ تھے۔

اب آگے جا کے حکمت ظاہر ہوگی کہ ان کو ساتھ لے جانے کا مقصد کیا تھا۔

فَجَلَسَ عَلَيْهِ

رسول اکرم ﷺ ڈھیر کے پاس بیٹھے۔

اب یہ بات ذہن میں رکھنا کہ یہ ڈھیر کھجوروں کا ہے۔

فَدَعَا بِالْبَرَكَةِ

کھجوروں کے ڈھیر پر ہمارے محبوب علیہ السلام نے دعا مانگ دی۔

لوگ تو ایک کلو کھجور پر دعا کو بدعت وشرک اور پتہ نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔
کیونکہ میرے محبوب علیہ السلام نے اس ختم سے قیامت تک کے ختمات کا بیج بونا تھا اور وہ ہر کھجور کروڑوں ختمات کا ایک بیج بننا تھی۔ میرے محبوب علیہ السلام نے سارے ڈھیر پر ختم پڑھ دیا۔

دَعَا بِالْبَرَكَةِ

برکت کی دعا مانگی ہے۔

ثُمَّ قَالَ اُدْعُ غُرَمَاءَكَ فَأَوْفِهِمْ

پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں جا رہا ہوں تم اپنے قرض خواہوں کو بلا لو اور ان کا جتنا بھی قرضہ ہے، اس ڈھیر سے پورا کرتے جاؤ۔

فَأَوْفِهِمْ

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہادیئے ہیں، در بے بہادیئے ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نبی ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ معاملہ یہ ہے، مشکل یہ ہے کہ قرض خواہ تنگ کر رہے ہیں اور میری آمدنی ایسی نہیں کہ قرضہ پورا ہو سکے۔ آپ ﷺ میرے لئے کچھ بندوبست کریں۔

اب آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: اے جابر! میں تو تجھے کلمہ پڑھانے آیا تھا، میں تیرا قرض اتارنے نہیں آیا تھا۔ یہ تیری مشکل ہے تو رب سے کہو مجھے کیا کہتے ہو۔ نہیں نہیں،

انہوں نے سکھایا یہ تھا کہ میں تمہاری ہر مشکل کو حل کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس واسطے آگئے ہو تو ٹھیک ہے قرضے والا معاملہ بھی صحیح کرتے ہیں۔

فَقَالَ اِذَا جَدَدْتَہٗ فَوَضَعْتَہٗ فِی الْمِرْبَدِ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھجوریں کاٹ کے فارغ ہو جاؤ اور سارے درختوں سے کھجوریں اتار لو اور اس کو خرمن میں رکھو پھر میرے پاس آجانا، مجھے بتانا۔

تو حضرت جابر نے کھجوریں کاٹیں۔ اور محبوب علیہ السلام کو اطلاع دی تو ۔

جَاءَ وَ مَعَہٗ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ

رسول اکرم ﷺ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سمیت تشریف لے آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا باغ رشکِ ارم ہے جہاں محبوب علیہ السلام کے قدم لگ گئے۔ آپ تشریف لے گئے آپ کے جانے کا انداز بھی عجیب تھا۔ جب

کام سیدھا ہو گیا۔ سارا قرضہ اتر گیا اور گھر کے لئے بھی اتنی کھجوریں بچ گئیں۔

اب سرکار ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ اے جابر ایسی باتیں نہ کرو۔ میرے جانے سے کیا ہو سکتا تھا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم ایسی باتیں نہ کرو شرک ہو جائے گا۔ نہیں نہیں، میرے محبوب علیہ السلام کو بھی یہ جملہ اتنا پسند آیا۔

فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

بخاری شریف: ۱/۴۷۴

میرے محبوب علیہ السلام کے گل قدس کی پتیوں پہ چاندنی آ گئی۔ سرکار ﷺ تبسم فرمانے لگے اور مسکرائے کہ جابر ٹھیک ہے تم بڑے گھبرائے ہوئے تھے اور ہم گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل ہو گیا ہے کہ تمہارے سارے کام سنور گئے ہیں اور بیڑے پار ہو گئے ہیں۔

اب جب رسول اکرم ﷺ مسکرائے ہیں اب اسی بات کو جتنی میں نے بیان کی ہے اس کو اس نقطہ نظر میں سمجھو۔ آج یہ بات تم کسی کے سامنے کرو اس کو سن کے اگر اس کے چہرے میں چمک آئے تو سمجھ لو کہ:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے

میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس بندے کے ایمان پر اور کس گواہی کی ضرورت ہے کہ جس بات پر سرکار ﷺ خوش ہوئے تھے۔ اس پر ان کا عاشق بھی خوش ہو رہا ہے بلکہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جا کر کہا کہ کھجوریں تو بچ گئیں ہیں،

ان کا قرضہ پورا کرو، کسی کو بھی نہ چھوڑو کسی کا قرض بھی باقی نہ رہے۔سب کا قرض پورا کردو۔تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَمَا تَرَكْتُ اَحَدًا لَّهٗ عَلٰى اَبِىْ دَيْنٌ اِلَّا قَضَيْتُهٗ

جتنے لوگوں کا بھی میرے والد پر قرض تھا وہ جتنے تھے میں نے سب کو بلا کر اس ڈھیر سے پورا کردیا۔

دونوں لفظ بول دیئے تھے۔جتنا تھا اور جس کا بھی میرے والد پر قرض تھا۔ میں نے سب کو بلایا اور سب کا قرض اس ڈھیر سے پورا کردیا۔

کہتے ہیں جب قرض پورا ہوگیا تو میں دیکھ رہا تھا کہ بہت سی کھجوریں بچی ہوئی تھیں اور اتنی کھجوریں تھیں جن کا آج موٹا موٹا حساب لگائیں تو وہ تقریباً تین ہزار پانچ سو سیر بنتی ہیں۔وہ باغ کہ جن کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس سے میرا آدھا قرضہ بھی نہیں اترے گا۔اور قرض خواہوں سے یہ کہتے تھے کہ یہ لے لو اور میری جان چھوڑ دو۔اس سے سب کے قرضے بھی اتر گئے اور پھر پیچھے ساڑھے تین ہزار سیر کھجوریں بھی باقی بچ گئیں۔

کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا گیا۔

فَوَافَيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْمَغْرِبَ

مغرب کا وقت تھا میں مسجد نبوی شریف میں پہنچ گیا۔

فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ

تو میں نے جا کر یہ بیان کردیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری تو بگڑی بن گئی اور

سمجھو کہ اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایمان کی تائید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے۔

جو تم ان لفظوں پر سبحان اللہ کہتے ہو اور میرے کہنے کے بغیر کہہ رہے ہو تو یہ تمہارا دل گواہی دیتا ہے تو پتہ چلا کہ سرکار ﷺ نے جو فرمایا تھا:

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

وجہ اس وقت گواہی دینے کی کیا تھی۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے جس کے لئے جا کے ہاتھ اٹھائے ہیں میرے ہاتھوں کی میرے رب نے لاج رکھ لی ہے اور بیڑے پار ہو گئے ہیں۔

یہ سرکار کا اس موقع پر اشهد کہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میرے رسول ﷺ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میرے رب نے مجھے میری امت کے لئے نفع کا حوالہ بنایا ہے۔ میں گیا ہوں امتی کا فائدہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان آیات کو کہ جن کا یہ پس منظر ہے کہ میں کسی کے نفع کا مالک نہیں نقصان کا مالک نہیں۔ یہ اس انداز میں سمجھو کہ یہ ایک عاجزی ہے اور عبودیت کا اظہار ہے ورنہ محبوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نفع کی علت اور سبب نہیں بنایا تو پھر حضرت جابر کے باغ میں تشریف کیوں لے گئے تھے اور پھر حضرت جابر کی کھجوریں بڑھ کیوں گئیں تھیں اور جب بڑھیں تھیں تو پھر چاہیے تھا کہ وہاں پر نعرہ تکبیر لگتا لیکن نعرہ رسالت لگا ہے اور کہا یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

تھوڑی تھیں زیادہ ہوگئیں ہیں اور تمہارے صدقے سے کام بن گیا تو محبوب علیہ السلام نے نعرہ لگایا:

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

اب سرکار کو یہ بات کتنی محبوب ہے کہ میں جاؤں تو لوگوں کے کام بنیں۔ میری وجہ سے لوگوں کی مشکلیں حل ہوں۔ میری وجہ سے لوگوں کے دامن معمور ہو جائیں۔

اب اگر یہی صورتحال اسی مسئلے میں ہوتی کہ محبوب علیہ السلام جاتے اور فائدہ کچھ نہ ہوتا تو حضرت جابر کے دل پہ کیا گزرتی اور صحابہ کرام جو سنتے تو ان کے دل پہ کیا گزرتی، اگرچہ میرا یقین ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان کو نہ چھوڑتا لیکن اور کسی کا ایمان قبول کرنا مشکل ہو جاتا کہ جن کا کلمہ یہ پڑھتے ہیں ان سے ان کو کچھ نہیں ملتا، تو ہمیں کیا ملے گا۔

لیکن جب وہاں ظاہری طور پر یہ ہوا تو یہودیوں کی آنکھیں بھی کھلی رہ گئیں کہ جس جابر کو ہم معاف نہیں کرتے تھے۔ اس کے آقا نے تو اتنی برکتیں ڈال دی ہیں کہ کھجوریں بڑھ گئیں ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو اپنی طبیعت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس انداز سے ایمان بڑھتا ہے، دین کی روشنی آتی ہے نہ کہ اس کو کوئی اسلام کے خلاف نام دے دے کہ یہ تو ہم پرستی ہے یا بدعت ہے یا شرک ہے۔ نہیں نہیں، سرکار کی جلوہ گری سے اور قدموں کی برکت سے اگر کسی کو کچھ ملتا ہے تو یہ

اگر دوسرے کیمپ والے لوگوں کی بات ہوتی تو کہا جاتا اس معاملے کو دبا دو۔ آگے کسی کو نہ بتاؤ شرک کا وہم پیدا ہو جائے گا۔ ان کی شان بڑھ جائے گی۔ بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ ابو بکر و عمر کو بتاؤ کہ میں گیا ہوں تو اللہ نے تمہارے سارے کام پورے کر دیئے ہیں۔

جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان دو حضرات کے پاس گئے تو کیا ہوا۔

بخاری شریف میں ہے اور بخاری شریف کی جو لوگ قسمیں اٹھاتے پھر رہے ہیں۔ انہیں ایمان کی نگاہ سے یہ لفظ پڑھنے چاہئے اور دیکھنے چاہیے

ان دونوں حضرات تک یہ پیغام پہنچا جو اس امت کے کریم ہیں، اس امت کے لیڈر ہیں اور اس امت کے شیخ الاسلام ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے پائے کا کسی امت میں کوئی انسان نظر نہیں آتا، جب ان دونوں کے پاس نبی علیہ السلام نے حضرت جابر کو بھیجا کہ تم ان دونوں کو بتاؤ جو تم مجھے بتا رہے ہو۔ تو اس پر ان کا جواب کیا تھا۔

جواب سننے سے پہلے یہ تجزیہ کر لو۔ اگر وہاں ان دو شخصیات کی جگہ ان منحوس لوگوں میں سے کوئی ہوتا تو جواب کیا ہوتا لیکن ان دو شخصیات نے جو جواب دیا اس کو تلاش کرو کہ اس کی چمک آج کس سینے میں ہے۔

اگر ان دو لوگوں کی جگہ اس موجودہ صورتحال میں وہ لوگ جو شان الوہیت کو بظاہر ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ بغض نبی علیہ السلام کو چھپا کر اس پر توحید کا پردہ ڈالنا

تو اس سے ماننا پڑے گا کہ اضافہ رب کی طرف سے ہوتا ہے شان نبی ﷺ کی ظاہر ہوتی ہے۔

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

یہ وہ طریق ہے نبوت کو ماننے کا جو سرکار نے صحابہ کرام کو دیا ہے۔ ابھی میں اس کی دلیل کو بیان نہیں کر رہا جو آگے ہے۔ ابھی تو میں اس کی حیثیت کو واضح کر رہا ہوں۔ جس وقت نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی۔ اور آپ ﷺ نے اس پر خوشی کا اظہار فرما بھی دیا تو اب کیا ہوا۔ اس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے ایک جملہ بولا۔ فرمانے لگے: اے جابر

اِئْتِ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ

جو کچھ تم نے مجھے بتایا وہی جا کے میرے ابوبکر کو بھی بتاؤ اور جو کچھ تم نے مجھے بتایا ہے وہی میرے عمر کو بھی بتاؤ۔ اب اس کا سبب کیا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جا کر خبر دو۔ تو اس کا سبب صرف ایک ہے کہ جس سبب پہ آج ہم قائم ہیں کہ:

ذکر ہوتا رہے تیرے حسن و جمال کا
اور سلسلہ یہی ہے قیل و قال کا

سبب یہ تھا کہ میرے ابوبکر و عمر کو بھی پتہ چلے کہ جہاں ان کے آقا جاتے ہیں اللہ روتوں کو ہنسا دیتا ہے اور وہاں اندھیروں میں چراغاں ہو جاتا ہے۔

اِئْتِ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جانا۔

یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ہم نے جانا تھا جب سرکار نے دعا کی تھی۔

لَقَدْ عَلِمْنَا اِذْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا صَنَعَ اَنْ سَیَکُوْنَ

ہمیں یقین تھا سرکار کی آمد کی وجہ سے اور جو کچھ وہاں جا کے سرکار نے کیا ہے اس کے سبب ہمیں اس وقت پتہ چلا۔

اَنْ سَیَکُوْنَ ذَالِكَ

کہ قرضے ختم ہو جائیں گے۔ کھجوریں بڑھ جائیں گی۔

اب انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جابر سند پوری کرو، تم اکیلے آ گئے ہو۔ ہمیں منوانا بھی کوئی آسان کام ہے پہلے کوئی چار پانچ گواہ ساتھ لے کے آؤ۔

نہیں نہیں۔میں یہاں رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق پیش کر رہا ہوں۔

دوسرے نمبر پر میں یہ بات کر رہا ہوں کہ دل اضافے کے لئے تڑپتا ہے کمی کے لئے نہیں تڑپتا۔مومن کا دل یہ چاہتا ہے کہ ضرور ثابت ہو اور دوسرے کیمپ والوں کا دل یہ ہے کہ ہم ضرور کوئی کمی ثابت کریں کہ کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ جابر کے پاس جا کے دعائیں کر کر کے تھک گئے تھے۔ کھجور کوئی بڑھی ہی نہیں تھی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں بیک زبان کہہ رہے تھے۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے اس وقت جان لیا کہ کھجوریں ضرور بڑھ جائیں گی۔ کیوں؟

چاہتے ہیں اگر اس کیمپ کا کوئی بندہ وہاں ہوتا اور حضرت جابر کہتے کہ وہ کھجوریں جو تھوڑی تھیں وہ زیادہ ہو گئیں ہیں۔ سب کے قرضے میں نے پورے کر دیئے ہیں اور سب کچھ میں نے مکمل کر دیا۔ تو پہلے ان کا سوال یہ ہوتا اے جابر تم تو اکیلے ہو۔ اکیلے کی تو بات ہی معتبر نہیں ہوتی جاؤ دو گواہ لاؤ۔ خبر واحد ہم کیسے مانیں ہم تو سند مانتے ہیں۔ ہم ٹھوک بجا کے مانتے ہیں اور اے جابر تم اکیلے آ گئے ہو اگر ہم سے منوانا چاہتے ہو تو دو گواہ بھی ساتھ پیش کرو کہ جب تم کھجوریں بوریوں میں ڈال رہے تھے تو وہ دیکھ رہے ہوں کہ کھجوریں ہی تھیں، کچھ اور نہیں تھا اور وہ دونوں بتائیں کہ واقعی سارے قرض خواہوں کے قرضے اتر گئے ہیں، کوئی باقی نہیں رہ گیا۔ تم اکیلے بتا رہے ہو۔ ہو سکتا ہے تم نے کھجوروں کی جگہ کچھ اور ڈالا ہو اور ہو سکتا ہے کہ ابھی قرض خواہ کچھ رہتے ہوں اور تم ویسے ہی خوش ہو رہے ہو۔

یہ انداز اس کیمپ کے لوگوں کا ہونا تھا کہ ان کو جھٹلاتے اور کمی کی کوشش کرتے کہ جابر ایسا نہیں ہو سکتا۔ اے جابر! تم دو گواہ لاؤ۔ جابر اپنے ثبوت تم پورے کرو پھر ہم اس کو مانیں گے مانتا بھی ان لوگوں کے ہاں نخرے سے ہوتا ہے۔

لیکن صحابہ کرام کے ہاں ماننا بڑا ایڈوانس (advance) ہے۔ جب ان دو کے پاس یہ بات پہنچی تو کیا جواب دیا۔ قربان جاؤں میں ان کے ایک ایک لفظ کی عظمت پر جو جنتی سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے کہ جس وقت ان دونوں صحابہ کو پتہ چلا تو کہنے لگے:

اے جابر تمہیں اب پتہ چلا ہمیں تو اس وقت پتہ تھا۔

کا معاملہ نہیں تھا۔ یہ کام مستقبل میں ہونے والا تھا لیکن ہمیں ماضی میں پتہ چل گیا یہ سچے ہیں اور سچی بات کرر ہے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ سچوں کا عقیدہ یہی ہوتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا مقام تو اپنی جگہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو ان کے صدقے اتنی خبریں دینا آجاتی ہیں۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

اس میں علم کا لفظ ہے جس کا وہ لوگ تقاضا کرتے ہیں کہ علم غیب ہو خبر نہ ہو۔

یہ علم ہے:

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جانا۔

اب ایک وجہ یہ آگئی۔

دوسرا وہ جو ہمارا موضوع ہے کہ بغیر دیکھے وہ علمنا کہہ رہے تھے تو ان کے سامنے پھر سرکار کا چہرہ تھا کہ اگرچہ ہم نے کھجوروں کو بوریوں میں بند ہوتے دیکھا نہیں، اگرچہ ہم نے قرض خواہوں کو ختم ہوتے دیکھا نہیں لیکن ہم نے سرکار کو تو دیکھا ہے۔

لہٰذا سرکار جائیں، ہاتھ اٹھائیں اور بیڑے پار نہ ہوں یہ ہو کیسے سکتا ہے۔

مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ تجربے کا انتظار نہیں کرتا، تجربے کے بغیر شانِ رسالت کو مانتا ہے۔ یہ ایمانی طریق ہے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے اور اس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکے گا۔

صحیح بخاری سے اور درجنوں ماخذ سے اس کو پیش کرر ہا ہوں۔

فرمایا! سرکار کا وسیلہ ہی کام آگیا ہے کیونکہ لفظ کیا ہیں اس میں انہوں نے حوالہ کس چیز کا دیا۔ فرمایا:

اِذْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا صَنَعَ

چونکہ سرکار نے جا کر ہاتھ اٹھائے ہیں اور سرکار تشریف لے گئے ہیں تو سرکار کے جانے سے بھی فائدہ نہ ہو تو یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جان لیا۔

اب یہاں پر دو باتیں ہیں اور دونوں باتیں ہمارے سینے میں ہیں اور دونوں باتیں ایمان کا معیار ہیں۔

لقد علمنا ماضی ہے اس کا مطلب ہے ہم نے جانا۔ وہ مستقبل کی خبر کیسے جان گئے، کچھ لوگوں کے ہاں تو پیغمبر کو کل کا پتہ نہیں، یہاں سے تو پتا چل رہا ہے کہ ان کے غلاموں کو بھی پتا ہے۔

لقد علمنا لفظ علم ہے، یہاں پہ یہ نہیں ہے، ظننّا کہ ہمارا گمان تھا۔ آج تو ان کے ہاں گمان کے بھی بچے مر گئے ہیں، گمان بھی پیدا نہیں ہوتا۔ شانِ رسالت کے بارے میں ایک اچھی سوچ نہیں ابھرتی اور ایک خوشگوار موڈ نہیں بنتا۔ صحابہ تو کہتے ہیں:

لَقَدْ عَلِمْنَا

علم بمعنیٰ یقین ہوتا ہے یعنی ہمیں صرف گمان نہیں تھا ہمیں یقین تھا ہم جان گئے اگرچہ کھجوریں ابھی بوریوں میں نہیں ڈالی گئی تھیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے

دونوں کو جا کے بتا دو، ان کو خبر دے دو تا کہ پتا چل جائے، یہ لوگ جن کی صداقت پر قرآن گواہیاں دیتا ہے، جن کو صدیق اکبر کہا جاتا ہے اور جو کبھی جھوٹ کا سوچ ہی نہیں سکتے اور خلاف واقعہ بات کرتے ہی نہیں ہیں۔ ان کا یہ یقین ہے اور صحیح بخاری شریف میں سند صحیح سے مروی ہے کہتے ہیں ہمیں پتہ چل گیا، ہم نے مان لیا، ہم نے جانا، یہ کام ہونے سے پہلے جانا جو اس طرح جانے تو یہ ہے ایمانی طریق رسالت کو سمجھنے کا کہ جہاں تجربے کا انتظار نہیں کیا جاتا اور جہاں ترازو سے تول تول کے نہیں مانا جاتا، سینہ کھول کے بے دریغ مانا جاتا ہے۔

اب اس مقام پر جس وقت ان دونوں صحابہ کا عقیدہ سامنے آ گیا تو یہاں یہ بات پتہ چلی کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کو شان رسالت سن کے کمی کا نہیں اضافے کا یقین ہوتا ہے اور واقعہ میں بھی یہی صورتِ حال ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے حضرت جابر سے سند کے مؤاخذے نہیں کئے اور یہ نہیں کہا کہ یہ خبر واحد ہے تو اکیلا ہے۔ تیرے ساتھ جماعت ہونی چاہئے، پھر مانیں گے ایسی انہوں نے کوئی بات نہیں کی اور شان رسالت کے ایک مفہوم کا کچھ ثبوت سامنے آ گیا ہے اور پتہ ہے ہم گئے تھے اور سرکار بھی گئے تھے۔ کہتے ہیں یہ اس کے لئے کافی ہے کہ جو کچھ بعد میں ہوا ہے یقیناً ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

اب اس سلسلہ میں ایک بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے میں ایمانی طریق کا جو دوسرا شعبہ ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اب یہاں پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بات

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جانا۔

جاننے کی بیس (base) کیا تھی۔ بیس تھی شانِ رسالت کو ماننا اور آج یہ ہمارے سینوں میں موجود ہے کہ ہمیں تجربے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمیں کوئی کہے کہ محبوب علیہ السلام اگر چاہیں تو کسی کو جنت دے سکتے ہیں؟ ہم بغیر تجربے کے کہیں گے، دے سکتے ہیں۔

سرکار تشریف لائیں تو کیا بیڑے پار ہوتے ہیں؟ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ پہلے آئیں بیڑا پار ہو، پھر کہیں گے۔ نہیں ہمارا ایمان صدیقی بھی ہے اور فاروقی بھی ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب سرکار نے قبول کرلیا ہے، ذمہ لے لیا ہے کہ ٹھیک ہے میں یہ کام کروں گا یقیناً خیال کر دینا اور ذمہ لے لینا ہی سرکار کی طرف سے اس بات کی دلیل ہے کہ بیڑا پار ہو چکا ہے، اب یہاں پر یہ ضمناً وجہ بھی سامنے آ گئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کی طرف بھیجا کیوں تھا؟

بھیجا اس لئے تھا تا کہ پتہ چلے جن کو بعد میں دونوں سیٹیں ملنے والی ہیں، بلا وجہ ہی نہیں ملنی، ان کا ایمان بھی اتنا ہی ایڈوانس (advance) ہے۔

جابر تمہارا ایمان یقیناً کامل ہے، تمہاری آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوا اور تم خوش ہو مگر میری مسند پر خلیفہ بن کے جو پہلے نمبر پہ بیٹھے گا اور جو دوسرے نمبر پر بیٹھے گا ان کو جا کے بتاؤ۔ تمہیں پتا چلے کہ ان کو یہ شان اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ نبوت کے بارے میں کم نہیں تولتے، ہمیشہ زیادہ سوچتے ہیں۔

امتحان شروع ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

جس وقت اس شخص نے دعا کے لئے کہا تو میرے محبوب علیہ السلام کو بھی ناز ہے کہ میری دعا اٹھے گی تو قبولیت کے سہرے پہن کے واپس آئے گی۔ یہ نہیں کہا کہ اگلے جمعہ کو مانگ لیں گے یا ابھی مغرب کے ٹائم مانگ لیں گے تاکہ مجمع عام میں کہیں کوئی ایسی معاذ اللہ خفت نہ ہو جائے لوگوں کے سامنے۔ انہیں پتہ ہے کہ اللہ نے ہمیں خفت کے لئے نہیں رفعت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ محبوب علیہ السلام نے دعا فرمادی تو کیا ہوا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کہتے ہیں:

وَمَانَرٰی مِنْ سَحَابٍ

ہم نے کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں دیکھا تھا۔

آسمان پر تو بادل کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ محبوب علیہ السلام نے جب دعا فرمائی تو کہتے ہیں:

فَنَشَأَ السَّحَابُ

بادل پیدا ہو گئے۔

بادل اکٹھے ہو کے آگئے اور مدینہ شریف کے اوپر آ کر انہوں نے رات کا سماں بنادیا اور آپس میں مل گئے، پھر کیا ہوا؟

ثُمَّ مُطِرُوْا

پھر بارش شروع ہوگئی۔

یہاں تک کہ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ اب اگلا جمعہ آگیا۔ مدینہ شریف کی

سنو اور یہ بھی بخاری شریف میں ہے۔ ابھی تک میں گفتگو بخاری سے پیش کر رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ایک سوالی آ گیا اور کہنے لگا:

قُحِطَ الْمَطَرُ

بخاری شریف: ۹۰۰/۲

''قحط سالی ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ رستے ویران ہو گئے، بندے مر رہے ہیں اب سرکار سے آ کے جس نے کہا کیا اس کو پتہ نہیں ہے کہ رب ہر جگہ سنتا ہے۔ محبوب علیہ السلام کے پاس آیا تو یہ ظاہر کیا کہ ایسی باتیں ان سے آ کر کرنا یہ کوئی شانِ رسالت کے منافی نہیں ہے۔ اللہ نے ان کو ہر دکھ کی دوا بنا کر بھیجا ہے۔ جس وقت انہوں نے یہ کہا تو صحابہ کہتے ہیں، اس شخص نے عرض کی:

فَاسْتَسْقِ رَبَّكَ

اپنے رب سے کہو کہ بارش برسائے۔

اب وہ لوگ جو ہر وقت سارا زور اس پر لگا رہے ہیں کہ اللہ ان کی نہیں مانتا، ایڑھی چوٹی کا زور لگا لیں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ کتنا اسلام پر ظلم کر رہے ہیں۔ اگر اس وقت وہ شخص جو مجمع عام میں کہہ رہا تھا۔ اللہ سے بارش مانگو اور میرے نبی ﷺ مانگتے اور بارش نہ ہوتی تو کیا صورتِ حال بنتی، ان لوگوں کے ایمان کا کیا بنتا اور لوگوں کا کیا

پھر محبوب علیہ السلام مسکرا اٹھے۔

اس بات پر مسکرائے کہ میرے صحابہ مجھے کیا مانتے ہیں۔ سرکار مسکرائے کہ اگر رب کی رحمت کو کھولنا ہو تو کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور اگر اس رحمت کو جو زحمت بننے والی ہو، اس کو بند کرنا ہو تو یہ سمجھتے ہیں تالا بھی میرے ہاتھ میں ہے۔

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں

اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

جس وقت محبوب علیہ السلام مسکرائے ہیں تو مسکرا کے کہا:

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا

بخاری شریف: ۹۰۰/۲

اے اللہ! ہم پر بارش نہ ہو، آگے پیچھے ہوتی رہے۔

مدینہ شریف کی آبادی میں نہ ہو باہر پہاڑوں پر اور دیگر جگہیں جہاں ابھی کوئی مشکل نہیں بنی وہاں بارش ہوتی رہے مگر اے اللہ مدینہ شریف پر اب بارش نہیں ہونی چاہئے۔

محبوب علیہ السلام نے جس وقت یہ دعا کی ہے تو صحابہ کہتے ہیں یوں لگا کہ جیسے لفظ سیدھا بادل کو جا کے لگے ہیں۔

فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَصَدَّعُ

بادل پھٹ گئے۔

جو پہلے چھتری کی طرح تھے، اب پھٹ گئے، جدا جدا ہو گئے اور پیچھے پیچھے

وادیاں پانی سے بھر رہی تھیں۔

فَمَا زَالَتْ اِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ

اگلے جمعہ تک بدستور بارش ہوتی رہی۔

کہ جنہوں نے شروع کروائی ہے اگر وہ کہیں تو بند ہو۔ بارش برس رہی ہے اور مسلسل اللہ کی طرف سے برسات ہو رہی ہے تو اگلے جمعہ کو پھر وہی بندہ کھڑا ہو گیا یا اس کے علاوہ کوئی شخص کھڑا ہوا۔ سرکار خطبہ دے رہے تھے۔ اب:

سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

کہتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

غَرِقْنَا

ہم تو غرق ہو گئے۔

فَادْعُ اللّٰهَ اللہ سے دعا کرو۔

سرکار نے یہ نہیں فرمایا کہ بڑی مشکل سے پہلی منوائی تھی اب دوسری کے لئے آ گئے ہو۔ نہیں نہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ رب کے دربار میں ہمارا ایک مقام ہے جو چاہو لے لو۔

جب اس نے کہا: غَرِقْنَا ہم غرق ہو گئے۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے اگر اب تم غرق ہو رہے ہو تو ہمارے ہاں کیا کمی ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان کہتے ہیں:

فَضَحِكَ

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

اللہ صحابہ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھار ہا تھا۔

یہ ہے میری دلیل

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

اللہ ان کو دکھا رہا تھا، جو صحابہ وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کیا؟

كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

اپنے نبی کی شان۔

اللہ اپنے نبی کی شان کو ظاہر کر رہا تھا، اپنے نبی کی شان کو واضح کر رہا تھا اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو اس انداز میں سمجھنا، یہ شانِ رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق ہے۔

کچھ لوگ یہ حدیث بیان کریں گے تو پھر کیا کہیں گے۔ نبوت کی تو ساری نفی کر جائیں گے کہ نبوت کا اس میں کیا کمال ہے، یہ سب اللہ نے کیا تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھو نبوت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے نبی کی شان دکھائی تھی۔

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ وَاِجَابَةَ دُعَائِهٖ

بخاری شریف: ۹۰۰/۲

''اللہ انہیں اپنے نبی کی شان دکھار ہا تھا اور اپنے نبی کی دعا کی قبولیت کا عالم دکھار ہا تھا۔''

اللہ یہ واضح کر رہا تھا کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ عام نہیں ہوتے

ہٹ گئے، اس طرح کہ:

عَنِ الْمَدِيْنَةِ يَمِيْناً وَشِمَالاً

کچھ بادل مدینہ شریف سے دوڑتے دائیں طرف چلے گئے، کچھ بائیں طرف چلے گئے۔ مدینہ شریف کا جو ایریا تھا وہ سارے کا سارا بادلوں سے بالکل صاف ہو گیا۔ جس وقت یہ صورت حال آئی ہے موضوع کی بات اب ہمارے سامنے ہے۔ اب تم میں سے جس نے بھی یہ سنی ہے، اس کے چہرے پر ایک رونق ہے۔ کیا مرتبہ ہے ہمارے محبوب علیہ السلام کا۔ چاہیں تو بارش برسوائیں، چاہیں تو بند کروا دیں، اللہ کے دربار میں یہ شان ہے۔

اب دوسرے کیمپ کے لوگوں کے سامنے جب یہ بات کرو گے تو وہ یہ سوچ رہا ہو گا کہ ضرور سند میں کوئی کمی ہو گی۔ بغیر دیکھے یہ بول جائے گا کہ ضرور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ یہ نہیں سوچے گا کہ صحیح بخاری میں آئی ہوئی ہے یا یہ کہے گا کہ ہٹے تھے مگر دو دن بعد یا اس طرح کے کوئی بہانے ضرور بنائے گا، لیکن تم نے فوراً اس کو مانا ہے اور پہلے بھی اس کو جانتے ہو تو یہ انداز کہاں سے آیا ہے، یہ وہی صحابی جو اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں ان سے آیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں اور اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب بادل ہٹے اور بعد میں تابعین نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کیا منظر تھا جب بادل ہٹ رہے تھے اور جب آ رہے تھے تو موسم کیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، منظر یہ تھا:

گلشن بھی بیان کرو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

میری بڑی غیرت تھی ان عورتوں کے بارے میں کہ جنہوں نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کے لئے ہبہ کر رکھا تھا اور چونکہ با قاعدہ ہمارا حق مہر تھا اور یہ وہ صورت حال تھی میں سمجھتی تھی کہ ان کی اتنی ویلیو نہیں جو اپنے آپ کو پیغمبر کے لئے ہبہ کرتی تھیں، کہتی ہیں کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل کی:

تُرْجِی مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُئْوِیْ اِلَیْکَ مَنْ تَشَاءُ الاحزاب آیت ۵۱

''محبوب یہ تمہاری مرضی ہے جس بیوی کو پیچھے ہٹانا چاہو، ہٹا دو۔ جس کو رکھنا چاہو، رکھ لو۔''

یہ تم پر چھوڑا ہے، ہماری طرف سے تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔

یہ آپ کی مرضی پر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے سامنے وہ سارے فضائل تھے کہ اللہ نے کب سے میرے نکاح کے بارے میں پیغام عرش سے بھیجے تھے اور ساری صورتحال سامنے تھی اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس پر ان کے الفاظ کیا تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

مَا اُرٰی رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ هَوَاکَ

بخاری شریف: ۷۰۶/۲

''میرے پیغمبر مجھے تو صرف یہ نظر آتا ہے کہ آپ کا رب آپ کی ہر خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔''

ان کی میرے دربار میں بڑی ویلیو (value) ہے جو سارے معجزات کے اندر عقیدہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سمیٹ کے امت کو بتا دیا کہ ان معجزات کو اس نیت سے کوئی نہ پڑھے کہ معجزہ بھی بیان کرو اور پھر نبی کو سائیڈ پہ لگا دو۔ فرمایا نہیں، اس انداز سے بیان کرو کہ اگرچہ سب کچھ خدا کی طرف سے آرہا ہے مگر اللہ اپنے نبی کی عظمت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

صحیح بخاری شریف کے اندر یہ الفاظ ہیں:

كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

گویا کہ اللہ بادل لائے پھر بھی ان کو نبی کی شان دکھاتا ہے اور بادل لے جائے پھر بھی ان کو نبی کی شان دکھاتا ہے، یہ انداز ہے میرے محبوب علیہ السلام کا کہ جس سمت آتے ہیں، روتوں کو ہنسا دیتے ہیں اور مرجھائے ہوؤں کو تازگی عطا فرماتے ہیں۔ سب کچھ ہوتا اللہ کی قدرت سے ہے مگر ہوتا محبوب علیہ السلام کے صدقے میں ہے۔

دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جملہ سنو: چونکہ ہم نے صحابہ سے ثابت کرنا ہے کہ رسالت کو ماننے کا طریقہ کیا ہے؟

سب کچھ بیان کر کے بھی رسالت کے بارے میں گھنڈی رکھی جائے تو حق ادا نہیں ہوگا، یہ بیان کرنا پڑے گا۔

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

بادل آنا بیان کرو یا جانا بیان کرو، اس کے درمیان میں نبوت کی شان کا

چاہئے، سوچ اور ہونی چاہئے اور سوچ کا جو سلیبس ہے وہ بالکل بدل جانا چاہئے۔ کبھی بھی محبوب علیہ السلام کو دیکھ کر کہ پیکر انسانی میں آئے تھے، کھینچ کھینچ کے اپنے اوپر فٹ کرنا اور ساری صورت حال ایک جیسی بنانا یہ کبھی بھی ایمانی طریقہ نہیں۔ نبوت کو پہچاننے کا جو ایمانی طریقہ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محبوب علیہ السلام کی جو ازواج کے بارے میں خواہش ہے اس کو بھی اتنا پاکیزہ سمجھتی ہیں کہ وہ آپ کی خواہش ہی نہیں بلکہ اس کو اللہ کی چاہت بھی قرار دے رہی ہیں۔

تیسرا طریقہ

شانِ رسالت کو سمجھنے میں بندے کو اپنی ذات کا حجاب نہیں بنانا چاہئے

جہاں گمراہی آئی تو کس لئے کہ بندوں نے شانِ رسالت سمجھنے کے لئے بدن اپنے سامنے رکھے۔ جب یہ کہا کہ وہ سنتے ہیں کہاں سے تو کان اپنے سامنے لے آئے۔ کہا ہمیں سنائی نہیں دیتا تو ان کو بھی نہیں سنائی نہیں دیتا۔ وہ پکڑتے ہیں، کہاں سے تو ہاتھ اپنے سامنے رکھے جب نبوت کو سمجھنے کے لئے ایسا کیا تو خرابی پیدا ہوگئی۔

ایمانی طریق رسالت کو سمجھنے کا یہ انداز ہے کہ اپنی ذات کو یا کسی دوسرے انسان کی ذات رسالت کو سمجھنے کے لئے ماڈل نہیں بنانا چاہئے۔ رسالت کو اس انداز میں سمجھنا چاہئے جو انداز رب نے خود رسالت کو عطا فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جملہ سامنے رکھیں اور یہ بھی بخاری شریف میں ہے۔

ابھی بخاری ہی بخاری جارہی ہے اور یہ جو بخاری ہے یہ ہماری ہے، یہ سارے کی ساری ہے اور اس کے مضمون سمجھنے کے لحاظ سے کچھ لوگوں کی مت ماری ہے، جس

مجھے تو رب کے بارے میں یہ عقیدہ فائنل ہے کہ اور جو کچھ بھی ہوتا ہے، ہو جائے، رب تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول پر بیان کرتی ہیں یہ بھی بخاری شریف میں ہے اور یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ محبوب علیہ السلام کی ھوآء۔ حالانکہ ھواء تو ایک خواہش ہوتی ہے اور خواہش میں عام ہے کہ وہ اچھی بھی ہو سکتی ہے بری بھی ہو سکتی ہے۔ مگر سیدہ کا کہنا ہے کہ

یُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ

''اللہ صرف تمہاری خواہش کو پورا ہی نہیں کرتا بلکہ جلد پورا کرتا ہے۔''

اس سے پتہ چلا کہ نبوت کے بارے میں سوچتے وقت ہر بندے کو اور کام تو اور رہے، شادیوں کے بارے میں بھی یہ ماننا پڑے گا کہ محبوب علیہ السلام کی یہ خواہش بھی اتنی مقدس ہے، اتنی پاک ہے کہ رب ذوالجلال نے اس خواہش کو اپنے دربار کی ترجمانی قرار دے دیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ سامنے رکھئے اور پھر وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی شادی کی، ہم نے بھی شادی کی۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ تمہاری شادیاں ہزار بری خواہشات کے نیچے دبی ہوئی ہیں اور محبوب علیہ السلام کی شادی کا معاملہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔

میرے محبوب علیہ السلام اللہ تمہاری ہر خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے تو رب جس خواہش کو پورا کرے وہ خواہش نہیں وہ عرش کی چاہت بھی بن جائے گی۔

اس سے پتہ چلا کہ ہر معاملہ کو سمجھتے وقت نبوت کے بارے اپنا انداز اور ہونا

بھی پڑھ رہے تھے، ساتھ استقبالِ نبوت بھی کر رہے تھے۔

اور وہ لوگ جو بظاہر توحید کا ایک جنون لے کر اٹھے اور شانِ رسالت میں توہین کرتے ہوئے وہ لکھ گئے کہ اگر نماز میں نبی کا خیال آ جائے تو معاذ اللہ گائے، گدھے کے خیال سے برا ہے۔ اور یہ کہہ گئے کہ چونکہ گائے، گدھے کا خیال تعظیم سے نہیں آئے گا، نبی ﷺ کا تعظیم سے آئے گا۔ عبادت خدا کی ہو تو نبی کی تعظیم نہیں ہونی چاہئے۔ ایسی جھوٹی توحید کو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مسترد کر دیا تھا اور کہا کہ توحید یہ ہے کہ عبادت اللہ کی ہوگی اور تعظیم اللہ کے پیغمبر کی ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ صفوں کے درمیان سے گزر رہے ہیں، ہر صف والا استقبال کر رہا ہے اور یہاں تک کہ محبوب علیہ السلام چلتے چلتے جب پہلی صف میں پہنچے تو امام نے بھی استقبال کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو آگے جماعت کروا رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ نماز میں بڑے مستغرق ہوتے تھے اور توجہ کبھی بھی دائیں بائیں نہیں کرتے تھے۔ جب اچھی طرح آوازیں آئیں تو ان کو پتہ چلا کہ محبوب علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں، وہ نماز میں ڈوب جانے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں تو میخ بن جاتے ہیں۔ اتنے خشوع سے نماز پڑھنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب محبوب علیہ السلام کا پتہ چلا تو پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اب جب وہ پیچھے ہٹے ہیں تو وہ بھی ادب کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ہوا:

کی وجہ سے ان کو بیماری ہی بیماری ہے، ورنہ بخاری کے اندر رحمتِ باری ہے۔

دیکھئے بخاری شریف کا انداز کیا ہے۔ محبوب علیہ السلام جب نبی ﷺ بنی عمرو بن عوف کے صلح کروانے کے لئے گئے اور ظہر کا ٹائم ہوگیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ آپ جماعت کرائیں کیونکہ محبوب علیہ السلام لیٹ ہوگئے ہیں۔ ظہر کی نماز تھی، یہ آخری دنوں والی نماز کی بات نہیں، پہلے کی بات ہے۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو محبوب علیہ السلام تشریف لے آئے، آخری صف میں پہنچے۔ اب صحابہ کا امتحان شروع ہوگیا۔ یہ ان کا تھا آج ہمارا نہیں۔ امتحان ہے کہ اللہ کی نماز پوری کریں یا سرکار کی تعظیم پوری کریں۔ ہوں رسولوں کے بھی امام اور صف پچھلی میں کھڑے ہوجائیں یہ ہو کیسے سکتا ہے۔ اللہ کی نماز ہو اور خیال غیر اللہ کا ہو، ادب غیر اللہ کا ہو اور تعظیم غیر اللہ کی ہو تو کیا بنے گا۔ صحابہ ایمان کے امتحان میں پاس ہوگئے

عبادت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا

تصور میں تیرے رہنا ریاضت اس کو کہتے ہیں

نماز پڑھتے انہوں نے کہا کہ تعظیم ضرور ہونی چاہئے، اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ نبی علیہ السلام کی تعظیم بھی ہونی چاہئے۔ سرکار پیچھے نہ کھڑے رہیں۔ انہوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مار کے دستک کی آواز پیدا کی تا کہ اگلی صف والوں کو پتہ چل جائے کہ سرکار ﷺ آگئے ہیں اور وہ رستہ بنائیں اس طرح ہر صف والے نماز

"ابوبکر رضی اللہ عنہ جب میں کہہ رہا تھا، اشارے کر رہا تھا کہ جماعت کراؤ، تم نے جماعت کیوں نہیں کرائی؟

اب دیکھنا آج کی صورتِ حال کیا ہے، کیا پدی، کیا پدی کا شوربا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں ۔ وہ آسمانِ نبوت کو ہاتھ ڈال کر نیچے کھینچنا چاہتے ہیں اور جن کے پائے کا نبوت کے بعد کوئی انسان نہیں وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جس وقت سرکار ﷺ فرما رہے تھے، تم نے جماعت کیوں نہیں کرائی؟ تو جوانہوں نے جواب دیا کیا خوبصورت جملہ تھا:

قَالَ اَبُوْبَکْرٍ مَا کَانَ یَنْبَغِیْ لِابْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

بخاری شریف: ۱۶۲/۱

"کہنے لگے کہ یہ کب جائز ہے ابوقحافہ کے بیٹے کے لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کے نماز پڑھے۔"

یارسول اللہ ﷺ آپ پیچھے ہوتے میں آگے ہوتا۔ یہ میرے لئے کب جائز تھا۔ محبوب علیہ السلام اگر چہ تم فرما رہے تھے مگر جو ادب تمہارے دربار سے مجھے ملا ہے مجھے اجازت نہیں دیتا تھا کہ میری پیٹھ آپ کی طرف ہو اور میں آگے جماعت کراتا رہوں۔ یہ نماز بھی ہے سرکار ﷺ کا ادب بھی ہے۔ سرکار کا دھیان بھی ہے، سرکار کی شان کا اظہار بھی ہے۔

یہ طریقہ ہے شانِ رسالت کو سمجھنے کا کہ جو انانیت کو ختم کر دیتا ہے تو اس کو

اَشَارَ اِلَیْہِ یَاْمُرُہٗ اَنْ یُّصَلِّیَ

بخاری شریف: ۱/۱۶۲

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہو۔''

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر اسی جگہ کھڑے رہو اور جماعت کراتے رہو یہ شان ہے تمہاری۔ تم جماعت کراتے رہو لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف پیچھے آنا ہی شروع نہیں کیا۔ بلکہ

رَفَعَ اَبُوْبَکْرٍ یَدَیْہِ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اونچے کر کے دعا بھی شروع کر دی۔''

اس لئے کہ محبوب علیہ السلام کی زیر نگرانی مجھے یہ شرف ملا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جماعت کراؤ مگر میں کراؤں گا نہیں۔ اس لئے کہ ادب پیش نظر ہے۔ اب نماز بھی ہے، دعا بھی ہے، اور تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے آپ شکر ادا کر رہے ہیں اور پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جماعت کراؤ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جماعت کراؤ لیکن وہ صف میں آ گئے۔

تَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلّٰی لِلنَّاسِ

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور جماعت کرادی۔''

جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو پلٹ کے دیکھا اور پھر بالخصوص فرمایا:

یَا اَبَابَکْرٍ مَا مَنَعَکَ اَنْ تُصَلِّیَ حِیْنَ اَشَرْتُ اِلَیْکَ

دن کی ڈائری لکھی گئی ہے سرکار علیہ السلام کے ، ایام مرض میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جماعت کرا رہے تھے اور حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں سے محبوب علیہ السلام نے دروازے کا پردہ اٹھایا اور دیکھا کہ میں نے امت کو لیڈر بھی دے دیا ہے اور امت کو چلنے کا طریقہ بھی دے دیا ہے۔

یہ آخری دن تھا پھر محبوب علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ سرکار ﷺ کو بڑی خوشی ہے کہ میرا ابوبکر رضی اللہ عنہ کیسی جماعت کرا رہا ہے اور پیچھے کیسے پڑھ رہے ہیں۔ صحابہ علیہم الرضوان کہتے ہیں کہ محبوب علیہ السلام نے جس وقت پردہ اٹھایا تو کیا ہوا:

یَنْظُرُ اِلَیْنَا

بخاری شریف: ۹۳/۱

''سرکار ﷺ کی نگاہ ہم پر پڑ رہی تھی۔''

کیا خوش قسمت بدن تھے کہ ڈائریکٹ (direct) نگاہِ نبوت جن پر پڑ رہی تھی۔ سرکار ﷺ دروازے میں کھڑے تھے اور جماعت ہو رہی تھی اب وہ ریاض الجنہ کا منظر سامنے رکھو، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اور پھر سرکار ﷺ کا محراب، وہاں پر جماعت ہو رہی ہے۔

اب نماز پڑھنے والوں کو کیا ہوا۔ صحابہ علیہم الرضوان بڑی جلیل القدر ذوات ہیں اور اللہ کی نماز ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے نماز پڑھتے سرکار کو دیکھ لیا حالانکہ سائیڈ (side) پر تھے اور پوری طرح نہیں دیکھا۔ صرف تھوڑا سا چہرہ مبارک دیکھا تو صحابہ علیہم الرضوان کہنے لگے:

نبوت کا نظارہ نظر آتا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ذات کے بتوں کو حجاب بنا رکھا ہے، انہیں نبوت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ پہلے دن سے محبوب علیہ السلام کے ساتھ ہیں۔ اور انہیں محبوب علیہ السلام کی عظمت کا پتہ ہے اس لیے پیچھے ہٹ رہے ہیں اور اس انداز میں جو کچھ ہوا ہے۔ محبوب علیہ السلام نے یہ نہیں کہا میرے صحابہ اللہ کی نماز تھی، میرا کیا تھا، میں جہاں کھڑا تھا، کھڑا رہتا۔ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ بلکہ قیامت تک اس بات پر نبوت کی مہر لگا دی ہے کہ اللہ کیلئے نماز مکمل ہی تب ہوتی جب تعظیم نبوت ساتھ ہوتی ہے۔

جس کو اقبال کہتے ہیں:

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یہ محبوب علیہ السلام کے بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عقیدۂ تعظیم ہے۔ اور اس سے ایمانی رستہ سامنے نظر آ رہا ہے کہ نماز کے اندر جو کہ اتنا حساس مقام ہے اس وقت بھی تعظیم نبی سے بے وفائی کرنا جائز نہیں، تو باہر کیسے جائز ہو گی اور اس وقت بھی محبوب علیہ السلام کے ساتھ ہمسری کرنا جو کہ اس بارے میں عمومی طور پر تصور پایا جاتا ہے کہ اللہ کے دربار میں آقا اور غلام سب ایک جیسے ہوتے ہیں وہ اور ہیں جو ایک جیسے ہوتے ہیں اللہ کے دربار میں اس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان غلاموں سے جدا ہے۔

اس واسطے بخاری شریف کے اگلے مقام پر جو محبوب علیہ السلام کے آخری

اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ

''صحابہ علیہم الرضوان نماز پوری کرو۔''

نماز نہ چھوڑو، نماز مکمل کرو۔ محبوب علیہ السلام نے کیا کیا:

اَشَارَ اِلَیْنَا النَّبِیُّ ﷺ اَنْ اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ

بخاری شریف: ۹۳/۱

''ہماری طرف حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو۔''

اور پھر پردہ ڈال دیا اور وہ پردہ قیامت تک کا پردہ ہے۔ اس کے بعد وہ پردہ نہ اٹھا، اس کے بعد آج تک وہ پردہ پردہ ہی ہے وہ آخری دن کہ جس کے بعد نبوت کے جو فیصلے تھے وہ رجسٹرڈ ہو گئے یعنی جس کو منسوخ کرنا تھا منسوخ کر دیا اور جس کی مدت بیان کرنی تھی، بیان کر دی، یہ آخری دن کا فیصلہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت جو میری تعظیم کرتا ہے، اس کی نماز ٹوٹتی نہیں، جڑ جاتی ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے:

اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ

''نماز کو مکمل کرو۔''

اگر نماز ٹوٹ گئی ہوتی تو فرماتے:

اِسْتَقْبِلُوْا

''نماز نئے سرے سے پڑھو۔''

یہ نہیں کہا کہ صحابہ تم مجھے دیکھنے کا ارادہ کر رہے ہو اور وہ بھی نماز میں۔ اس طرح نماز تو ٹوٹ جائے گی، بلکہ فرمایا:

كَأَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ایسے لگتا تھے جیسے قرآن کا ورق ہے۔''

اب اس بات سے جو برابری کرنے والے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے کہ صحابہ علیہم الرضوان محبوب علیہ السلام کے چہرے کو ورقہ مصحف قرار دے رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کہتے ہیں:

ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ

''اب معاملہ مزید حساس ہو گیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرانا شروع کر دیا۔''

جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا تو صحابہ علیہم الرضوان کی جانوں پر قیامت کی گھڑی تھی کہ نماز بھی ہے ادھر تبسم نبوی بھی ہے، تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں پھر یہ لمحہ میسر نہ آئے۔ صحابہ علیہم الرضوان کا امتحان ہوا تو صحابہ علیہم الرضوان نے پاس کیسے کیا، کہتے ہیں:

وَهَمَمْنَا اَنْ نَّفْتَتِنَ

''ہم نے فیصلہ کیا کہ نماز بعد میں پڑھ لیں گے پہلے سرکار کو دیکھ لیں۔''

ہم نے ارادہ کیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اب تبسم بھی فرما رہے ہیں، پہلے تو صرف دیکھ رہے تھے اور اب تبسم بھی فرمانا شروع کر دیا ہے۔ ہم نماز میں ہی رہیں اور ادھر یہ بہار گزر جائے، کہتے ہیں:

هَمَمْنَا اَنْ نَّفْتَتِنَ

''ہم نے پکا ارادہ کر لیا کہ نماز چھوڑیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں۔''

کہتے ہیں، اتنے میں محبوب علیہ السلام نے فرما دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 6

زندگی اور اسکی اِقسام

اَتِمُّوا

نماز پوری کرو۔

تو پتہ چلا کہ ایسے تصور سے نماز ٹوٹتی نہیں لذت بڑھتی ہے، عظمت آتی ہے تو جن لوگوں نے محبوب علیہ السلام کو اپنی شخصیتوں کے خول میں نہیں دیکھا۔ سرکار ﷺ کو اس آئینے میں دیکھا

کہ جو اللہ نے فضیلتوں کا آئینہ دیا ہے یقیناً وہ آج بھی اس ایمان پر موجود ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو عطا فرمایا تھا۔

یہ میں نے صرف بخاری شریف کے حوالہ سے ایک مختصر سی گفتگو تمہارے سامنے کی ہے۔

اس کو اچھی طرح یاد کرو اور آگے دوسروں تک پہنچاؤ۔ اگر تمہاری دعوت پر ایک بھی بگڑا ہوا آدمی صحیح ہو گیا تو تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے اگر ایک بھی گمراہ بندہ تمہارے سمجھانے سے صراطِ مستقیم کی طرف آ گیا تو تمہیں پوری دنیا کے صدقے سے زیادہ ثواب ملے گا۔

جن کے پاس زہر ہے وہ اس کو چھپا کر لوگوں کو شربت کے پیالے پلا رہے ہیں، انہوں نے شراب کے اوپر زم زم کے لیبل لگا رکھے ہیں اور زم زم والو تم کم کم ہی کرتے پھرتے ہو۔ زم زم لے کر نکلو اور یہ لوگوں کو پلاؤ۔ خدا کی قسم! تم اس جہاں میں خوشبو کو عام کرو گے۔ زمانے سے بدبو اپنی موت آپ مر جائے گی۔ اور اس دین کی جو حقیقی جہت ہے، وہ لوگوں کے سامنے آ جائے گی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو فہم دین کورس کے اس اہم پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ، ادارہ صراطِ مستقیم کی اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

زندگی اور اس کی اقسام

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رب ذوالجلال نے قرآنِ مجید برہانِ رشید کی سورۂ ملک میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً

سورۃ الملک: ۲

ترجمہ: وہ ذات جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں سے کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔

خالقِ کائنات کو خود پتہ ہے انسان کی تخلیق سے صدیوں قبل وہ جانتا ہے لیکن آزمائش کا مقصد دیگر مخلوقات کو اس پر مطلع کرنا ہے کہ ان کو بھی پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ یَامُجِیْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ هُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِی الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، واعظم شانہٗ، واتم برھانہٗ، کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں، سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

حیات ایک حرکت کا نام ہے حیات جسم کے حرکت کرنے کا نام ہے اور جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو پھر اس میں جمود آ جاتا ہے، موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر بنظرِ دقیق دیکھا جائے تو حیات اور زندگی کا حقیقی تصور اس سے کہیں زیادہ مختلف ہے۔

خاص حیات

قرآن مجید برہان رشید میں خالق کائنات جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا

سورۃ الانعام:۱۲۲

کیا وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو نور دیا۔

یہ اُن جیسا ہو سکتا ہے جو ابھی تک اندھیرے میں ہوں اور ان کو زندگی نہ دی گئی ہو کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟ تو اللہ فرماتا ہے ہرگز نہیں۔ جس کو ہم نے زندہ کیا ہے، یہ اس بندے سے نرالی شان والا ہے کہ جسے ابھی تک ہم نے زندگی نہیں دی اور اندھیروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اب اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقی زندگی متحرک ہونے کا نام نہیں ہے۔ حقیقی زندگی چلنے پھرنے کا نام نہیں ہے کہ جس میں یہ صفات پائی جائیں اس کو کہا جائے کہ وہ زندہ ہے چونکہ خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے یہاں پر comparison کیا ہے ابو جہل کا اور حضرت امیر حمزہ کا

ابو جہل حالت کفر میں ہے اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے آپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد جب آپ کی عظمت و شان کا تذکرہ

نے کس بنیاد پر انسان کو اپنی خلافت عطا فرمائی ہے۔

ہم عمومی طور پر جس وقت حیات اور زندگی کے بارے میں بات کرتے ہیں یا بات سنتے ہیں تو ہمارے سامنے زندگی کا ایک خاص تصور ہوتا ہے اور اس کے لحاظ سے ہم سوچتے ہیں اور عمومی طور پر جو زندگی کی تعریف کی جاتی ہے وہ یہی ہے۔

تعریفِ زندگی

اَلْحَیَاۃُ صِفَۃٌ وَجُوْدِیَۃٌ تُوْجِبُ لِلْمُتَّصِفِ بِھَا اَنْ یَعْلَمَ اَوْیَقْدِرَ

دستور العلماء: ۲/۷۰

حیات ایک وجودی صفت ہے جس کی وجہ سے جو بندہ اس صفت سے متصف ہو اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز کو جان سکے یا کسی کام پر قدرت رکھ سکے۔

یہ زندگی کی تعریف ہے کہ زندگی ایک وجودی چیز ہے۔ ایک ہوتی ہے عرفی چیز جس میں **negative** پہلو ہوتا ہے تو حیات ایک وجودی صفت ہے جس کی بنیاد پر جس میں یہ صفت پائی جائے اس میں دو کاموں میں سے ایک کام ضرور ہوتا ہے یا تو اس میں علم کی صلاحیت ہوتی ہے کہ اس کو جان سکے اور یا ساتھ یہ بھی ہے کہ کسی فعل پر قدرت رکھ سکے۔ جس میں حیات پائی جائے اس میں علم وقدرت کی صفات ضرور پائی جاتی ہیں۔

تصوّرِ حیات

اس لحاظ سے عمومی طور پر حیات کے بارے میں **Concept** یہی ہے کہ

تھے جب آپ واپس آئے تو آپ کو پتہ چلا کہ ابوجہل (جو کہ سید الوادی کہلاتا تھا اور اس کے سامنے اونچی آواز میں کوئی بولتا نہیں تھا) نے حضور کی گستاخی کی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بھی بڑے بہادر تھے آپ کو اس پر دکھ ہوا کہ میرے بھتیجے کے ساتھ ابوجہل نے نازیبا حرکات کی ہیں تو آپ سیدھا اس کے پاس چلے گئے وہی شکار والا تیر ہاتھ میں تھا۔

آپ نے ابوجہل پر چڑھائی کی اور اس کو مارنا شروع کر دیا تو اس پر ابوجہل نے یہ کہا:

اَمَا تَرٰی مَاجَآءَ بِہٖ

تم یہ نہیں دیکھتے کہ تمہارا بھتیجا کیا لے کر آیا ہے۔

یہ دیکھو تو سہی کہ تمہارے بھتیجے کے کام کیا ہیں وہ ہمیں کیا کہتا ہے۔

سَفَّهَ عُقُوْلَنَا

وہ تو ہمیں پاگل کہتا ہے۔

ہمارے بتوں کو وہ گالیاں دیتا ہے اور ہمیں بے وقوف کہتا ہے تو جو کچھ اس نے کیا اس کے لحاظ سے میں جا کے اس کے ساتھ جھگڑ پڑا تو حمزہ رضی اللہ عنہ تم میرے ساتھ غصے کیوں ہوتے ہو۔ یہ بھی دیکھو کہ انہوں نے کیا حرکت کی تھی۔

جس وقت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو ابوجہل نے اس انداز میں بتایا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں صرف یہ کہا:

اَنْتُمْ اَسْفَهُ النَّاسِ تَعْبُدُوْنَ الْحِجَارَةَ

ہوا تو قریش مکہ نے کہا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کل تک ہمارے ساتھ تھے اس وقت ان کی یہ شانیں نہیں تھیں ۔ آج انہوں نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو پھر ایک علیحدہ حیثیت ان کو کیسے مل سکتی ہے۔ کفار نے کہا کہ ابو جہل اور حمزہ رضی اللہ عنہ میں کوئی فرق نہیں ہے یہ ایک جیسے ہیں تو اس موقع پر خالقِ کائنات نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابو جہل اب بھی مردہ ہے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہم نے زندہ کر دیا ہے۔

اب یہ ایک موت تھی جو پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر طاری تھی کب تک؟ جب تک دل زندہ نہیں تھا، دل مردہ تھا، کفر تھا اور اس میں اندھیرا تھا تو اس کو زندگی قرار نہیں دیا گیا۔ اس کو موت قرار دیا گیا ہے اور جب انہوں نے کلمہ پڑھا ہے تو خالقِ کائنات نے فرمایا:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا — یعنی پہلے وہ مردہ تھا۔

فَاَحْيَيْنٰهُ — ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔

تو ہم نے جب ان کو حیات دے دی ہے تو یہ شخص جو زندہ ہے یہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو کہ مردہ ہو۔ ابو جہل اب بھی مردہ ہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہم نے زندگی عطا فرما دی ہے۔

آیت کا پس منظر

اس آیت کا پس منظر یہی ہے کہ ابو جہل نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اگرچہ اس وقت حالت کفر میں تھے آپ شکار پہ گئے ہوئے

جس دل میں ہم نورِ ایمان داخل کر دیں پھر وہ مردہ نہیں رہتا وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

یہ ایک زندگی کا تصور جو قرآن مجید نے دیا۔ یہ پہلے تصور سے بالکل مختلف ہے اب یہاں چلتے پھرتے انسان کو مردہ کہا گیا ہے اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی کا اعلان کیا گیا ہے۔ ایسے ہی خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے کفار کو کئی مقامات پر ان کی ساری حیثیات کا انکار کر دیا ہے۔ انکی آنکھیں صحیح ہیں، ان کے کان صحیح ہیں، انکی زبانیں صحیح ہیں لیکن اللہ فرماتا ہے:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

سورۃ البقرہ: ۱۸۱

نہ ان کی آنکھیں صحیح ہیں، نہ ان کے کان صحیح ہیں، نہ ان کی زبانیں صحیح ہیں۔

اور ایسے ہی فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

سورۃ الروم: ۵۲

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو مردے ہیں آپ ان کو کیا سنائیں گے، ان کے دل مردہ ہیں اب اس سے پتہ چل رہا ہے کہ خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے قرآن مجید میں حیات کی اقسام کو بیان کیا ہے جو سورہَ ملک کی آیت میں نے پڑھی ہے۔

الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

سورۃ الملک: ۲

وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو، تم میں کس کا کام

تفسیر کبیر: ۱۸۲/۷

تم لوگوں میں سب سے زیادہ بے وقوف ہو کہ تم پتھروں کی پوجا کرتے ہو۔

اگر میرا بھتیجا تمہیں بے وقوف کہتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں تم بے وقوف ہو اس لئے کہ تم پتھروں کی پوجا کرتے ہو۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں انقلاب آ گیا اور ان کے کلمہ پڑھنے کا یہ سبب بن گیا ابو جہل تو ان کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو تمہارے بھتیجے کی زیادتی بڑی ہے وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اگر میں نے انکو کچھ کہہ دیا ہے تو اس سے کیا ہو گیا لیکن جب وہ بولا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دل اللہ کی رحمتوں کا گہوارہ بننے والا تھا تو آپ نے فرمایا کہ میرا بھتیجا اگر تجھے بے وقوف کہتا ہے تو سچ کہتا ہے تجھ سے بڑا بیوقوف کون ہو گا کہ تم پتھروں کو پوجتے ہو اور میں اسی رب کی گواہی دیتا ہوں جس رب کی گواہی میرا بھتیجا دینے والا ہے۔

اس کے بعد مشرکین مکہ نے جب یہ کہا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو خالق کائنات جل جلالہ نے آیت نازل فرما دی:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا

یعنی اس میں بڑا فرق ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پہلے مردہ تھے اگرچہ چلتے تھے، پھرتے تھے، کھاتے تھے، پیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ مردہ تھے چونکہ دل مردہ تھا اور پھر

فَأَحْيَيْنَاهُ

تو زیادہ نہ ہنسا کرو اس کے اثراتِ بد کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمادیا کہ یہ غفلت کی علامت ہے۔ زیادہ ہنستے رہنا انسان کے غافل پن کا ایک حوالہ ہے کہ یہ بندہ اللہ کے دربار سے غافل ہے اور جس وقت بندہ کی اس طرح عادت بن جاتی ہے اور وہ زیادہ ہنستا رہتا ہے تو اس کی وجہ سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور دل میں سے حیات ختم ہو جاتی ہے۔

تو اب یہاں نبی ﷺ نے جو بیان کر دیا ہے اس کے مطابق ہنسنے والا ہے وہ مردہ تو نہیں کہ اس کو قبر میں جا کے دفن کر آئیں، زندہ ہے، چل پھر رہا ہے، کھاتا ہے اور پیتا ہے اور اس میں احساس برقرار ہے، اس میں حیات برقرار ہے لیکن اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کا دل مر گیا ہے حالانکہ جس کا دل مر گیا ہو وہ چل تو نہیں سکتا۔

تو یہاں سے پتہ چلا کہ شریعت میں حیات ایک اور چیز بھی ہے کہ جو دل کی زندگی ہے، دل کی بیداری ہے، دل کے اندر ایک نور ہے اور دل کے اندر ایک روشنی ہے جس دل میں یہ روشنی اور چمک موجود ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کہا اور اس بندے کو زندہ دل کہا ہے اور جس میں یہ نہیں ہے اگر چہ وہ کتنا ہی صحت مند انسان کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مردہ قرار دے دیا ہے۔ اور اس کی حرکات کو کالعدم قرار دے دیا ہے، وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، بولتا ہے چونکہ حق نہیں سنتا تو اللہ فرماتا ہے یہ کچھ نہیں سنتا اور چونکہ حق نہیں دیکھتا تو یہ کچھ بھی نہیں دیکھتا اور چونکہ حق نہیں بولتا تو یہ کچھ نہیں بولتا اللہ تعالیٰ نے معیار حق کو بنا دیا۔ اگر اعضاء حق کی گواہی دیتے ہیں تو پھر بندہ زندہ ہے اور اگر حق سے

زیادہ اچھا ہے۔

یہاں پر حیات اور معنیٰ میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ چلنے پھرنے کا نام حیات ہے۔ایک بدن جس میں یہ صفت موجود ہے، وجودی طور پر وہ جانتا ہے اس کو احساس ہوتا ہے کہ وہ کوئی فعل کرسکتا ہے تو اس کو زندہ کہا گیا ہے لیکن یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ان کے چلنے پھرنے کو کالعدم قرار دے دیا۔

پہلے وہ مردہ تھے جب انہوں نے کلمہ پڑھا ہے تو ہم نے ان کو زندگی عطا فرما دی ہے۔ایسے ہی حدیث شریف میں اس سلسلے میں بہت زیادہ مواد ملتا ہے کہ زندگی قرآن وسنت کے لحاظ سے کسی اور چیز کا نام ہے۔میرے محبوب علیہ السلام کا فرمان مسند امام احمد میں موجود ہے۔سید عالم ﷺ ایک شخص کو نصیحت فرما رہے تھے۔

لَا تُكْثِرُ الضِّحْكَ

زیادہ نہ ہنسا کرو۔

ایک ہوتا ہے تبسم یہ شرعی طور پر معیوب نہیں ہے۔تبسم یہ ہوتا ہے کہ ہونٹوں پر چمک ہو اور ہونٹوں پر جو ایک انسان کے لئے خوشی کا منظر ہے اُس کو تبسم کہتے ہیں۔ ضحک ہنسنا ہے اس سے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم زیادہ نہ ہنسا کرو۔

فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ

مسند امام احمد: ۳۱۰/۲

بے شک زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

اس میں تین چیزیں ہیں۔

تین امور = وحی، بدن، روح

ایک ہے وحی، ایک ہے روح اور ایک ہے بدن۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وحی کو روح قرار دیا ہے متعدد آیات کے اندر وحی کو روح کہا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذَالِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِنْ اَمْرِنَا

شوریٰ: آیت نمبر ۵۳

ہم نے تجھ پر روح کو نازل کیا۔ ہم نے تجھ پر روح کو بھیجا۔

تو پتہ چلا کہ قرآن مجید روح ہے، قرآن مجید زندگی ہے۔ قرآن مجید خود ایک حیات ہے اور اللہ تعالیٰ نے وحی کو حیات اور روح قرار دے دیا۔ ایسے ہی دوسرے انبیاء علیہم السلام پہ وحی آتی رہی اس کو بھی روح سے تعبیر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ

سورۃ النحل: آیت نمبر ۲

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے جن کو اس نے نبوت کے لئے منتخب کرلیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو روح دے کر بھیجتا ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ

اللہ فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔

بِالرُّوْحِ

رکے ہوئے ہیں تو پھر وہ چلتا پھرتا مردہ ہے اس کی اسلام کبھی بھی حقیقی زندگی بیان نہیں کرے گا۔ اب اس تمہید سے پتہ چلا کہ ہمیں پھر زندگی کی اقسام دیکھنی چاہئے اور پھر جو زیادہ اہم زندگی ہے اس کی فکر کرنی چاہئے۔

دل کی حیات بدن کی حیات سے افضل

ایک زندگی بدن کی ہے، ایک زندگی دل کی ہے لیکن بندے کو بدن کی موت کا جو خطرہ ہے اس سے نہیں ڈرنا چاہئے بلکہ جو دل پر موت کا خطرہ ہے اس سے ڈرنا چاہئے۔ بدن پر جو موت آتی ہے اس میں تو اللہ کے ساتھ وصال ہوتا ہے۔ ایک بندہ اپنے معبود کے دربار میں پہنچ جاتا ہے اور قبر میں رسول اکرم ﷺ کی جلوہ گری کا منظر اسکے سامنے ہوتا ہے۔ بدن پر جو موت آتی ہے اس کا حیات کا زوال ہے جو پہلی قسم کی ہے جو صفت وجودی ہے جس کی وجہ سے بندہ سن سکتا ہے، بول سکتا ہے، یہ بدن کی حیات ہے اور جو دوسرے مرحلے میں میں نے بیان کی وہ دل کی حیات ہے۔ دل کی حیات بدن کی حیات سے افضل ہے۔

اس بنیاد پر کہ بدن کی حیات والوں کو اللہ تعالیٰ نے دیکھا تو اس کے باوجود ان کو مردہ قرار دے دیا اور جو دل کی حیات والے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر بدن کی حیات ختم بھی ہو جائے پھر بھی قبروں میں ان کی حیات برقرار رہتی ہے۔

دل کی حیات وحی کے نور سے ہے

اس واسطے حیات کے اس فلسفے کو سمجھنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ بدن میں روح ہے، بدن کی حیات روح سے ہے اور روح کی حیات وحی الٰہی سے ہے

سورۃ النحل: آیت نمبر ۹۷

جس نے نیک کام کئے وہ مرد ہو یا عورت مومن ہو تو ہم اس کو حیاۃ طیبہ سے زندہ کرتے ہیں، ہم اس کو حیاۃ طیبہ دیتے ہیں۔

اب یہ حیاۃ طیبہ وہ ہے کہ جو اس کے اندر روح کی ایک زندگی آجاتی ہے جس کی وجہ سے باقی جو زندہ لوگ ہیں ان سے ایک امتیاز مل جاتا ہے اور جو زندگی

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ

میں ذکر کی گئی ہے وہ زندگی جس میں انسان اور حیوان دونوں مشترک ہیں، وہ زندگی حیوانوں میں بھی ہے۔ وہ زندگی انسانوں میں بھی ہے۔

اور وہ ایک جیسی ہے جیسے یہ چلتا ہے، حیوان بھی ارادے سے چلتا ہے۔ جیسے یہ کھاتا ہے حیوان بھی کھاتا ہے۔ وہ زندگی کوئی شرف والی نہیں وہ بکری میں بھی ہے وہ گائے میں بھی ہے، وہ بیل میں بھی ہے۔ وہ گدھے میں بھی ہے۔ لیکن جس زندگی کی میں شان بیان کرنا چاہتا ہوں یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ انسان ہی کو عطا فرماتا ہے اس زندگی کا حصہ بکری کو نہیں ملا اس زندگی کا حصہ گائے کو نہیں ملا اور یہ وہ زندگی ہے کہ جس نے وہ بوجھ اٹھائے ہیں جو بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا

سورۃ الاحزاب: ۷۲

بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔

روح کے ساتھ۔

روح دے کر فرشتوں کو پیغمبروں کے پاس بھیجتا ہے۔ تو اب یہاں سے پتہ چلا کہ اللہ کی طرف سے جو وحی آتی ہے اس وحی کو بھی ایک روح کہا جاتا ہے اور وہ روح کونسی ہے جو روح انسانی بدن کی روح کی روح ہے چونکہ ایک تو بدن انسان کے اندر روح ہے جس کی وجہ سے بدن کو ہم زندہ کہتے ہیں کہ نبض چل رہی ہے۔ بدن زندہ ہے مردہ نہیں۔ اس میں ایک روح ہے اور پھر روح کی ایک روح ہے کہ جس کی وجہ سے روح کو زندگی ملتی ہے تو جس کی وجہ سے روح کو زندگی ملتی ہے اس روح کو قرآن مجید کہا جاتا ہے۔

بدن کے لئے روح ضروری ہے اور روح کے لئے وحی (نازل شدہ) ضروری ہے روح کے لئے پھر قرآن مجید کی ضرورت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے روح کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

خلاصہ بن کے یہ سامنے آ گیا کہ انسان کی ایک زندگی اس روح سے ہے اور پھر دوسری زندگی روح کی روح سے ہے جو ظاہری ہے اس کا مدار روح پر ہے اور جو حقیقی زندگی ہے اس کا مدار روح کی روح پر ہے۔ روح کی روح سب سے اہم چیز ہے۔

حیاۃ طیبہ

جس وقت ایک بندہ زندہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے ایک ہیشگی کی زندگی عطا فرما دیتا ہے۔ یہ ہے جو دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

سورۃ النحل: ٦٥

اللہ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا۔

پھر کیا کیا:

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

تو پھر اللہ نے زمین کے مرجانے کے بعد زمین کو زندہ کر دیا۔

پتہ چلا کہ زمین پر موت آگئی تھی جب بنجر پڑی ہوئی تھی، ویران تھی، اس کے دامن میں کوئی سبزہ نہیں تھا، پھول نہیں تھے، تو وہ بنجر تھی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا رب وہ رب ہے اگر اس کی قدرتیں دیکھنی ہیں تو سبزہ زار کو دیکھو گلزار کو دیکھو۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اللہ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا۔

تو کیا کیا:

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ زمین کو زندہ کیا۔

تو اس سے پتہ چلا کہ زمین کی بھی ایک زندگی ہوتی ہے، زمین کی بھی ایک حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان کر کے باقاعدہ دعوت تدبر دی ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ النحل: آیت نمبر ٦٥

زمین کی زندگی کا پتہ ان کو چلتا ہے کہ جن کے کان سننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میں نے آسمانوں سے کہا تھا کہ میری امانت کا بوجھ اے آسمانو! تم اٹھالو، زمین تو اٹھالے، اے پہاڑو! تم اٹھالو۔ فرمایا۔ سب نے معذرت کی کہ اے اللہ تیری امانت، ہم سے نہیں اٹھائی جاسکتی پھر کس نے اٹھائی، فرمایا:

حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

انسان نے وہ امانت اٹھالی ہے۔

تو انسان کی یہ زندگی ہے جس کی وجہ سے اس نے وہ بوجھ اٹھائے جو پہاڑوں کی دسترس میں نہیں تھے۔ جس بوجھ کو برداشت کرنے کی پہاڑوں میں طاقت نہیں تھی۔ پہاڑوں کے اندر پاور نہیں تھی۔ اس حقیقی زندگی میں وہ پاور ہے جس کی بنیاد پر انسان نے اللہ کی سب سے بڑی امانت کا بوجھ اٹھالیا ہے۔

اقسام زندگی

اب دیکھئے جس وقت ہمارے لئے قرآن مجید میں واضح زندگی کے درجات کی شکل موجود ہے تو اس سلسلہ میں ہم جس وقت توجہ کرتے ہیں تو زندگی کی مختلف مزید اقسام سامنے آتی ہیں:

1- زمین کی زندگی

سب سے پہلی زندگی قرآن مجید کی آیات کے لحاظ سے وہ کونسی زندگی ہے وہ زمین کی زندگی ہے تو زمین میں بھی ایک زندگی ہے۔ ایک قسم life کی زمین میں بھی ہے۔ جس کو ہم جامد اور بے جان کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

کرنا نہیں تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ جو رب اتنی دور سے پانی بھیج کے تمہارے سامنے نظر آنے والی زندگی کو انقلاب آشنا کر سکتا ہے، اس نے لوح محفوظ سے تمہارے دلوں کی زمین کے لئے بھی پانی بھیجا ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے اجڑے دیار گلشن بن جاتے ہیں اور بنجر زمین سبزہ زار بن جاتی ہیں تو پھر اللہ کی قدرتوں پر یقین رکھو۔ اس نے جو لوحِ محفوظ سے قرآن و سنت کا پانی نازل کیا ہے، یقیناً یہ تمہارے دلوں کی کھیتی کو بھی بہار آشنا کر سکتا ہے۔

2- زندگی بمعنیٰ نشو ونما

زندگی کی دوسری قسم زندگی بمعنیٰ نشو ونما ہے۔ بڑھنا یہ زندگی کی دوسری قسم ہے اور یہ زندگی نباتات اور حیوانات دونوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ نباتات بھی نامی ہیں، بڑھتے ہیں اور حیوان بھی نامی ہیں، وہ بھی بڑھتے ہیں۔

دونوں غذا کا استعمال کرتے ہیں۔ غذا کے استعمال کے ساتھ دونوں میں نشو ونما ہوتی رہتی ہے روح حیوانی حیوانوں میں ہے اور نباتاتی احساس نباتات میں ہے۔

لیکن اس کے بعد وہ مسلسل ایک غذا استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کے وجود میں نشو ونما ہوتی ہے اور وہ مسلسل چلی جاتی ہے اور اس میں نشو ونما با قاعدہ نظر آتی ہے تو یہ بھی ایک زندگی ہے کہ اس میں زندگی پہلے موجود تھی لیکن اس کے بعد جوں جوں غذا کا استعمال ہوتا رہا، نباتات کی اپنی غذا ہے، حیوانوں کی اپنی غذا ہے۔ وہ غذا پاتے گئے تو نشو ونما آتی گئی تو یہ زندگی کی دوسری قسم ہے کہ زندگی

سننے والوں کو یہ آیت جب سنائی جائے گی تو ان کو اللہ کی قدرت کا پتہ چلے گا کہ وہ رب زمین کو زندہ کیسے کرتا ہے۔ کس انداز میں اس نے زمین کو یہ شان دی ہے کہ وہ خود جامد ہے لیکن اس سے ایک ایسی چیز وصول ہوتی ہے جس میں نباتاتی روح موجود ہوتی ہے۔ وہ نباتات کے لئے ایک ماں کا کام کرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اس میں کتنی شامل ہیں کہ وہ زمین کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نرمی رکھی ہے، ایسی شفقت رکھی ہے، اتنا پیار رکھا ہے کہ اس کے ظلمت کدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نگہبانی کا پورا سیل قائم کر رکھا ہے کہ لوگ بے جان اس کے سپرد کرتے ہیں۔ تو وہ لوگوں کے لئے ابھرتا ہوا ایک سبزہ پیش کر دیتی ہے اور یہ انداز اصل میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ہے جو کہ زمین میں بھی حیات پھونکنے والا ہے اور اس حیات کو عام کرنے والا ہے۔ اسی کا یہ منظر ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کے پچھم سے باد سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں کہ اس نے آسمان سے اتنی دور سے پانی بھیجا ہے اور اس پانی کو بھیج کر زمین کو زندہ فرما دیا ہے۔ اصل میں مقصود زمین کی زندگی کو بیان

ہے یہ اور حیاۃ کے لئے ہے وہ کیا ہے کہ حیاۃ بمعنی احساس، حیاۃ بمعنی حرکت ہے۔ تو اس کے لئے باقاعدہ غذا استعمال کی جارہی ہے اور اس کی وجہ سے اس پر حیاۃ کے اثرات بھی نظر آرہے ہیں اور باقاعدہ طور پر اس کا جسم حیاۃ کے ساتھ واصل ہے، اس انداز سے کہ اس نے جن حواس کو استعمال کرنا ہے، حرکت کرنی ہے، ان کے لئے اسے باقاعدہ غذا کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کی بنیاد پر حیاۃ کے اثرات دوسروں کو نظر آتے ہیں۔

4- زندگی بغیر کھانے پینے کے

حیاۃ کی چوتھی قسم یہ ہے کہ وہ زندگی جو کھانے پینے کے بغیر ہوتی ہے یہ بھی ایک مستقل حیاۃ ہے یہ کونسی حیاۃ ہے؟

یہ فرشتوں کی حیاۃ ہے اور ارواح مفارقہ کی حیات ہے۔ انسانی بدن سے جب روح نکل جائے تو اس روح میں بھی تو حیات ہوتی ہے اور جب اعلیٰ علیین پر اس روح کو جگہ دے دی جائے، اللہ کے عرش کے ساتھ تو پھر بھی اس روح میں ایک حیات موجود ہے تو یہ حیات نہ کھانے کی محتاج ہے، نہ پینے کی محتاج ہے اور یہ فرشتوں کی حیات بھی تو ایک حیات ہے تو اس میں کسی طرح کی بھی یہ صورتحال نہیں ہے کہ جس میں کوئی غذا کی احتیاجی ہو۔ لہٰذا قرآن میں مستقل طور پر اس حیات کا تذکرہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

وہ تسبیح کرتے ہیں رات کے وقت بھی اور دن کے وقت بھی۔

بمعنی نشو ونما۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ الانبیاء: آیت نمبر ۳۰

ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا ہے۔

پانی سے ہم نے کیا بنایا سبزی اور سبزہ اور اس میں جتنے فروٹ ہیں۔اصل میں جو کچھ ہے پانی ان میں موجود ہے اور ہر فروٹ میں پانی کا ایک تناسب ہے اور اس کے علاوہ حیوانات بھی ہیں۔تو اب یہاں پر جو زندگی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حیّ کا ذکر کیا تو اس سے مراد صرف حیوان نہیں ہیں اس سے مراد سبزہ بھی ہے، پھل بھی ہیں، کھیتیاں ہیں، سب کچھ اس میں ذکر ہوا ہے اور

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ

یہاں پہلے ان میں حیاۃ موجود تھی اور اس حیات میں جو نشو ونما ہے اس کو اللہ تعالیٰ حیاۃ سے تعبیر فرما رہا ہے، تو یہ حیاۃ کی دوسری قسم ہے۔

3- زندگی بمعنیٰ احساس وحرکت

زندگی کی تیسری قسم زندگی بمعنیٰ احساس وحرکت ہے۔

جس طرح ایک حیوان اپنی طبعی جسامت کو پہنچ جاتا ہے۔ایک بندے کا قد پانچ فٹ ہونا تھا یا چھ فٹ ہونا تھا، اتنا ہو گیا ہے اس کے باوجود بھی وہ غذا استعمال کرتا ہے تو اب یہ غذا اس کی نشو ونما کے لئے نہیں۔بلکہ اس حیات کے لئے ہے جو بمعنی احساس وحرکت ہے۔

چونکہ اسکا قد اور جسامت جس قدر ہونی تھی، وہ ہو چکی ہے اس وقت جو غذا

جس کا ان چیزوں پر ایمان ہے تو اس کے دل میں علم موجود ہے اور یہ وہ حیات ہے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ نے بیان کر دی کہ ابوجہل صرف جہل ہے، اور سراسر جہل ہے، اس کا دل جہالت سے بھرا ہوا ہے، وہ مردہ ہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ زندہ ہو چکے ہیں، اس واسطے کہ اس کو ایک دائمی علم کا تحفہ عطا کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بیان کا تذکرہ کیسے فرمایا۔ سورۃ یٰس میں قرآن کا جب تعارف کرایا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

یٰس: آیت نمبر ۶۹۔۷۰

یہ ذکر ہے اور یہ قرآن مبین ہے تا کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو۔

قرآن مردہ کو نہیں ڈراتا تو اس سے پتہ چلا کہ قرآن حیات پرکھنے کا ایک تھرمامیٹر بھی ہے۔ اگر حقیقی حیات کو چیک کرنا ہو کہ کہاں ہے کہاں نہیں ہے، تو اس بندے کے سامنے قرآن پڑھو اگر وہ قرآن سن کے ڈرے تو سمجھو زندہ ہے اور اگر قرآن سن کے بھی بھگوڑا رہے تو وہ مردہ ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

یہ ذکر اور قرآن ہے، یہ صرف زندہ کو ڈراتا ہے۔

تو قرآن کو پہلے روح کہہ کے زندگی کہا گیا اور پھر زندگی چیک کرنے کا آلہ بھی بنا دیا گیا کہ یہ تمہارے پاس معیار ہے، تم اگر پرکھنا چاہو کہ کون زندہ ہے اور کون مردہ ہے اس کے سامنے قرآن پڑھو، اگر ایک شخص نماز چھوڑتا ہے، نماز نہیں پڑھتا تو

اوران کاانداز کیا ہے۔فرمایا:

لَا یَفْتُرُوْنَ

سورۃ الانبیاء: ۲۰

سستی نہیں کرتے۔

کبھی ان کو تھکاوٹ نہیں ہوتی کبھی انقطاع نہیں ہوتا۔اب یہاں پر حیات ہے لیکن اس حیات کے لئے ان کو نہ کھانے کی ضرورت ہے نہ پینے کی ضرورت ہے۔ایک اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی غذا ہے جوان کوملتی رہتی ہے تو وہ زندہ ہیں۔لہٰذاوہ بھی ذہن میں حیات کا ایک تصور رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی حیات بھی کچھ احیاءکوعطافرمائی ہے کہ جس کی وجہ سے ان کا نظام زندگی بغیر کھانے پینے کے مسلسل چلتارہتا ہے۔

5- حیاۃ بمعنی علم

زندگی کی پانچویں قسم حیاۃ بمعنی علم ہےاور حیاۃ بمعنی اولوالہمت ہونا ہے۔

یہ وہ قسم ہے کہ جس میں بڑے سے بڑے ارادے کی جلوہ گری حیات میں ہوتی ہے اور یہ قسم جہالت کے مقابلے میں ہے کہ یہاں پر مردہ جاہل کو کہا جائے گا عالم کونہیں کہا جائے گا اور عالم سے مراد یہاں پر کیا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے ہونے کا علم ہےاور جو نبی ﷺ کی رسالت کا علم رکھتا ہے،جس کوآخرت کا پتہ ہے۔آخرت پر یقین ہے فرشتوں پر یقین ہے۔جس کوتم ایمان کی شکل میں پڑھتے ہو ایمان مجمل کہتے ہیں یاایمان مفصل کہتے ہو۔جس بندہ کواس کا مطلب آتا ہےاور

لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے، کہنے لگے:

يَابُنَيَّ جَالِسِ الْعُلَمَاءَ

اے میرے پیارے بیٹے! علماء کے پاس بیٹھا کرو۔

وَزَاحِمْهُمْ بِرُكْبَتِكَ

اور ان کے سامنے اپنے زانو بچھا دیا کرو، ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کرو۔

کیوں؟

فَإِنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْقُلُوْبَ بِنُوْرِ الْحِكْمَةِ

اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو حکمت کے نور سے زندہ کرتا ہے۔

اور حکمت تمہیں حق والوں سے ملے گی اے میرے بیٹے! تم علماء کے پاس بیٹھنا اگر تم ان کے پاس بیٹھو گے تو دل زندہ رہے گا، دل مردہ نہیں ہوگا۔ حضرت لقمان کی جو بڑی حکمت افروز باتیں ہیں وہ انہوں نے مثال دے کر بیان کی، کہنے لگے:

كَمَا يُحْيِ الْأَرْضَ بِوَابِلِ الْمَطَرِ (کتاب الزہد، امام احمد: ۱۰۷)

جس طرح بنجر زمین پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے تو وہاں پر بھی سبزہ اگ آتا ہے ایسے ہی علماء کی محافل میں دین کی روح کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے اگر تم وہاں بیٹھو گے تو تمہارا دل مردہ نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو زندگی عطا فرما دے گا۔

یہ حیات کا معنی بڑا ہی عجیب معنی ہے۔ یہاں سے فرق کا واضح پتہ چلتا ہے کہ ایک کافر چلتا پھرتا مردہ اور مومن زندہ ہے کیونکہ کافر اپنی زندگی میں حیوانوں

اس کے سامنے قرآن پڑھو اور اسے نماز کی تلقین کرو اگر وہ ڈر گیا تو سمجھو کہ وہ زندہ ہے اور اگر نہ ڈرا تو سمجھو کہ وہ مردہ ہے۔

ایسے ہی ایک شخص شراب نوشی کرتا ہے اس کے سامنے قرآن پڑھو اگر وہ ڈرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو پھر وہ زندہ ہے اور اگر نہیں کرتا تو پھر حقیقی زندگی سے محروم ہو چکا ہے، وہ چلتا پھرتا مردہ ہے۔ تم دیکھتے ہو ایک شخص میوزک کا دھنی ہے، عریانی فحاشی کا پتلہ بنا ہوا ہے۔ تم اس کے سامنے آیات قرآن پڑھتے ہو، اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو اس پر افسوس نہ کرو اسے مبارک باد دو کہ بھائی تیری تو زندگی ثابت ہو گئی ہے، تو تو زندہ انسان ہے، تو زندہ دل ہے، تیرے دل میں روح موجود ہے، تیرے دل میں حیات کی رمق موجود ہے اور اگر کوئی شخص سب کچھ سنتا ہے لیکن جھاڑ کے چلا جاتا ہے اور اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو یہ شخص ایسا ہے کہ جسکی حیات مخدوش ہے۔

حیات کی اس قسم سے فضیلت والی حیات شروع ہو گئی ہے اور یہاں سے پھر آگے درجات بنتے جائیں گے۔ آگے فضیلت والی حیات کی مختلف اقسام آئیں گی۔

یہ ایک انقلاب ہے کہ جس کے دل میں اللہ کی معرفت ہے اور نبی ﷺ کی پہچان ہے، دین اسلام کے فرائض کا علم ہے اس بندے کو قرآن مجید نے زندہ قرار دے دیا ہے۔ اگر چہ وہ صحت کے اعتبار سے کتنا لاغر کیوں نہ ہو، یہ زندہ ہے۔

دوسری طرف ایک ہٹا کٹا کافر کتنا ہی صحت مند کیوں نہ ہو وہ مردہ ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی زندگی اپنی معرفت کے نور کو قرار دے دیا ہے۔ حضرت

چلوں، جیسے اسے آخرت کی کوئی فکر نہیں، ایسے ہی کافر کو بھی آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے تو دونوں کھانے پینے میں چلنے پھرنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، حرکت کرنے میں ،ایک جیسے ہوئے۔

دونوں حرکت کرتے وقت نہیں سوچتے کہ میرا جو قدم اٹھا ہے اس سے میرا رب بھی خوش ہوا ہے کہ نہیں ہوا۔ جو اس طرح کی حرکت کرے اور اللہ کی مشیت کو سامنے نہ رکھے اللہ اس کی حرکت کو زندگی نہیں کہتا، اللہ اس کو زندہ کہتا ہے کہ جو ہر حرکت سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ میرے رب کو یہ حرکت کیسی لگے گی، جو اس امتیاز والا ہو اس کو شریعت نے زندگی کا حامل قرار دیا ہے۔ آخرت سے غافل ہونے کی وجہ انسان حیوان بن گیا، بلکہ حیوانوں سے بھی برا ہو گیا:

بَلْ هُمْ اَضَلُّ

بلکہ یہ آخرت کی فکر نہ کرنے والے جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اس واسطے کہ انہوں نے آخرت کو پیش نظر نہیں رکھا اور زندگی یہ ہے کہ ہر کام کرتے وقت آخرت پیش نظر ہو۔ یہ دنیا کے نشے کے اندر مست ہو گیا کبھی اس کو آخرت کی فکر نہیں ہے تو اس نے اپنی زندگی کھو دی ہے، زندگی لٹا چکا ہے۔

اب دیکھئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس الجھن کو جو ایک انسان کی ہے جو دنیا میں مست ہے اور اپنی حقیقی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ اس بندے کو سوچنا چاہئے:

لَوْ اَنَّ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى آخِرِهَا اُوْتِيهَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ ثُمَّ جَاءَهُ

سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا، اس کی زندگی میں اور ایک گدھے کی زندگی میں زندگی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ چہرہ اس کا انسانوں والا ہے اور گدھے کا چہرہ گدھے والا ہے، لیکن ان میں فرق کوئی نہیں ہے کس لحاظ سے؟

گدھا کھاتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ حلال ہے یا حرام ہے ایسے ہی کافر بھی کھاتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ حلال ہے یا حرام ہے۔

اور مومن اس لئے گدھوں سے ممتاز ہے کہ یہ صرف اس کا ٹیسٹ ہی چیک نہیں کرتا بلکہ یہ اس کی حلت وحرمت بھی دیکھتا ہے کہ جو لقمہ میرے پیٹ میں جارہا ہے یہ کہیں حرام کا لقمہ تو نہیں ہے۔ اب پتہ چل گیا کہ زندگی کا اہتمام کس میں ہے۔ کافر نے زندگی کے لئے کچھ نہیں کیا جس طرح گدھے نے کچھ نہیں کیا لیکن زندہ مومن ہے جو صرف پیٹ نہیں بھرتا بلکہ پیٹ بھرنے سے پہلے اس کی مہر چیک کرتا ہے کیا اللہ کی طرف سے حلت کی مہر لگی ہے یا نہیں اگر لگی ہے تو پھر میرے پیٹ میں یہ جا سکتی ہے اگر نہیں تو پھر نہیں جا سکتی۔ لہٰذا مومن نے فرق ظاہر کر دیا کہ میری وہ زندگی نہیں جو گدھے کی زندگی ہے، گدھے کی زندگی کافر کی زندگی ہے اور مومن کی زندگی اس کی زندگی سے بالکل ممتاز ہے۔

اس واسطے کہ وہ حیوانیت والی زندگی ہے اس میں گدھا اور کافر برابر ہیں۔ اگرچہ کافر میں عقل کی صلاحیت ہے، گدھے میں نہیں ہے۔ یہ فرق تو ہوگا لیکن باقی جو آداب تھے وہ یہی ہے کہ گدھا کھاتا پیتا ہے تو اس لئے نہیں کہ میری آخرت سنور جائے، آخرت میں مجھے گرفت نہ ہو۔ میں محتاط ہو کے کھاؤں اور میں محتاط ہو کے

حالت میں گزارتا ہے اور جو شخص غافل ہو گیا ہے وہ حقیقی زندگی سے فارغ ہو چکا ہے لہٰذا پھر اس کو ساری زندگی خواب و خیال لگتی ہے لیکن مومن کی زندگی جو بیداری میں گزری ہے تو اس کی ہر ہر نماز سامنے ہوتی ہے، ہر روزہ سامنے، حج زکوٰۃ سامنے، صدقہ وخیرات سامنے، سب اس کے سامنے ہوتا ہے، لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ واضح کررہے تھے کہ انسان کو ایسے خواب نہیں دیکھنے چاہئے۔ اس کو زندہ رہ کے زندہ دلی سے زندگی گزارنی چاہئے اور جس زندہ دلی کو اسلام زندہ دلی کہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو حیوانوں کے دلوں سے محفوظ کر کے اور ممتاز کر کے رکھے۔

6- حیاۃ بمعنی اخلاق حمیدہ

زندگی کی چھٹی قسم حیاۃ بمعنی اخلاق حمیدہ ہے۔ اچھے اخلاق کی بھی ایک زندگی ہے۔

ایک عام انسان جو مومن اور نارمل سا ہے وہ بھی زندہ ہے لیکن ایک وہ ہے کہ مومن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر ہر اچھی خصلت بھی پائی جاتی ہے، اخلاق حمیدہ اس کے اندر موجود ہیں تو جس قدر بندے کے اندر اخلاق اچھے ہوں گے اس قدر بندے کی زندگی مضبوط ہوگی۔ اس واسطے کہ ابن قیم نے مداراج السالکین میں لکھا کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی سب سے اکمل زندگی ہے۔ کیوں؟

اس لئے کہ ان کے اخلاق سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام میں صدق وصفا ہے، حیا وشرف ہے اور حقوق اللہ وحقوق العباد کا تحفظ ساری چیزیں اور اچھے درجے کے اخلاق ان کے اندر موجود ہیں تو پھر ان کی زندگی بھی بڑی

الْمَوْتُ لَكَانَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ رَاٰى فِيْ مَنَامِهٖ مَا يَسُرُّهٗ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَاِذَا لَيْسَ فِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ

مدارج السالکین: ۱۹۳/۳

دنیا کی زندگی میں جو مست ہو کے آخرت کو بھولتا ہے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا اس کی مثال یوں سمجھ لو۔

اگر ایک بندے کو پوری دنیا سمیٹ کے اس کی مٹھی میں دے دی جائے ساری دنیا میں مشرق و مغرب تک اسکی حکومت ہو شمال و جنوب تک اس کی سلطنت ہو۔ وہ پوری کائنات کو سٹیٹ کے طور پر اپنی مٹھی میں بند کر لے اور اس کے بعد اس کی موت کا وقت آجائے تو وہ اس پوری زندگی میں اس کو جو دنیا ملی تھی اس کو کیا سمجھے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صرف اتنا سمجھے گا کہ جس طرح کسی نے سوئے ہوئے خواب دیکھا تھا۔ سوئے ہوئے اس کو بڑی اچھی چیز نظر آئی تھی جسے دیکھ کر بڑا خوش ہو گیا کہ مجھ بہت کچھ ملا لیکن جونہی آنکھ کھلی تو ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔

لَيْسَ فِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ

ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔

فرمایا جیسے وہ شخص محروم ہے اور اس کے پاس کچھ بھی نہیں، ایسے ہی وہ بندہ بطور فرض جس کو پوری کائنات سمیٹ کے اس کی مٹھی میں دے دی جائے۔ مرتے وقت اس کو یوں ہی لگے گا جیسے خواب ہی تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

تو مومن وہ ہوتا ہے جو اپنی زندگی خواب کی حالت میں نہیں بلکہ بیداری کی

رہا ہے بالخصوص اعلی مراتب کے لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یُرْزَقُ

ان کو اللہ کی طرف سے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے:

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا

کہ میری زندگی مستعار ہے ادھاری ہے، میرے پاس پکی تو ہے نہیں اور اے اللہ! تو پائیدار اور میں ناپائیدار، یہ ان کا انداز تھا۔ اگرچہ لفظ پائیدار اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولا نہیں جا سکتا، انہوں نے اردو ادب کے لحاظ سے مجازاً استعمال کر دیا۔

وہ عشق جس کی شمع کو بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزہ نہیں تپش انتظار کا

کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا

اللہ تعالیٰ سے ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ عرض کر رہے تھے کہ میں عشق تو چاہتا ہوں اور تیری ذات کے ساتھ کرتا ہوں مگر میں تیری ذات کے ساتھ پورا کیسے آ سکتا ہوں۔ میرے اس عشق کی شمع کو موت پھونک مارے گی تو بجھ جائے گی تو پھر کیا بنے

پائے کی ہوتی ہے اور کیسی پائے کی ہوتی ہے، میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ

فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ

مشکوۃ شریف:۱۲۱

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، پس اللہ کے نبی زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔

پھر اللہ نے نبیوں کو یہ شان دے دی ہے جب اخلاق حمیدہ والی زندگی ان کی کامل درجے کی ہوگئی ہے تو قبر کی مٹی ان کے بدن کے قریب تو کیا کفن کے قریب بھی نہیں جاتی اور اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ زمین ان کے جسم کو کھا نہیں سکتی۔

فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ

اللہ کے نبی کو قبر میں حیات بھی دی جاتی ہے اور رزق بھی دیا جاتا ہے۔

اب یہ کس بنیاد پر ہوا کہ جس وقت اخلاق حمیدہ والی چھٹے نمبر کی جو زندگی ہے اس میں انہوں نے کمال پالیا۔ اپنے بدن میں اور اپنے دل میں، اپنے اندر ایسے خصائل کو انہوں نے رکھا جو کامل درجے کے خصائل تھے تو جس قدر بندے کا اخلاق عمدہ ہوتا ہے، اتنی اس کی حیات مضبوط ہوتی ہے، زندگی پاورفل (Powerfull) ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ جس وقت باقی لوگ مرتے ہیں یہ اس وقت بھی زندہ ہوتے ہیں۔ اس انداز کی زندگی ان کو مل جاتی ہے جس کی وجہ سے قبور کے اندر بھی ان کو اللہ تعالیٰ یہ شان دے

جس وقت بظاہر موت کی گھڑی ہوگی۔ حقیقت میں بڑی حیات کا آغاز ہورہا ہوگا اور اس انداز میں وہ قبر میں جا کر تخم گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب رہے گی، جاگتی رہے گی اور اس کو یہ محسوس ہوتا رہے گا کہ میرا رب سے تعلق ہے اور میرا رب اب بھی اپنے کرم سے نواز رہا ہے۔

7- حیاۃ بمعنی فرح وسرور

زندگی کی ساتویں قسم حیات بمعنی فرح وسرور ہے اور یہ سب سے اونچی حیات ہے۔

جو انبیاء علیہم السلام کی ہے پھر درجہ بدرجہ نیچے آتی ہے۔ شہداء، صالحین، اولیاء ان سب کو یہ حیات ملتی ہے۔ یہ بہت عمدہ حیات ہے۔

اس میں ہوتا کیا ہے۔ اس میں پہلے وہ ساری صفات موجود ہیں کہ دل بھی زندہ ہے دماغ زندہ ہے، سوچ زندہ ہے اور پھر اس کے پاس اخلاق حمیدہ ہیں۔ نور ایمان ہے سب کچھ ہے لیکن اب کیا ہوا اس کو اس ذات کا اتنا قرب ملا جو حی وقیوم ہے۔

تو حی وقیوم کے دربار کے جو قریب ہوتا ہے اسکو حیات بھی عجیب درجے کی مل جاتی ہے۔ بادشاہوں کے قرب میں جو رہتے ہیں ان کو بادشاہوں کا بچا ہوا ملتا ہے اور رب ذوالجلال کے قرب میں جو آباد ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حیات کے جلوے ان پہ پڑتے ہیں اور پھر ان کی صورت حال کیا ہوتی ہے، رب ذوالجلال خود فرماتا ہے، حدیثِ قدسی ہے:

مَايَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ

گا، کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

اب یہ اقبال کی تمہید تھی جب ان کی سوچ چلی تھی اور یہ درمیان میں الجھن آگئی اب میں کروں تو کیسے بیان کروں، عشق کروں تو کیسے کروں لیکن چلتے چلتے جب ان کی دانش حجاز کی دہلیز پہ پہنچی تو پھر خاک حجاز سے اور طیبہ نگر سے ان کو یہ پیغام مل گیا کہ اس بندہ مومن میں بھی ایک حیات جاوداں آسکتی ہے اور کس انداز میں آسکتی ہے، اقبال خود کہنے لگے:

تخم گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو ونما کے واسطے بے تاب ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہوسکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
پھول بن کے اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قباء زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں یہ اپنی کمند
موت تجدید مذاق کے زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

اب پہلے یہ تھا کہ موت آجائے گی ایک عشق کی شمع پر موت پھونک مارے گی تو کچھ بھی باقی نہیں بچے گا، تو یہ ناپائیدار تجھ سے عشق کیسے کر سکے اور پھر سمجھ آئی کہ وہ

مشکوٰۃ: ۱۹۷

اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو سوال کے مطابق عطا بھی کر دیتا ہوں۔

اب اس حیات کو میں کیوں کہہ رہا ہوں کہ یہ سرور والی ہے کہ حیات وہ حیات جو اللہ کے پڑوس میں ہو اور رب کے قرب میں ہو اور پھر کیسا قرب۔ اللہ فرماتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں۔ یہ لفظ ہیں۔

میں خود اس کی آنکھیں بنتا ہوں، میں خود اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں یہ تو آگے ہم تاویل کر رہے ہیں کہ اللہ کی قدرت ہاتھوں میں آجاتی ہے، اللہ کی قدرت اس کی آنکھوں اور کانوں میں آجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری قدرت سب کچھ بندے کا بن جاتی ہے۔ اب اس بندے کو اور کیا چاہئے جس بندے کے کانوں میں اللہ کا جمال موجود ہو اور جس کی آنکھوں میں رب کا جلال موجود ہو اور جس کے ہاتھوں میں اللہ کا اختیار موجود ہو۔ اب یہ شان ہے۔ کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِيْ تَحْتَ حُكْمِيْ
وَوَقْتِيْ قَبْلَ قَلْبِيْ قَدْ صَفَالِيْ
نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا
كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِيْ

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بیٹھا تو بغداد میں ہوں لیکن دیکھتا پورے جہان کو ہوں اور پوری کائنات پر میرا حکم چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے

میرا بندہ نوافل پڑھ پڑھ کے میرے قریب ہوتا ہے اور جب وہ قریب ہو جاتا ہے تو پھر کیا ہوتا ہے۔

حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ

یہاں تک کہ وہ میرا پیارا ہو جاتا ہے۔

جب وہ پیارا ہوتا ہے تو پھر کیا ہوتا ہے۔ فرمایا پھر یہ ہوتا ہے:

کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ

کان اس کے ہوتے ہیں سننے کی طاقت میری ہوتی ہے۔

وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ

آنکھیں اس کی ہوتی ہیں، دیکھنے کی طاقت میری ہوتی ہے۔

وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا

ہاتھ اس کے ہوتے ہیں، پکڑنے کی طاقت میری ہوتی ہے۔

وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا

اور قدم اس کے ہوتے ہیں لیکن اس قدم میں جو سفر کرنے کی وسعت ہے وہ میری ہوتی ہے۔

پھر فرمایا:

وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّھَا

اور وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ دے دیتا ہوں۔

وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ

اور جو ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔

وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً

مشکوٰۃ: ۱۹۶

اور جو میری طرف پیدل چل کے آئے میں اس کی طرف دوڑ کے آتا ہوں۔

اب وہ دوڑنے سے پاک ہے وہ دور سے قریب ہونے سے پاک ہے۔ وہ تو شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ظاہر کیا کرنا چاہتا ہے؟ کہ میرے قرب کی جزاء میرا قرب ہے۔

جو میری طرف آئے تو اس کو آگے قرب میری طرف سے ملے گا جو میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر کروں گا جو میرا قرب حاصل کرے میں اسے اپنا قرب دوں گا۔ اب یہ جو قرب حاصل کر رہا تھا کس سے، نفل پڑھ پڑھ کے، تو یہ اعمال کے لحاظ سے قرب تھا اور چلتے چلتے ہوا کیا۔ کہ اس کی روح اللہ کے قریب ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف عمل کر کر کے بڑھ رہا تھا تو عمل کے لحاظ سے جو متقرب بنے اس کی یہ شان بیان کی کہ وہ ایک بالشت آئے تو میں ایک گز اس کے قریب جاتا ہوں اور جو روح کے لحاظ سے اللہ کا قریبی بن جائے۔ بتاؤ اللہ نے اس کو کیسی لذت عطا فرمائی ہوگی۔

اعمال کے قرب پر ادھر سے یہ بیان ہوا کہ بالشت پر گز اور گز پر دو گز تم پیدل چل کے آؤ میں دوڑ کے آؤں۔

یہ اعمال صالحہ پر قرب تھا اور جس نے روح کو اللہ کے قریب آباد کر لیا اور اللہ کی طرف اپنی روح کو، وجد و سوز، شوق اور ذوق سے اور پیار سے لگا لیا، اللہ کی طرف

ایسی حیات دے دی ہے اب یہ ہے مزے کی زندگی۔ بندہ زندہ ہو تو وہاں جو زندگی پیدا کرنے والے کا دربار ہو، اس لئے یہ حیات فرح وسرور کی ہے کہ جس میں بندہ جب پہنچ گیا ہے تو اس کی زندگی ساری زندگیوں سے ممتاز ہو گئی ہے۔ اس میں مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے جو کچھ کرتا ہے اللہ اسی طرح کی اس کو جزاء دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

البقرہ: ۱۵۲

تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

اس میں ذکر کے مقابلے میں ذکر ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اگر چہ ہم کہہ دیں گے کہ اللہ اس کا چرچا کر دے گا اللہ کی طرف سے اس کو بہاریں مل جائیں گی لیکن لفظ برابر کا بولا،

تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

اب فرمایا تم جب میرے قریب آؤ گے تو اس کا عوض بھی میری طرف سے وہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْراً تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعاً

جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔

وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا

متشابہ لگا تھا نہ کوئی غلطی تھی بالکل ساری صحیح صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سن لی۔

حَتّٰی خَتَمَهَا

قبر کے قاری نے جب سورۂ ملک پڑھ لی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تعجب ہوا کیسے پڑھی، یہ ہوا کیسے۔ محبوب ﷺ کے پاس جا کے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے تو خیمہ لگایا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہاں کچھ بھی نہیں۔

اِذَا فِیْهِ اِنْسَانٌ یَّقْرَءُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ

ہم نے دیکھا اندر تو کوئی بندہ تھا زمین بند تھی مگر بندہ بولتا تھا، آواز آتی تھی زندہ بھی تھا، دماغ بھی صحیح تھا۔ حافظہ بھی بالکل درست تھا اور سورۃ الملک بالکل اس نے صحیح پڑھی ہے تو اس پر میرے محبوب ﷺ نے فرمایا تھا۔

هِیَ الْمَانِعَةُ هِیَ الْمُنْجِیَةُ تُنْجِیْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

مشکوٰۃ: ۱۸۸

یہ سورۃ الملک کا کمال ہے جو دنیا میں اس کو پڑھے قبر میں اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ عذاب کو روکتی ہے اور اس بندے کو عذاب سے نجات دیتی ہے۔

اب یہاں پر ہر آدمی کو یہ سن کے ایمان بالغیب رکھنا چاہئے کہ آپ ﷺ نے فرمادیا کہ لوگوں کی خاص حالتیں ہیں۔ زندگی کا ایک خاص فلسفہ ہے اور یہ نہیں ہے کہ سب کی ایک طرح کی زندگی ہو۔

یقیناً جو انداز ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کا قبر میں ہے وہ کسی کا نہیں ہے اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا ہے۔ پھر شہداء ہیں۔ پھر اولیاء کی درجہ بندی کے لحاظ زندگیاں ہیں۔ حفاظ کی اپنی حیثیت کے لحاظ سے زندگی ہے۔ سب ایک جیسے زندہ نہیں ہیں۔ لیکن ایک بدن کی زندگی کا انقطاع ہو رہا تھا تو ایک حیات ان کو نرالی عطا کی جا رہی تھی اس کو اگر آپ سمجھنا چاہیں کہ ہمیں مثال سے پتہ چل جائے تو

روح کو راغب کر دیا، اب اس حدیث کے مقابلے میں سوچو کہ اس کے جواب میں اسی طرح کی جزاء اللہ تعالیٰ اس کو کتنی بڑی عطا فرمائے گا۔

یہ ہے جو رب کے دربار میں زندہ ہے، یہ ہے وہ جس کی روح وہاں پہنچی ہے اب اللہ کی طرف سے ایک قرب اسکی روح کے لئے ہے اور وہ قرب جس کو کہتے ہیں کہ وہ حیات ولی ہے، حیات شہید ہے، حیات پیغمبر علیہ السلام ہے۔

اب جس کو اللہ کے دربار کی تجلی زندہ کرے اسے مردہ پھر کون کہے اس کی حیات کا انکار پھر کون کرے اور اس کی حیات کے جو کارنامے ہیں ان کا انکار کون کرسکتا ہے۔ یہ ساری صورت حال جو ہے اس کو اگر میں سمیٹنا چاہوں تو ایک بڑے خوبصورت طریقے سے اور ایک ہی مثال سے ساری بات کو واضح کر سکتا ہوں۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ تو قبروں میں ہیں۔ ہمیں کیا پتہ ہڈیاں ہیں یا کیا ہے، وہ زندہ ہیں تو کیسے ہیں اور اگر زندگی ہے تو کیا وہ زندگی کی لذت بھی حاصل کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے۔ وہ رزق استعمال کرتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں کیسے پتہ چلے گا ہم مان کیسے جائیں۔ اگرچہ ایمان بالغیب کی تو بڑی شان ہے۔

جس وقت محبوب ﷺ نے یہ بیان کر دیا تھا۔ جامع ترمذی میں یہ حدیث شریف موجود ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خیمہ لگایا تھا اور قبر سے قرآن کی آواز آئی تھی۔ زمین بند تھی اندر سے قرآن کی آواز آئی تھی۔ ایک دو آیات کی نہیں بلکہ پوری سورۂ ملک کی آواز آئی تھی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ساری سنی تھی اور صحیح سنی تھی نہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 7

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقیدت

میرے بھائیو!

اس کے بارے میں دیکھنا چاہئے جو شکم مادر میں ہے تمہیں نظر نہیں آتا۔ وہ بچہ جو ماں کے رحم میں ہے وہ زندہ ہے اور وہ لذت بھی اٹھاتا ہے، رزق بھی کھاتا ہے ، غذا بھی پاتا ہے۔ تمہیں نظر بھی نہیں آتا۔ اس کی زندگی کو مانا اور تسلیم کیا جاتا ہے تو جیسے بندہ پیٹ والی قبر میں ہے اس کے باوجود مرا ہوا نہیں، زندہ ہے اور زندگی اس لحاظ کی ہے کہ رزق بھی استعمال کر رہا ہے، اگر تمہارا چھوٹا سا بیٹا، جس نے ابھی باب عمل کھولا ہی نہیں، جس نے سیرت کا سبق ابھی پڑھا ہی نہیں اور جس نے قرآن و سنت کی روشنی کو جذب کیا ہی نہیں۔

اگر رب کی قدرت سے وہ اس قبر میں زندہ بھی ہے اور رزق بھی کھاتا ہے تو جس نے ساری زندگی اللہ کے جلوؤں میں گزاری ہو۔ بھلا وہ قبر میں کیسے مر جائے گا۔ اور اس کا کیسے انکار کیا جائے گا۔ وہ بھی اپنی قبر کے اندر ایک حیات رکھتا ہے۔ ہاں اس کا فلسفہ جدا ہے وہ علیحدہ ایک مستقل باب ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ نے جو حیات دی ہے تو عظمتوں والی سب سے بڑی حیات فرح و سرور ہے۔

اور یہ میرے رب کی قدرتوں کا کمال ہے کہ وہ خود تو حی و قیوم ہے ہی جو اس کے دربار کا قرب پالے اللہ تعالیٰ موت اس کو دیتا تو ہے، چکھاتا ہے مگر موت اس کو دباتی نہیں۔ وہ موت چکھ کے پھر بھی اللہ کے جلوؤں میں آباد رہتا ہے۔

تو حیات کا مفہوم اس لئے بیان کیا تا کہ یہ حیات جو سب سے بڑی ہے ہم اس کی طرف سفر جاری رکھتے ہوئے اپنی زندگی کو مکمل کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراطِ مستقیم کے اس نورفشاں پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے اور آج ہمارا موضوع ہے:

خلفائے راشدین علیہم الرضوان سے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقیدت

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

خالق کائنات جل جلالہ قرآن مجید برہان رشید میں سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۹ میں ارشاد فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

Muhammad is the Messenger of Allah

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

And those with him

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

Are hard against the infidals

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اَوْفُوْا عَهْدَهٗ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، واعظم شانہٗ، واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سید سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبین، احمد مجتبیٰ جناب محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

''تو میرا بھائی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی اور بھرپور کردار ادا کیا یہاں تک کہ اسلامی تاریخ کا سہرا اور اسلامی حرارت اور حمیت اور حماست کا مظہر غزوۂ بدر جو تھا اس میں 70 کافر مارے گئے تو ان ستر کفار میں سے اکیس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے کاٹا تھا۔ غزوۂ احد میں وہ بیس اہم صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کے پائے استقامت میں مشکل سے مشکل لمحات میں بھی لغزش نہیں آئی اور وہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ڈٹے رہے۔ ان میں سے ایک نام حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ اسی غزوۂ احد میں بیس کافر مارے گئے ان بیس میں سے سات کافر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیے تھے۔

غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدود جو مشرکین کی طرف سے ایسا پہلوان تھا، جس کو ایک ہزار کا مقابل سمجھا جاتا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عمرو بن عبدود کے دو ٹکڑے کر دیئے اور پھر فتح خیبر کا سہرا تو آپ کے سر ہی سجتا ہے۔

اس طرح دیگر بہت سے اہم مواقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمتوں اور فضیلتوں کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول مستدرک للحاکم میں موجود ہے۔

مَاوَرَدَ لِاَحدٍ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْفَضَائِلِ مَاوَرَدَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

مستدرک للحاکم: ۱۰۷/۳ سیر اعلام النبلاء: ۶۲۸/۱

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

And tender among themselves

کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر نہایت سخت ہیں اور آپس میں بڑے نرم دل ہیں۔

آج کے اس موضوع کے لحاظ سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات جو کے خود کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے جن لوگوں کو انہوں نے اپنا قائد مانا اور جن کی لیڈر شپ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ فخر کرتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے ہم ان لوگوں کا مرتبہ اور مقام جو ہے اس کو سننا اور سمجھنا چاہتے ہیں تا کہ یہ پتہ چلے کہ وہ مدینۃ العلم کے باب جن کو شیرِ خدا کہا جاتا ہے۔ جب ان کا مرتبہ اور مقام اتنا بے مثال ہے تو جو ان کے امام ہیں ان کا مقام و مرتبہ کتنا زیادہ ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ گلدستہ فضائل ہیں آپ کو خالق کائنات جل جلالہ نے ہمہ جہت مراتب اور عظمتوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ عطا فرمایا تھا۔ سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ نے مؤاخاتِ کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جب کہ آپ روتے ہوئے آ گئے اور کہنے لگے:

اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ

''یارسول اللہ ﷺ آپ نے اپنے صحابہ میں مؤاخات قائم کردی ہے اور مجھے تو کسی کا بھائی نہیں بنایا۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جامع ترمذی: ح: ۳۷۲۰

تو اب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی چوائس (choice) ہے اور ان میں سے عشرہ مبشرہ اور ان میں سے پھر خلفاء راشدین۔

اگر یہ ہمارے نبی ﷺ کا چناؤ ہوتا پھر بھی کوئی معمولی بات نہیں تھی پھر بھی ان سے عقیدت اور ان کی محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ضروری تھی لیکن یہ تو انتخاب ہی خالق کائنات کا ہے۔

خلفائے راشدین کی عقیدت کی وجوہات

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان خلفاء کی محبت میں مستغرق ہونا اور ان کی عقیدت کا علمبردار ہونا اس کی کئی وجوھات ہیں۔

پہلی وجہ

ان سب کو اللہ نے اپنی محبت کا محور بنایا ہے۔ رب ذوالجلال نے ان کو چنا ہے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی پسند ہیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی پسند ہیں۔

دوسری وجہ

جس وقت رسول اکرم ﷺ کی یہ پسند ہیں اور آپ ﷺ کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ نہایت ہی عظیم ہے تو واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہ طبعاً و شرعاً ضرور ہونا چاہئے تھا۔

تیسری وجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ جس راستے پر چل کے کاروان خلافت کو آگے بڑھانا

یعنی رسول اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ فضائل جن کے احادیث میں ملتے ہیں، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''

اور اس کا بھی ایک سبب تھا کہ یمن والوں نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض شکایات کرنا چاہیں تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے فضائل کو ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔ یہ سبب ہے کہ وہ فضائل اس قدر بیان کئے گئے۔

ایسے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قرآن مجید کی تین سو آیات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بالمعنیٰ یا براہِ راست بیان کرنے والی ہیں۔

یہ آپ کی زندگی کا فضائل کے لحاظ سے ایک تھوڑا سا تعارف تھا۔ آپ نے اپنی تعلیمات میں خلفاء راشدین کی جو عقیدت ظاہر کی ہے اور ان کا جو ادب لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور کیوں نہ ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینۃ العلم کے باب ہوں اور اس مدینۃ العلم کے اندر جن لوگوں نے روشنی حاصل کی ہو۔ ان حضرات کی عظمت کے آپ معترف نہ ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے اور جس وقت رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَ لِیْ اَصْحَابِیْ

مستدرک للحاکم: ۶۳۳/۳

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مجھے چنا اور میرے لئے میرے صحابہ کرام کو چنا۔''

وَ اَعْتَقَ بِلَالاً

اورانہوں نے میرے عاشق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پیسوں سے آزاد کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریر میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ان خدمات کو ایک ہی فرمان کے اندر بیان کر رہے ہیں، پھر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ

اللہ میرے عمر رضی اللہ عنہ پر بھی رحم کرے۔

یَقُوْلُ الْحَقَّ وَلَوْ کَانَ مُرَّۃً

جس کی شان یہ ہے کہ:

حق جتنا بھی کڑوا ہو ضرور بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حق کہتے ہیں، اگرچہ وہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔

پھر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ عُثْمَانَ

اللہ تعالیٰ میرے عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر بھی رحم کرے۔

تَسْتَحْیِہِ الْمَلَائِکَۃُ

ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

پھر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ عَلِیًّا

اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ بھی رحم کرے۔

چاہتے تھے اس راستے کو ان تین حضرات نے پہلے گزر کے سارے مصائب کو پیچھے ہٹایا تھا۔ اسلامی نظامِ حکومت کو آرگنائز کیا تھا اور روشن مینار قائم کئے تھے۔ اس لحاظ سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حضرات کو جو پہلے تین پیش رو ہیں۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کے ممنون بھی تھے اور ان کے محبّ بھی تھے کہ انہوں نے اس راستے میں ان کے لئے مثالیں قائم کی ہیں اور ان کے لئے کاروان خلافت کو آگے بڑھانا آسان بنایا ہے۔

سب سے پہلے فرمان رسالت اور زبان علی رضی اللہ عنہ کے انداز سے اس محبت کو سمجھنا چاہئے، یہ حدیث جامع ترمذی میں موجود ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اکرم ﷺ مجمع عام میں ارشاد فرما رہے تھے کہ:

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ

''اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔

ان کی شان کیا ہے۔

زَوَّجَنِی اِبْنَتَهٗ

انہوں نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ میری شادی کی۔

وَحَمَلَنِیْ اِلٰی دَارِ الْهِجْرَةِ

اور مجھے کندھوں پہ اٹھا کے مدینہ شریف کی طرف لے گئے۔

دار الہجرت کی طرف مجھے اٹھا کے لے گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے تو یہ ترتیب خلافت کی ترتیب بھی تھی، یہی خلافت فضائل کا میرٹ (merit) بھی ہے۔ خلافت فضیلت کے اوپر استوار ہوئی ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا کہ خود بیان کر رہے ہیں کہ پہلا نمبر اس امت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے، دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہے اور تیسرا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہے اور چوتھا نمبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

یہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کو روایت کر رہے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خود اپنے فرمودات بہت زیادہ ہیں۔ میں اختصار سے اور بڑے sectord ذخیرہ سے چند آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولیت

حضرت محمد بن عقیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے فرمان کو نقل کرتے ہیں۔ اس کو بزاز نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت محمد بن عقیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خطبہ دیا، فرمانے لگے:

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اَشْجَعُ النَّاسِ

''اے لوگوں یہ تو بتاؤ سب سے زیادہ شجاع کون ہے۔''

لوگو یہ بتاؤ کہ بریوسٹ (bravest) انسان، سب سے شجاع لوگوں میں سے کون ہے۔ اب جس وقت یہ سوال کیا ہے تو یہ ایک حرف اور محاورہ ہے کہ سوال کرتے وقت سوال کرنے والوں کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ کیا ہے اور جواب

اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ

جامع ترمذی: ح: ۳۷۱۴

اے اللہ جدھر علی ہوں حق کو ادھر دائر کر دے۔ حق کو ادھر پھیر دے، حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو۔''

سید عالم ﷺ کا یہ فرمان حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرر ہے ہیں اور مطابقت دیکھو کہ میرے محبوب ﷺ کی زبان سے کئی سال پہلے جو چاروں کی ترتیب تھی وہی ترتیب خلافت کی مسند پہ بھی نظر آتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پہلے فرمایا

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ

تو مسندِ خلافت پر پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متمکن ہوئے۔

پھر فرمایا

رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ

اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے تو دوسرے نمبر پر ان کا نام آتا ہے۔ پھر فرمایا

رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پہ اللہ تعالیٰ رحم کرے تو تاریخ میں ثابت ہے کہ ان کا یومِ وصال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔ اور خلافت کی ڈیوٹی دے کر وہ دنیا سے گئے ہیں۔ پھر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا

اَمَا اِنِّی مَابَارَزَنِی اَحَدٌ اِلَّا انْتَصَفْتُ مِنْہُ

بے شک مجھے کسی نے نہیں للکارا، مگر میں نے اس سے انتقام لیا ہے۔

فرمایا لوگو! یاد رکھو میں شجاع ضرور ہوں اور کوئی بھی ایسا بندہ نہیں ہے کہ جو مجھے للکارے اور پھر بچ کر چلا جائے۔ مجھ سے جو مبارزہ کرتا ہے میں اس سے انتقام لیتا ہوں۔ میں اس کو نہیں چھوڑتا، میں شجاع ہوں لیکن میرا سوال شجاع کا نہیں بلکہ اشجع کا ہے۔ سب سے شجاع انبیاء کے بعد وہ کون ہے، اس کے متعلق میں پوچھنا چاہتا ہوں۔

اب جس وقت لوگ خاموش ہیں آپ نے ان کے جواب کو غلط قرار دے دیا تو لوگوں نے کہا کہ پھر آپ خود بتائیں کہ وہ کون ہے۔ فرمانے لگے:

لٰکِنْ هُوَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

البدایہ والنہایہ: ۴۔ ۲۸۸/۳

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کو امت کا سب سے بڑا صوفی بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے بڑا صاحب شریعت وطریقت بھی کہا جاتا ہے جن کا علم سب سے زیادہ، جن کا صدق سب سے زیادہ اور جن کی وفا سب سے زیادہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے باقاعدہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں جب یہ باتیں پڑھیں تھیں تو سرکار ﷺ نے فرمایا تھا:

اَحْسَنْتَ یَا حَسَّانُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

دینے والوں کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ کیا ہے یعنی آپ نے جو پوچھا:

اَشْجَعُ النَّاسِ

کہ لوگوں میں سے شجاع ترین انسان کون ہے۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پتہ ہے کہ میں انبیاء کے علاوہ کی بات کر رہا ہوں اور جواب دینے والوں کو بھی یہ پتہ ہے کہ یہ سوال انبیاء کرام علیہم السلام کے لحاظ سے نہیں ہے۔

اگرچہ لفظوں میں ذکر نہیں ہے لیکن صاحب بصیرت اور صاحب عقل پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسے جو القاب ہوتے ہیں ان کا دائرہ خاص ہوتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پوچھ رہے ہیں کہ مجھے بتاؤ انبیاء علیہم السلام کے بعد پوری انسانیت میں سے پہلے نمبر پر جو انسان متقی اور پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ شجاع ہو، وہ کون ہے؟

عمومی طور پر اس سوال کا جواب جو حضرات سامنے بیٹھے تھے، انہوں نے دے دیا، وہ کہنے لگے:

اَنْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے امیر المؤمنین آپ سب سے زیادہ شجاع انسان ہیں۔

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تقریر دور خلافت کی ہے مجمع عام میں سے لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ سب سے زیادہ شجاع ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب مسترد کر دیا، فرمایا:

چونکہ سارے تین سو تیرہ ہیں۔ اگر وہ خیمہ کے پاس ہی رہیں تو پھر آگے جہاد کون کرے گا۔ ایک ہو، تنہا ہو، اکیلا کھڑا ہو مگر اکیلا ہو کے بھی چاروں طرف سے حفاظت کرے۔

کون ہے جو آج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے گا۔

لِئَلَّا يَهْوِيَ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

تاکہ مشرکین میں سے کوئی بھی اس خیمہ کی طرف نہ آسکے۔

وہ اکیلا آدمی پہرہ دے، جو آئے اس کا سر اتارے اور اکیلے نگرانی کرے، مشرکین کو اس کے قریب بھی نہ آنے دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کے کہتے ہیں:

وَاللّٰهِ مَادَنَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا أَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ شَاهِرًا بِالسَّيْفِ عَلٰى رَأْسِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

البدایہ والنہایہ: ۴- ۲۸۸/۳

خدا کی قسم ہے ہم میں سے کوئی بھی ابھی آگے نہیں نکلا تھا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فضاء میں تلوار لہراتے ہوئے چھلانگ لگا کے آگے آگئے۔

جس طرح انہوں نے غار میں پہرہ دیا تھا، آج بدر میں پہرہ دینے کے لئے وہ آگے نکلے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کے کہتے ہیں:

مَادَنَا مِنَّا أَحَدٌ

ہم میں سے کوئی بھی ابھی آگے نہیں گیا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے آگے بڑھ گئے۔ کہنے لگے میری تقریر سننے والو! میرے عقیدت مندو یہ یاد رکھو اگر

حضرت حسان رضی اللہ عنہ تم نے میرے یار کی شان صحیح بیان کی ہے۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا سب سے زیادہ شجاع کون ہے تو لوگوں نے کہا ٹھیک ہے تقویٰ میں ان کا پہلا نمبر ہے شریعت میں، علم میں پہلا نمبر ہے، بہادری تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے تو کہا آپ سب سے بہادر ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں نہیں شجاعت میں پہلا نمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

لوگوں نے اس پر دلیل مانگی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو دلیلیں دے کر اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیا۔ فرمانے لگے:

اِنَّا جَعَلْنَا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَرِیْشًا

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خیمہ بنایا۔

جب غزوۂ بدر تھا تو ہم نے میدان بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عریش بنایا، ایک خیمہ اور ایک چھپر نما جگہ بنائی تھی، جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے دوران تشریف فرما ہونا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ مقام سب سے زیادہ حساس تھا جہاں مسلمانوں کی قیامت تک کی قیادت موجود ہے، اور سب سے سخت حملے بھی اسی جگہ پہ ہونے تھے، اب جب عریش تیار ہو گیا۔

قُلْنَا مَنْ یَّکُوْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِئَلَّا یَھْوِیَ اِلَیْہِ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ

ہم نے کہا پھر پہرہ آج کون دے گا۔ شرط یہ ہے کہ اکیلا ہوگا۔

بھی کیا ہے کہ میں نے جو ڈیوٹی لی تھی، وہ پوری بھی کر کے دکھا دی ہے۔

دوسری دلیل

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ ایک اور دلیل دے دی۔

آپ نے فرمایا اس سے پہلے بھی ایک گواہ میرے پاس موجود ہے۔ جب ہم مکہ شریف میں ہوتے تھے تو مکہ شریف میں بڑے ہی عجیب حالات تھے چونکہ اس وقت ابتداء میں مشرکین کا رعب اور دبدبہ اور بڑی دہشت گردی اس طرح کی چیزیں تھیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو باندھ باندھ کے مارا جاتا تھا ایسے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ایک دن مجھے بھولتا نہیں، اتنا تلخ دن ہے۔

وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے۔

اَخَذَتْهُ قُرَيْشٌ

قریش کے بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو انہوں نے پکڑ لیا۔

فَهٰذَا يُحَادُّهُ وَهٰذَا يُتَلْتِلُهُ

وہ اتنے زیادہ تھے کوئی آدمی کوئی چیز مار رہا تھا کوئی کچھ مار رہا تھا۔

وہ عرش سے مقدس بدن جو ہے، اس پہ حملے ہو رہے تھے حضرت علی رضی اللہ

کوئی دوبارہ تم سے پوچھے کہ اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے شجاع انسان کون ہے تو میرا جواب بتانا کہ سب سے شجاع انسان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ جنگ بعد میں ہم سارے بڑے بڑے نڈر، شیر دل اور صف شکن صحابہ کرام علیہم الرضوان موجود تھے، ہم میں سے ابھی کوئی بھی آگے نہیں نکلا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بدر میں بھی میدان مارلیا اور پہلا نمبر حاصل کرلیا۔

اس وضاحت کو آپ ضرور ذہن میں رکھیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کا وہاں پہرہ دینے کو دل نہ کرتا ہو ان میں سے کوئی بھی بے وفا نہیں تھا اور ان میں سے کوئی بزدل نہیں تھا۔ سب چاہتے تھے کہ ہم یہاں پر کھڑے ہوں لیکن ابھی سارے اپنی جرأت سے فتویٰ لے رہے تھے، اپنے نہاں خانہ دل سے پوچھ رہے تھے کہ ڈیوٹی بڑی سخت ہے اور ضروری بھی ہے اگر میری جرأت تو پورا نبھا کر سکے گی تو پھر میں آگے ہوتا ہوں ورنہ قیامت تک کے عاشقوں کو جواب بھی دینا ہے اگر یہاں پر کوئی ایسا واقعہ آگیا تو یہ جواب بڑا مشکل ہوگا۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ اپنی شجاعت سے پوچھ رہا تھا اور اپنی شجاعت کو ٹٹول رہا تھا کہ بتاؤ میری شجاعت میں آگے بڑھوں یا نہ بڑھوں۔ سب کی شجاعت اب چپ اور خاموش تھی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت نعرے لگا رہی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے ہیں اور صرف بڑھے ہی نہیں بلکہ انہوں نے چاروں طرف پوری جنگ کے دوران اپنے بدن پہ تیر کھا کے اپنے محبوب کو بچا کے یہ ثابت

عنہ کے۔"

جب یہ میدان میں اترے تو ان کا کیا انداز تھا۔

یَضْرِبُ وَ یُجَاهِدُ هٰذَا وَیُتَلْتِلُ هٰذَا

کسی کو مکا مارتے ہیں اور کسی کو کک مارتے ہیں کسی کو گھٹنا مارتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چند منٹوں میں سب کو پیچھے ہٹا کے پھر محبوب علیہ السلام کی اس میدان میں نعت پڑھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو پیچھے ہٹا کے ان کو گھور کے کہا:

وَیْلَکُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ

تم تباہ ہو جاؤ۔ اس ذات پر تم حملہ کرتے ہو، جو یہ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ میرا رب اللہ ہے۔

تم نے اس کو جرم سمجھا اور تم نے اس دعوت پر، اس آواز پر اس طرح تشدد شروع کر دیا تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔

اب یہ ہے سب سے بڑی نعت محبوب علیہ السلام کی، جب اتنے سخت حالات تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہیں ہو سکا کہ انجام کیا ہوگا، مجھے کتنی مار پڑ سکتی ہے گی، میدان میں اتر کے محبوب علیہ السلام پر پہرہ دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ گواہی دے رہے ہیں اور صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہاں نہیں بلکہ قیامت تک جس کسی نے شجاعت کے نعرے لگانے ہوں وہ مجھ سے پہلے میرے لیڈر کے نعرے لگائے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس

عنہ کہتے ہیں ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ کتنا بھیانک وقت تھا کہ جب قریش مکہ میرے محبوب ﷺ پہ ٹوٹ پڑے اور کوئی کوئی چیز مار رہا تھا اور کوئی کسی طرح محبوب علیہ السلام کو اذیت دے رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ساتھ وہ بولتے بھی تھے، وہ کہتے تھے:

اَنْتَ جَعَلْتَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِدًا

تو ہے وہ جس نے کئی خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے۔

خدا تو کئی تھے اور تم یہ کہتے ہو کہ خدا ایک ہے یعنی وہ آپ پر تشدد بھی کر رہے ہیں اور ساتھ یہ بکواس بھی کرتے ہیں کیا تم ہو جس نے کئی خداؤں کو ایک خدا بنا دیا۔ خدا تو کئی ہیں لیکن تم کہتے ہو کہ خدا ایک ہے۔

جب یہ منظر تھا کہ میرے حبیب پر تشدد ہو رہا ہے اور ساتھ کفار مکہ یہ بھونک رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَوَاللّٰهِ مَادَنَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوبَكر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

البدایہ والنہایہ: ۴۔ ۲۸۸/۳

خدا کی قسم ہے اس دن مکہ شریف کی اس گلی میں جب وہ کفار ہمارے محبوب علیہ السلام پر تشدد کر رہے تھے ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو آگے نکلے۔ خدا کی قسم اس دن جو آگے بڑھے ہیں تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

وَاللّٰهِ مَادَنَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوبَكرٍ

خدا کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ

اور اس سورۃ کا نام ہی مؤمن ہے۔ وہ ایک مومن جو فرعون کا کزن تھا اس کا نام ہزیکل تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا ان کا قرآن مجید میں بڑا مرتبہ بیان کیا گیا پورا رکوع ہی ان کے نام ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: موسیٰ علیہ السلام کا پوری امت کا خلاصہ، وہ ایک بندہ جس نے ایمان قبول کرلیا تھا۔ فرعون کا قریبی تھا اور اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا اور اس کی عظمتیں قرآن مجید میں بڑی بیان کی گئیں ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس امتی کا زیادہ مقام ہے یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا زیادہ مقام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کا وہ ولی جس کا قرآن مجید کے چوبیسویں پارے میں ذکر ہے:

قَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ

رجلِ مومن نے کہا جو آل فرعون سے تھا درآن حال کہ وہ اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا۔

وہ کلمہ پڑھ چکا تھا مگر ایمان اس نے چھپایا ہوا تھا اس نے کیا کہا، قرآن مجید میں ہے:

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ

فرعونیو! اس بندے کے ساتھ لڑائی کرتے ہو جو کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔

فرعونیو! تم کچھ ہوش کرو، تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیوں لڑتے ہو، یہ اپنا ایمان چھپائے ہوئے ہیں انہوں نے ظاہر نہیں کیا کہ میں نے ان کا کلمہ پڑھا ہوا ہے اور ان کو درمیان میں مشورہ ایسا دے رہے ہیں کہ ایسے بندے سے لڑائی نہ کرو اس نے درمیان سے بات کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت تو

امت کے صرف پہلے صوفی ہی نہیں، بلکہ اس امت کے پہلے مجاہد بھی ہیں۔

جس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ کردار سامنے آیا اور ساتھ جو مشرکین کہتے تھے کہ تم نے سارے خداؤں کو ایک الٰہ قرار دے دیا ہے تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ وہ ذات ہے جو سچ کہہ رہی ہے کہ خدا ایک ہے جو تم بنائے پھرتے ہو، وہ سب کے سب جھوٹے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے آنسوؤں پر کنٹرول نہ کر سکے۔ تقریر کے دوران آنکھوں میں آنسو آ گئے، چادر اپنے منہ پر کر لی اور کافی دیر چادر کے اندر اپنے چہرے کو ڈھانپے رکھا۔

فَبَكٰى حَتّٰى اُخْضِلَتْ لِحْيَتُهٗ

البدایہ والنہایہ: ۴-۲۸۸/۳

آپ اتنا روئے کہ ساری داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کافی دیر کے بعد جب دوبارہ تقریر شروع کی تو پھر فرمایا اب ایک اور بات میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں:

اُنْشُدُكُمُ اللّٰه

میں تمہیں رب کی قسم دے کر کہتا ہوں، اے میرا خطبہ سننے والو! مجھے ایک سوال کا جواب دو، اور سوال کا جواب صحیح دینا۔

اَمُؤْمِنُ آلَ فِرْعَوْنَ خَيْرٌ اَمْ هُوَ؟

کیا آلِ فرعون کا وہ مومن بہتر ہے یا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ؟

قرآن مجید کے چوبیسویں پارے میں آل فرعون کے ایک مؤمن کا ذکر ہے

خود یہ نہیں بتاتے کہ میں ان کا غلام ہوں۔ انہوں نے مشورہ بڑا اچھا دیا ہے اور انہوں نے بڑی مفکرانہ تقریر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انس رکھنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الجھنا تمہیں کوئی زیب نہیں دیتا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ وہ رجل آلِ فرعون افضل ہے یا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ؟ تو لوگ سوچ رہے تھے کہ اب کیا جواب دیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر تقریر شروع کر دی اور ایسا خوبصورت جواب دیا کہ قیامت تک کے مفکرین سر جوڑ کر بیٹھتے تو شاید ان کو بھی اتنا پیارا اور خوبصورت جملہ نہ ملتا، جتنا ایک سیکنڈ میں مدینۃ العلم کے باب نے پیش کر دیا۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمپیریزن (comparizon) دیکھو۔ ایک طرف اکلوتا امتی آل فرعون سے جس کے قصیدے قرآن میں ہیں اور دوسری طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگو! تمہیں جواب نہیں آتا تو میری بات سن لو۔

قَالَ عَلِیٌّ فَوَاللّٰهِ لَسَاعَةٌ مِن اَبِی بَكْرٍ خَیْرٌ مِنْ مِلْءَ الْاَرْضِ مِن مُؤْمِنِ آلِ فِرْعَوْنَ

فرمایا خدا کی قسم! میرے قائد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی تو ایک طرف رہی ان کی زندگی کا ایک منٹ ایک طرف رکھو اور آل فرعون کے اس ولی کی پوری بھری ہوئی زمین نیکیوں کی دوسری طرف رکھو تو میرے صدیق کا ایک منٹ بھاری ہو جائیگا۔

کردی مگر اتنی کھل کے نہیں کی۔ حمایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ

وہ تمہارے پاس اللہ کی دلیلیں لے کر آئے ہیں۔

اَن يَّكُ كَاذِباً فَعَلَيْهِ كِذْبُهٗ

اگر وہ جھوٹے ہیں تو اس کا اثر ان پر ہے۔

دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہیں یا سچے ہیں۔ رجل آل فرعون کہنے لگا اگر وہ جھوٹے ہیں تو انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا کہ جو وہ کہتے ہیں کہ تم مجھے مان جاؤ ورنہ عذاب ہوگا اگر اس بات میں جھوٹے ہیں تو اس میں تمہیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے قول کے مطابق ان کو اس جھوٹے قول کا جواب دینا پڑے گا اور خود ان پر عذاب اتر جائے گا۔

وَاَن يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ (سورۃ المومن: ۲۸)

اور اگر وہ سچے ہیں تو تمہیں پہنچ جائے گا کچھ وہ جس کا تمھیں وعدہ دیتے ہیں

اور اگر وہ سچے ہیں کہ عذاب آ جائے گا تو پھر ان کے کہنے پر نہیں عذاب تو ویسے ہی آنا ہے۔ بعض عذاب تم کو آ جائے گا۔ آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بعض ہوگا تو یہ درمیانی سی گفتگو رجل آل فرعون نے کردی جو مومن ہیں لیکن ایمان چھپایا ہوا ہے اور فرعونیوں سے کہہ رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے کا کوئی تک نہیں بنتا۔ اگر وہ جھوٹ کہتے ہیں تو وہ ان کے گلے میں ہے اگر سچ کہتے ہیں تو پھر ویسے ہی سچ ہے۔ ان کے ساتھ تمہیں جھگڑنے کی ضرورت کیا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان اس سے زیادہ کس وجہ سے ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ اگرچہ وجوہات بہت زیادہ ہیں لیکن ایک وجہ جوانہوں نے بیان کی ہے وہ بیان کرتا ہوں، فرمانے لگے:

ذَاكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ

آل فرعون کے اس ولی نے کام بڑا کیا تھا کہ فرعونی ہو کے کی آل فرعون کا ایک فرد ہونے کے باوجود اس نے کلمہ پڑھا اور اس وقت کے فرعونیوں کو بغاوت اور سرکشی سے روکنے کے لئے جہاد بھی کیا۔ لیکن:

ذَاكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ

اس نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

وہ جب ان سے کہہ رہا تھے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیوں لڑتے ہو اور ساتھ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں ان کا غلام ہوں لڑو گے تو میں تمہارے منہ پر ماروں گا۔ انہوں نے اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، لوگو! میں سلام کرتا ہوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان کو کہ وہ آل فرعون کا آدمی اپنا ایمان چھپا کے باتیں کر رہا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کے نعرے لگا کے باتیں کر رہے تھے۔

وهٰذَا رَجُلٌ اَعْلَنَ اِيْمَانَهٗ

البداية والنهاية: ۴-۲۸۸/۳

یہ وہ آدمی ہے جس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کتنی محبت ہے اور کتنی عقیدت ہے۔ کتنی فضیلت ان کے ذہن میں موجود ہے ایسی عظیم شخصیت کو کراس کرنا اور ناپنا، کسی کو آگے بڑھانا، یہ کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو واقف اسرار شریعت بھی ہیں اور واقفِ رموزِ طریقت بھی ہیں، جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے ماہر بھی ہیں، وہ بتا رہے ہیں، وہ آل فرعون کا اکلوتا امتی جس کے قصیدے قرآن میں ہیں۔

لَسَاعَةٌ مِنْ اَبِی بَکْرٍ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی نہیں، وہ غار والی رات نہیں، فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صرف ایک ساعت ایک طرف رکھو اور دوسری طرف:

مَلَ ءِ الاَرْضِ مِن مُؤمِنِ آلِ فِرْعَوْنَ

دوسری طرف آل فرعون میں سے ایک ولی اور مومن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتی اس کی ساری زندگی کی نیکیاں رکھو اور وہ اتنی فرض کرلو کہ اس کی نیکیوں سے ساری زمین بھری ہوئی ہے، یا اسکے اوقات سے زمین بھری ورئی ہے ان کو ایک طرف رکھ کے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک منٹ دوسری طرف رکھو، ان کا ایک منٹ اس بھری ہوئی زمین سے بھاری ہو جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ گفتگو کی تو ساتھ اس پر پھر دلیل بھی پیش کی۔

فرمایا: ایسا کیوں ہے اتنا اس بندے کا بھی کردار تھا فرعون کا کزن ہونے کے باوجود کلمہ پڑھ چکا تھا اس کے مقابلے میں اتنی زیادہ شان کیوں ہے؟ حضرت

میں قصہ جگہ کی طرف لڑائی کے لئے فوج نکلی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر بیٹھے۔

وَاسْتَوٰی عَلٰی رَاحِلَتِهٖ اَخَذَ عَلِیٌّ ابْنُ طَالِبٍ بِزِمَامِهَا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سواری پر بیٹھ کے جہاد کو جانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سامنے سے آ کے جانور کو روک لیا اور لگام پکڑ لی اور کہنے لگے:

اِلٰی اَیْنَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کہاں جانا چاہتے ہو۔

بتاؤ تو سہی یعنی جہاد کرنے کے لئے ہم تھوڑے ہیں ہم تمہارے لشکر کے سپاہی ہیں، تم خود جا رہے ہو۔

اِلٰی اَیْنَ

کہاں جانا چاہتے ہو۔

کہنے لگے:

اَقُوْلُ لَکَ مَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

آج میں تجھے وہی کہتا ہوں جو احد والے دن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

جب تم تیار ہو کے نکلے تھے تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا

لم سَیْفَکَ وَلَا تَفْجَعْنَا بِنَفْسِکَ وَارْجِعْ اِلَی الْمَدِیْنَةِ

اپنی تلوار نیام میں ڈالو ہمیں اپنی وجہ سے نقصان نہ دو اور مدینہ کی طرف لوٹ کے چلے جاؤ۔

پھر بات ہی نہیں کی عملاً جہاد بھی کیا ہے۔

انہوں نے ان سے کہا کہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ ان کی طرف نگاہ اٹھانے سے پہلے مجھے دیکھو میں ان کا دیوانہ ہوں، میں ان کا محب ہوں، میں ان کا عاشق ہوں اور میں ان پر جان نچھاور کرنے والا ہوں۔ میں نے کلمہ ان کا پڑھا ہے، میں نے ان کو نبی مانا ہے اور:

شراب عشق احمد میں کچھ ایسی کیف و مستی ہے
کہ جان دے کر بھی اک دو بوند مل جائے تو سستی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک منٹ اس بندے کی نیکیوں سے بھری ہوئی روئے زمین سے بھاری ہے۔ اس واسطے کہ انہوں نے اس دور میں حق کا جھنڈا اٹھایا جب بات کرنا بھی بڑی مشکل تھی اور بڑے بڑے دل گردہ والے لوگ اس وقت خاموش تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس وقت کو میں دیکھتا ہوں اور پھر بدر کو دیکھتا ہوں تو میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ساری کائنات کا ریکارڈ جب مرتب کیا جائے، اگر شجاعت میں بھی کسی کا پہلا نمبر اس ریکارڈ میں دیکھنا ہو تو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پہلا نمبر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہوگا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سواری کی لگام پکڑی

حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتنا والہانہ عشق رکھتے ہیں اور اتنا پیار کرتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے اپنے آپ کو ایک کارکن سمجھتے تھے اور سواری کو اس لئے روکا ہوا ہے کہ یہ کام ہم کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ مسندِ خلافت پر تشریف رکھیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے محبت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تعریف جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی وہ بھی بڑا ایک منفرد انداز ہے اور بالخصوص جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا آپ کا جنازہ جس وقت تیار تھا اور اوپر کپڑا رکھا ہوا تھا بڑے بڑے کبار صحابہ خراج تحسین پیش کر رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے ایک پیچھے سے آواز آئی، پتہ نہیں کون بول رہا ہے میں نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آنسو بہا رہے تھے اور کہہ رہے تھے، لوگو! یاد رکھو:

میرے دل میں جو جستجو ہے کہ میں جس بندے کی طرح کا عمل لے کے اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاؤں، جس بندے کی نیکیوں کو میں اپنے لئے ماڈل نیکی سمجھتا ہوں، جس کی زندگی بھر کی نیکیوں کو میں اللہ کے دربار میں جانے کیلئے بہت بڑا خزانہ سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے جو چارپائی پر لیٹا ہوا ہے۔

یہ عمر رضی اللہ عنہ ان کا زندگی بھر کا جو کردار ہے اگر مجھ سے کوئی پوچھے اے علی رضی اللہ عنہ تم زندگی میں کتنی نیکیاں اللہ کے پاس لے کر جانا چاہتے ہو۔ تو میں کہوں گا جتنی یہ چارپائی والا لے کے جا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی ان کے کارنامے ان کے کردار اور ان کی نیکیوں کا جو طریقہ تھا اس کا کتنا رنگ، حضرت علی

حضرت علی کہنے لگے میں بھی آج کہتا ہوں

لَا تَفْجَعْنَا بِنَفْسِكَ

اپنی جان کی وجہ سے ہمیں دکھ نہ دینا۔

اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو ہمیں جتنا دکھ ہوگا اس کا تم تصور نہیں کر سکتے، کیوں؟

فَوَاللّٰهِ لَئِنْ فُجِعْنَا بِكَ لَا يَكُوْنُ لِلْاِسْلَامِ نِظَامٌ اَبَداً

خدا کی قسم اے ابو بکر اگر تمہاری شہادت ہو گئی تو اسلام کا نظام بچ ہی نہیں سکے گا۔

میرے لیڈر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں تجھے نہیں جانے دوں گا۔ تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیچھے ہٹا دیا تھا اور پیچھے بھیجا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تمہاری ابھی باری نہیں آئی تم پیچھے چلو کل امت کی کشتی کو کنارے تم نے لگانا ہے۔ اے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مجھے وہ جملہ آج بھی یاد ہے جو محبوب علیہ السلام نے کہا۔ لہٰذا قصہ کی لڑائی جا کے علی رضی اللہ عنہ کرے گا۔ علی رضی اللہ عنہ کا لیڈر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینے میں رہے گا۔

یہ انداز ہے محبت کا اور اتنی برتری ذہن پر ہے اور کہنے لگے

لَا يَكُوْنُ لِلْاِسْلَامِ نِظَامٌ اَبَداً

البدایہ والنہایہ: ۶/۷۰۷

کہ سارا اسلامی نظام تمہاری شخصیت میں بند ہے اور اس وقت تم اس کی پوری طرح وضاحت بھی کر سکتے ہو۔ ہم تمہیں بچا کے رکھیں گے، تم یہیں رہو، ہماری درخواست کو قبول کرلو۔ یہ انداز واضح کر رہا ہے کہ ان کے دل میں کتنا پیار تھا اور وہ

اب اس بندے نے پوچھ لیا کہ وہ خلفاء راشدین کون ہیں۔ لگتا ہے وہ اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل کی کیاریوں کا گلشن کس کی محبت کا ہے۔

وہ اپنے نمبر بنانے کے لئے کہہ رہا تھا کہ تم اوروں کا ذکر کرتے رہتے ہو اوروں کو خلفاء راشدین کہتے رہتے ہو اور بالخصوص یہ بات اس لئے بھی قابل غور تھی کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے وقت بندہ کھلا مانگتا ہے یہ نہیں کہتا اتنا دے، اتنا دے۔ بلکہ بندہ بے حساب مانگتا ہے تو یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دعا کی باؤنڈری بنا رہے تھے، اتنا دے جتنا خلفاء راشدین کو دیا۔ لوگوں نے کہا! کھلا مانگا کرو خلفاء راشدین کی حد سامنے رکھ دیتے ہو کہ اتنا دے اور اتنی اصلاح کر جتنی تو نے خلفاء راشدین کی کی ہے، وہ خلفا راشدین کون ہیں:

اِغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ایک تو اس بندے کے سوال پر، کہ اس نکمے کو ابھی تک یہ پتہ نہیں کہ میرے لیڈر کون ہیں، یہ پوچھتا ہے خلفاء راشدین کون ہیں۔

اِغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ

دوسرا آنکھوں سے آنسو بہانے کا سبب یہ تھا کہ تمہیں پتہ نہیں میں تھوڑا نہیں مانگتا جب یہ کہتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے خلفاء راشدین جتنا دے دے تو جتنا بندوں کو مل سکتا ہے، سارا مانگتا ہوں چونکہ ان کو کوئی تھوڑا تو نہیں ملا، آپ کی آنکھوں میں آنسو

رضی اللہ عنہ کے ذہن کے اوپر چھایا ہوا تھا، فرماتے ہیں:

میں یہ پسند کرتا ہوں کہ کاش میرا رب مجھے اس بندے جتنی نیکیاں دے دے اور جب میں دنیا سے جا رہا ہوں جتنی نیکیوں کا جلوس اس کے ساتھ جا رہا ہے۔ اللہ اتنی نیکیاں مجھے بھی عطا فرما دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ جملے طبقات ابن سعد میں موجود ہیں۔ ایک شخص نے آپ سے یہ کہا:

قَالَ رَجُلٌ لِعَلِيٍّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نَسْمَعُكَ تَقُوْلُ فِی الْخُطْبَةِ

اے علی! جو بھی تمہارا خطبہ ہوتا ہے۔ آپ کے ہر خطبے میں ہم ایک بات سنتے ہیں۔

نَسْمَعُكَ تَقُوْلُ فِی الْخُطْبَةِ

ہم سنتے ہیں تم خطبے میں یہ کہتے رہتے ہو۔

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْنَا بِمَا اَصْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِیْنَ

اے اللہ ہماری بھی ویسی اصلاح فرما جیسی تو نے خلفاء راشدین کی فرمائی ہے۔

اس شخص نے کہا کہ تم خطبے میں یہ پڑھتے ہو اور دعا کے وقت یہ مانگتے ہو تو وہ کون ہیں خلفاء راشدین۔ اب جو ہمارا موضوع ہے وہ میں نے اس جملہ سے اخذ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلفاء راشدین سے عقیدت کیا تھی اگرچہ خود بھی خلیفہ راشد ہیں مگر وہ مطلقاً جس وقت بیان کرتے ہیں تو اجمالی خود بولتے اور بیان کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْنَا بِمَا اَصْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِیْنَ

اے اللہ میری بھی ویسی ہی اصلاح کر دے جیسی تو نے خلفاء راشدین کی کی ہے۔

مشکل کشا اور مدینۃ العلم کے باب حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخ الاسلام کہتے ہوں وہ اسلام کے کتنے بڑے پیر ہوں گے۔ اور دونوں ہمارے شیخ الاسلام ہیں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما۔ مجھ سے پوچھنے والو یہ یادرکھنا میں ان کا نام لیتا ہوں جو امام الھدیٰ ہیں اور جو شیخ الاسلام ہیں اور ان کی شان کیا ہے، فرمایا:

مَنِ اقْتَدیٰ بِهِمَا عَصَمَ

جو بھی ان کے پیچھے چلا، وہ بچ گیا۔

وہ جہنم سے محفوظ ہو گیا جو ان کا پلہ پکڑ کے ان کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ بچ گیا۔

مَنْ اتَّبِعَ آثَارَهُمَا هُدِیَ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

جو ان کے نقش قدم پہ چلا وہ صراطِ مستقیم پہ چلا۔

پھر فرمانے لگے:

مَنْ تَمَسَّكَ بِهِمَا فَهُوَ مِنْ حِزْبِ اللهِ

جن لوگوں نے ان کو اپنا لیڈر بنالیا وہ سارے اللہ تعالیٰ کی پارٹی بن گئے۔

وہ حزب اللہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حزب میں آ گئے اب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں جو سند صحیح سے میں بیان کر رہا ہوں اور مستند ماخذ کے حوالے سے بیان کر رہا ہوں۔

یہ ملنگوں نے جو ایسا ڈھونگ رچا رکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نازیبا باتیں منسوب کرتے ہیں اور ان کے موقف کے خلاف کسی اور کے انداز کے

آ گئے۔اور آپ بتاتے ہیں کہ خلفاء راشدین کون ہیں۔

کتنا خوبصورت انداز ہے، فرمانے لگے:

هُمَا حَبِيْبَايَ أَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرَ

وہ دونوں میرے محبوب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

ہر خطبے میں ذکر ان کا کرتا ہوں۔ آج کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور ان شخصیات سے جلے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشن پہ نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ہر خطبے کو نا تمام سمجھتے تھے، جب تک ان دو لیڈروں کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

هُمَا حَبِيْبَايَ أَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرَ

وہ دونوں میرے محبوب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

إِمَامَا الْهُدٰى وَشَيْخَا الْإِسْلَامِ

دونوں ہدایت کے امام اور دونوں شیخ الاسلام۔

لفظ کتنے پیارے ہیں۔ آج شیخ الاسلام کا لفظ ہم اپنے بزرگوں پر بولتے ہیں۔ ان کا ہمارے نزدیک بڑا ادب ہے جن کو ہم شیخ الاسلام کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ جن کو خواجہ صاحب شیخ الاسلام کہتے ہیں وہ ان سے بڑا ادب رکھتے ہیں اور جن کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام سمجھتے ہیں ان کا بہت بڑا ادب ہے اور پھر جس کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام سمجھتے ہیں ان کا بہت بڑا ادب، اور جن کو شیر خدا،

کرتے تھے۔

نُرِیْدُ اَنْ نُحَرِّرَ القدس عِبْرَ کَرْبلا

ہم کربلا کے راستے قدس کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

اس بھگوڑے نے اپنی تقریروں میں یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ہماری حکومت حجاز پر آ گئی تو میں نبی ﷺ کے ساتھ جو دونوں یار سوئے ہیں ان کو باہر نکالوں گا۔ ان کی قبروں کو جدا کروں گا، وہ اپنے گمراہوں کی زبان سے جو امام کہلواتا ہے اس کی سوچ کتنی بری تھی۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تو کہہ رہے تھے کہ یہ جو قبریں ساتھ ہیں یہ کسی بندے کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضل کی وجہ سے ہیں، اور یہ عظمت ظاہر کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو شخصیات کو سرکار ﷺ کا کیا کتنا قرب عطا فرمایا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جو فضیلتیں ہیں، ان کی جو شانیں بیان کی گئی ہیں، ابھی آپ نے وہ روایت سنی جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ

اللہ تعالیٰ میرے عثمان پر رحم کرے۔

تَسْتَحْیِیْهِ الْمَلَائِکَةُ

جن سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

مطابق وہ جو یہودی سازش ہے اس کے مطابق ان متقدمین کو پیچھے ہٹا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے آگے کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اس موقف پر قائم ہیں کہ مجھے میرے رب نے جو مرتبہ دیا ہے وہ بہت بڑا ہے اور جو مجھے مانے وہ میرے اماموں کو پہلے مانے۔

اگر ہم گہرائی میں جائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس انداز میں بہت ساری باتیں موجود ہیں، لیکن وقت مختصر ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مدینہ شریف مسجد نبوی میں بیٹھے تھے، تو کسی نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کیا مقام تھا تو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی قبروں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

بِمَنْزِلَتِهِمَا مِنْهُ السَّاعَةَ

سیر اعلام النبلاء: ۵/۳۳۷

فرمایا:

جواب ان کا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام ہے یہی زندگی میں بھی ہوا کرتا تھا۔

یہ جو قبریں ساتھ ہیں، مزار ساتھ ہیں، ان کا مقام زندگی میں بھی اسی طرح تھا، یہ انداز حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اب سوچئے اہلِ بیت میں ان اصحاب کے ساتھ کتنی محبت، کتنا عشق ہے اور کتنی عقیدت ہے یہاں سے وہ لوگ بھی سبق حاصل کریں جو ایک انقلاب کا شوشہ لے کے اٹھے تھے اور یہ کہا

فصل ہوتے تو اس کی تفصیل کرو۔

اب اس پریس کانفرنس میں جو نوٹ انہوں نے دیا وہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں، وہ بہت بڑی اہم گفتگو تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے بھرے مجمع میں فرمادی، کہنے لگے:

جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے خلافت کے لئے لکھ کے دیا ہو تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ مجھے لکھ کے دیا ہے تو فرمانے لگے، کہ پھر میرا معاملہ یہ بن جائے گا کہ تصدیق کرنے میں پہلا نمبر بھی میرا تھا اور پھر جھوٹ بولنے میں بھی میرا پہلا نمبر آجائے گا۔

اگر میں یہ کہوں کہ سرکار ﷺ نے مجھے خلافت کے بارے میں کچھ لکھ کے دیا ہے تو یہ وہ پہلا جھوٹ ہوگا جو میں سرکار ﷺ کے بارے میں بولوں گا چونکہ میں جھوٹ نہیں بولتا تو سن لو! مجھے نبی اکرم ﷺ نے خلافت کے بارے میں کچھ بھی لکھ کے نہیں دیا کہ جس کی بنیاد پہ میں دعویٰ کروں کہ میری پہلی خلافت ہے یا میری فلاں نمبر کی خلافت ہے۔ مجھے نبی اکرم ﷺ نے لکھ کے عطا نہیں فرمایا: اس کے ساتھ آپ یہ فرمانے لگے:

لَوْ كَانَ عِنْدِي مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ فِي ذَالِكَ

اگر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کوئی عہد میرے پاس ہوتا۔

مَا تَرَكْتُ أَخَا بَنِي تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُومَانِ عَلَى مِنْبَرِهِ

تو میں بنی تیم کے بھائی کو اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو منبر پر کھڑا ہونے

البدایہ والنہایہ کے اندر ایک گفتگو میں جو ان کی ون ٹو ون ملاقات تھی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ تجھے اللہ نے وہ قرب دیا ایک لحاظ سے تمہارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قرب ہے جتنا پہلی دو شخصیات کا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے تمہارے عقد میں آئیں۔

یہ شرف کائنات میں کسی بندے کا نہیں، کہ جس کو ایک ہی پیغمبر کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے عقد نکاح کا شرف بخشا گیا ہو، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس شرف میں پوری کائنات سے جدا اور تنہا ہیں اور پھر وہ پیغمبر جو سارے پیغمبروں کے بھی پیغمبر ہیں ان کی دو صاحبزادیاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئی ہیں۔ اس کو بطور خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا لیکن پورا تفصیل کے ساتھ جو عنوان ہے وہ مسند بزاز میں اور تاریخ دمشق میں ہے اور اس کے علاوہ متعدد طرق میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بصرہ پہنچے تو بصرہ کے لوگوں نے ایک پریس کانفرنس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور بالخصوص ان میں ابن الکوّاء اور قیس بن عباد یہ دونوں بڑے تیز لوگ تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس وقت اختلاف کا دور چل رہا تھا۔

انہوں نے پوچھا کہ اے حضرت علی رضی اللہ عنہ تم جو امیر بنے ہوئے ہو کیا تمہارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا عہد ہے کہ تم نے امیر بننا تھا یا ویسے ہی تم امیر بنے ہو، تمہارے پاس کوئی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ جس کی وجہ سے تم امیر ہو تو پھر تمہیں پہلے ہونا چاہئے تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پہلے تم خلیفہ بلا

وَلَمْ يَمُتْ فَجَاءَةً

اور اچانک بھی فوت نہیں ہوئے۔

کہ آپ کی طبیعت بالکل صحیح ہو اچانک دورہ پڑا تو آپ تشریف لے گئے ہو۔ فرمایا ایسا بھی نہیں ہوا۔ نہ شہید ہوئے اور نہ اچانک موت آئی بلکہ کئی دن تک رسول اکرم ﷺ بیمار رہے اور اس بیماری میں بھی امت کے لئے رحمت تھی اگر اچانک چلے جاتے تو پھر کوئی شک پیدا کرتا، اگر شہید ہو جاتے تو پھر کوئی شک پیدا کرتا۔ محبوب ﷺ کئی دنوں تک بیمار رہے، اس میں ایک سبق تھا کہا:

مَكَثَ فِي مَرَضِهِ اَيَامًا وَلَيَالِيَ يَاتِيهِ الْمُوَذِّنُ

آپ کئی دن تک بیماری کی حالت میں رہے، ہر نماز کے وقت مؤذن آتا تھا اور کہتا تھا یا رسول اللہ ﷺ اذان ہو گئی ہے۔

تو سرکار ﷺ فرماتے:

مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ

ابوبکر کو کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

اگر اذان ہو گئی ہے تو امام بھی میں نے امت کو دے دیا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ جماعت کرائے۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فلسفہ بڑا تیز ہے۔ ایک جگہ تقریر میں یہ فرما دیا۔ کہنے لگے۔ میں کوئی بیمار نہیں تھا اور میں غیر حاضر بھی نہیں تھا اگر میں بیمار ہوتا تو کوئی کہتا چونکہ حضرت علی بیمار تھے، اگر صحت مند ہوتے تو مصلی ان کا تھا اور چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غیر حاضر تھے اگر پاس

کیسے دیتا۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مجھے فرمایا ہوتا تو میں ان کو اپنی چادر سے مار کے نیچے اتار دیتا مگر میں نے نہیں اتارا اور میں نے ان کے ہاتھ پہ بیعت کی ہے اس واسطے کہ میں ڈرپوک نہیں ہوں میں شیرِ خدا ہوں اور جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا میں نے اس کا احترام کیا ہے۔

لہٰذا میرے پاس خلافت کے بارے میں کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے اگر ہوتا تو پھر تم مجھے بزدل کہہ رہے ہو اگر کوئی عہد ہوتا اور پھر میں نے حق نہیں لیا میں نے ان تین کو چھوڑ دیا پھر تو تم مجھے بزدل سمجھتے ہو میں بزدل نہیں ہوں مجھے کوئی ایسا عہد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔ اگر دیا ہوتا تو پھر میں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑا ہی نہ ہونے دیتا۔ میں خود خطبے دیتا، میں خود امیر ہوتا۔ اگر میں نے ایسا کام کیا ہے اور میں نے بیعت کی ہے تو جان لو یہی تعلیم نبوی کا حکم تھا جو میں نے پورا کر کے دکھایا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

ہوش سے بات کرنی چاہئے پہلے غور کر لیا کرو پوچھ کیا رہے ہو۔ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ قتل نہیں ہوئے کہ اچانک شہید ہو گئے اور پیچھے کا نظام ہنگامی صورتحال میں نافذ ہو گیا ہو، ایسا نہیں ہوا۔ کہنے لگے:

لٰكِنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يُقْتَلْ قَتْلاً

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید نہیں ہوئے۔ اپنی طبعی وفات کے مطابق دنیا سے تشریف لے گئے۔

هُوَ يَرَى مَكَانِيْ

حالانکہ آپ ﷺ میرے مرتبہ کو دیکھ رہے تھے

میرے نبی اکرم ﷺ تو مجھے جانتے ہیں کہ انہوں نے مجھے کیا بنایا ہے۔

سرکار ﷺ نے مجھے جانتے ہوئے بھی کہ میں نے علی کو کیا بنایا ہے پھر بھی آپ نے مجھے مقتدی سمجھا ہے، مجھے امت کا امام نہیں بنایا۔ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی امت کی امامت کے لئے میرے محبوب ﷺ نے مجھے نہیں کہا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہا ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہنے لگے۔ میں تو اس بات کا بھی گواہ ہوں کہ جو لوگ کھینچ کھینچ کے باتیں بناتے ہیں کہ کسی نے صدیق اکبر کی خلافت گھڑ لی ہے۔ فرمایا: میں اسکا گواہ ہوں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں کہ جب گھر میں میٹنگ ہو رہی تھی تو انہوں نے مخالفت کی تھی، کہنے لگیں، اے محبوب ﷺ! میرے ابا جی بڑے نرم دل ہیں وہ تمہارے مصلے پہ تو کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ ان کو ہجر ستائے گا اور یہاں تک کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں ان سے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہلوایا تھا تم نبی اکرم ﷺ کو کہو کہ کسی اور کو کہیں کہ وہ جماعت کرائے میرے ابا جی کو مصلے پر کھڑا نہ کریں وہ رقیق القلب ہیں۔ آنسو بہتے رہیں گے، وہ جماعت نہیں کرا سکیں گے تو میرے محبوب ﷺ نے کیا جواب دیا:

اِنَّكُنَّ صَوَا حِبُ يُوْسُفَ

تم حضرت یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود عورتوں کی طرح ہو یعنی اپنی بات

ہوتے تو مصلی ان کا تھا۔فرمایا ان دونوں باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔میں اس وقت پاس بھی تھا، صحت مند بھی تھا، مگر مجھے سرکار ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم جماعت کراؤ بلکہ مجھے یہ کہا ہے کہ تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ جماعت کرائیں۔فرمانے لگے میں اپنے منہ سے ان کو جا کے پیغام دیتا رہا ہوں تو پھر میں ان کے خلاف کیسے بول سکتا ہوں۔مجھے اور میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو سرکار ﷺ نے فرمایا تھا:

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ

تم میرے خاندان کے اہم بندے ہو، جاؤ: تم جا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ میرا پیغام دو تاکہ کل کوئی یہ نہ کہے کہ کسی عام بندے نے جا کر کہہ دیا تھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جماعت کرادی تھی، تم دونوں جاؤ اور جا کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ آج مصلی نبوت پر تم کھڑے ہو جاؤ اور جماعت کراؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔جس وقت نبی اکرم ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں کئی دن جماعت نہیں کرائی۔مؤذن آ کے کہتا تھا اب کیا کریں جماعت کا وقت ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں پاس بیٹھا تھا مجھے تو نہیں کہا کہ اٹھو تم جماعت کراؤ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر گھر میں بھی ہوتے تھے تو فرماتے ان کو بلا کے لاؤ تاکہ وہ جماعت کرائیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَیَامُرُ اَبَابَکْرٍ فَیُصَلِّ بِالنَّاسِ وَھُوَ یَرٰی مَکَانِیْ

پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ آپ لوگوں کو جماعت کرائیں۔آگے والے لفظ بڑے قابل غور ہیں کہ سرکار ﷺ کو تو معلوم ہے کہ میں کیا ہوں۔

ہم نے میٹنگ کی کہ کیا کرنا چاہئے؟

فَاَخْتَرْنَا لِدُنْیَانَا مَنْ رَضِیَہُ نَبِیُّ اللّٰہِ ﷺ لِدِیْنِنَا

سیر اعلام النبلاء: ۲-۱/۶۲۹-۶۳۰، تاریخ دمشق: ۴۴۱/۴۲

پس ہم نے اپنی دنیا کے لئے اس کا انتخاب کیا جس کا انتخاب رسول اکرم ﷺ نے ہمارے دین کے لئے کیا تھا۔

یہ جملہ بھی کروڑوں جملوں کے ہم پلہ ہے اس مجمع میں کہ جس میں کچھ لوگ یہ بھی نعرہ لگاتے تھے کہ اے علی رضی اللہ عنہ تم خلیفہ بلافصل ہو اور تمہارا پہلا نمبر ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو، میں بتاتا ہوں کس کا پہلا نمبر ہے، ہم نے بیٹھ کے میٹنگ کی کہ سرکار ﷺ کے بعد خلیفہ کون ہوگا ہم نے جب سوچا تو ہم نے فیصلہ کر دیا:

فَاخْتَرْنَا لِدُنْیَانَا

ہم نے اپنی دنیا کا لیڈر اسے بنایا جس کو سرکار ﷺ نے ہمارے دین کا لیڈر بنایا تھا۔ ہمیں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں، کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سرکار ﷺ بڑا کام تو خود کر گئے ہیں کہ مصلی جوان کو دے گئے ہیں۔

فَاخْتَرْنَا لِدُنْیَانَا

ہم نے اپنی دنیا کے لئے پسند کر لیا۔

مَنْ رَضِیَہُ نَبِیُّ اللّٰہِ لِدِیْنِنَا

جس بندے کو سرکار ﷺ نے پسند فرمایا تھا ہمارے دین کے لئے۔

دین کا لیڈر سرکار ﷺ جس کو بنا کے گئے تھے ہم نے کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ

بنوانے کی ضد کر رہی ہو

مطلب یہ تھا فرمایا تمہیں یہ نہیں پتہ جو میں دیکھ رہا ہوں جب میری امت کا کوئی بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا، اس وقت یہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھائے گا۔ حکمتیں جانتے تھے۔

واضح کیا تمہارے جھگڑے وہ ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں عورتوں کے تھے۔ چپ ہو جاؤ جو میں نے حکم دیا اس پر عمل کرو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری جگہ میرے مصلے پہ کھڑے ہو کے جماعت کرائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی گواہی دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو خود چاہتی تھیں کہ کوئی اور جماعت کرائے مگر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی اور نہیں بلکہ اگلے یہ لفظ ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نہیں مانتا کہ کوئی اور جماعت کرائے۔ یہ میری اپنی مرضی نہیں، بلکہ میرے رب کی مرضی یہ ہے کہ جو پہلے دن سے ساتھ ہے اور جس کی سب سے زیادہ ہم نے تیاری کروائی ہے آج امت کے کارواں کا لیڈر وہ بنے گا۔ جس وقت یہ باتیں ساری ہو گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

لَمَّا قَبَضَ اللّٰهب نَبِيَّهٗ

جب وہ تلخ لمحہ آ گیا کہ رسول اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔

کہتے ہیں۔

نَظَرْنَا فِي اُمُوْرِنَا

کی خلافت۔

تو سیاست کے لحاظ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں اور ولایت کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں۔ یہ ایک نئی بدعت گھڑی جارہی ہے اور اس کو پوری طرح رد کرنا ضروری ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو مصلی کو اصل بنارہے ہیں تو کیا مصلی کے لئے سیاست کی ضرورت ہوتی ہے یا تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو پتہ چلا جو مصلے کا امام ہے وہ ولایت کا بھی امام ہے، سیاست کا بھی امام ہے۔

اس واسطے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل حکومت کے لحاظ سے ہی نہیں تھے، رب ذوالجلال کی عطا سے اور نبی اکرم ﷺ کی تعیین سے وہ شریعت وطریقت، طہارت وتقویٰ کے لحاظ سے بھی پہلے نمبر پر تھے۔ حکومت چلانے کے لحاظ سے بھی پہلے نمبر پر تھے۔ اب یہاں جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پریس کانفرنس میں یہ بیان کیا، فرمانے لگے:

فَبَایَعْنَا اَبَابَکْرٍ

ہم سب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

کیوں ان کی بیعت کی، فرمانے لگے:

وَکَانَ لِذَالِکَ اَھْلاً

اہل سمجھ کے ہم نے ان کی بیعت کی۔

وَلَمْ یَخْتَلِفْ عَلَیْہِ مِنَّا اِثْنَانِ

ہم نے اسی پر قیاس کرتے ہوئے دنیا کا بھی لیڈر اسے بنا دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقریر کتنی معنیٰ خیز ہے اور فرمانے لگے:

كَانَتِ الصَّلٰوةُ اَصْلَ الْاَسْلَامِ

جب نماز انہوں نے پڑھائی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو نماز پڑھانا کوئی آسان کام ہے جن میں تقویٰ کے اتنے اتنے پہاڑ ہوں اور جن میں تصوف اور دین کی مہارت کے ہمالہ ہوں ان کے آگے کھڑا ہونا کوئی آسان بات ہے، فرمانے لگے۔ وہ نماز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کئی دن پڑھاتے رہے جو نماز اصل الاسلام ہے۔ اسلام کی جڑ کی قیادت انہوں نے کی اور پھر

وَهِيَ اَعْظَمُ الْاَمْرِ

سب سے بڑا کام اسلام کا نماز ہے۔

وَقِوَامُ الدِّيْنِ

اور دین قائم ہی نماز پر ہے۔

تو جس نقطہ پہ دین قائم ہے اس نقطہ کے نیچے ان کا سر ہے اور اس کے اوپر دین کا ستون ہے، لہٰذا ہمارے پاس ہوتے ہوئے جس بندے کو نماز میں ہمارا لیڈا بنایا گیا ہے، دنیا والو! ان کا پہلا نمبر ہے۔ دین میں بھی پہلا نمبر ہے، دنیا میں بھی پہلا نمبر ہے۔

یہاں آج لوگوں میں غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے۔ کچھ تو ویسے ہی پہلے لوگ تشیع کی وجہ سے بگڑے ہوئے ہیں لیکن کچھ لوگ ہمارے اندر سے خراب ہو رہے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ دو خلافتیں ہیں ایک ہے ولایت کی خلافت اور ایک ہے سیاست

اگر وہ کچھ مجھے دیتے تھے تو میں وہ لے لیتا تھا۔

وَاَغْزُوَاِذَا اَغْزَانِی

اور وہ مجھے لڑاتے تھے تو میں لڑ جاتا تھا

یعنی ان کے اشارے کا میں پابند تھا اس طرح میں ان کے ساتھ رہا ہوں۔

وَاَضْرِبُ بَیْنَ یَدَیْہِ الْحُدُوْدَ بِسَوطِی

اگر انہوں نے مجھے کہا کہ اے علی رضی اللہ عنہ فلاں فلاں بندہ مجرم ہے اٹھو ان کو کوڑے مارو تو میں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر جلادوں والے کام بھی کیے ہیں میں ان کے کہنے پر کوڑے مارتا رہا، سزائیں نافذ کرتا رہا ہوں مطلب یہ تھا کہ میں نے اپنا کوئی تکبر نہیں بنا کر رکھا کہ میں بہت کچھ ہوں اگرچہ بیعت تو کرلی ہے مگر میں ان سے پیچھے نہیں رہوں گا۔ کہتے ہیں ہر کام جو ایک عام صحابی نے امیر المومنین کی اطاعت میں کیا ہے وہی کام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی کیا ہے۔

فَلَمَّا قُبِضَ

جب ان کا وصال ہو گیا

وَلّٰی عُمَرَ

انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ خلیفہ بنا دیا۔

تو ہم نے ان کا بھی وہ ادب کیا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا اور ان کا وہی وطیرہ تھا وہی لفظ سارے استعمال کیے کہ ان کے کہنے پر میں جہاد میں جاتا رہا ہوں،

لاکھ سے زائد صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے دو بھی ایسے نہیں تھے کہ جنہوں نے اس فیصلہ کا بائیکاٹ کیا ہو بلکہ سب نے اس پر اتفاق کیا اور سب نے مل کر بیعت کی اور مل کے ہم سب نے فیصلہ کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے پہلے نمبر پر قائد ہیں۔

وَلَمْ يَشْهَدْ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَمْ نَقْطَعْ مِنْهُ الْبَرَاءَةَ

کبھی بھی ہم نے ان سے براۃ نہیں کی کہ کبھی ہم نے ان پر عدم اعتماد کیا ہو کہ پہلے تو ان کو امام بنایا ہو پھر عدم اعتماد کیا۔ فرمایا۔ عدم اعتماد بھی نہیں کیا۔

فَاَدَّيْتُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ حَقَّهٗ

میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کا حق دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو حق کارکن اپنے لیڈر کو دیتا ہے میں نے وہ حق ان کو دیا میں نے ان کو لیڈر مانا ہے اور میں نے ان کو لیڈر والا حق دیا ہے۔

فَعَرَفْتُ لَهٗ طَاعَتَهٗ

میں ان کی انگلی کے اشارے پر چلتا تھا میں نے ان کی اطاعت کی ہے۔

وَغَزَوْتُ مَعَهٗ فِىْ جُنُوْدِهٖ

میں ان کی فوجوں کا سپاہی بن کے جہاد پر جاتا رہا ہوں میں نے کارکن کی طرح ان کی اطاعت کی ہے۔

وَكُنْتُ اٰخُذُ اِذَا اَعْطَانِىْ

ہاتھ اور ایک ہاتھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بھی حلف لیا، کہا اگر تجھ پر میں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تو تم پر اطاعت لازم ہے، اس بات کو مانتے ہو۔

تو میں نے کہا، میں مانتا ہوں۔

اور انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حلف لیا کہ اگر میں نے تم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا تو کیا اطاعت کرو گے؟ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا۔

ہاں میں اطاعت کروں گا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب یہ باتیں مکمل ہوگئیں۔

ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِ ابْنِ عَفَّانَ فَضَرَبَ بِيَدْهٖ عَلٰى يَدِهٖ

حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ کر اپنا ہاتھ انکے ہاتھ میں دیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حلف اٹھا چکا تھا اور میں اس کی پابندی کرنے والا تھا۔ فرمایا:

فبايعنا عثمان

ہم نے حضرت عثمان کی بیعت کی اور دو کا بھی ہمیں اختلاف نہیں تھا

ہم نے ویسے ہی مانا ہے جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مانا اور ہم نے پوری طرح اطاعت کی، وفاداری کی۔ دو بندے بھی ہم میں سے ایسے نہیں تھے کہ جن کا

میں نے مجرموں کو کوڑے مارے، میں نے ان کی ہر وقت اطاعت کی ہے۔

ان کے بارے میں وہی لفظ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے بولے تھے استعمال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لیڈر مانا، اور ان کی اطاعت میں دو بندے بھی ایسے نہیں تھے کہ جنہوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک کیا ہو۔ ہم نے مل کر انہیں اپنا لیڈر منتخب کیا تھا۔

فَلَمَّا قُبِضَ

جب ان کا وصال ہو گیا۔

تو انہوں نے چھ حضرات کو معین کیا تھا ان میں میرا نام بھی تھا یہاں بڑی لطیف بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اس وقت مجھے خیال آرہا تھا کہ میرا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق بڑا گہرا ہے، میری رشتہ داری ہے، میری بڑی خدمات ہیں اور دل میں خیال آیا کہ اب باری میری ہونی چاہئے۔ مگر میں نے سوچا اگر میں خود مانگ کے لوں گا یا خود بن جاؤں گا تو قیامت تک Dectatership اور اس طرح کی جو صورت حال ہو گی اس کا مجھے جواب دینا پڑے گا، جتنی حکومتیں بنیں گی اگر مجھ سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نہیں دی، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نہیں دی۔

میں نے اس خیال کو مسترد کر دیا یہاں تک کہ وہ جب چھ لوگوں کی خصوصی میٹنگ جاری تھی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ میں میرا

یہ ہی ایک عافیت کی دلیل ہے اسی پر ہمارے اسلاف قائم ہیں۔ساری امت کا یہی مذہب رہا ہے۔اب اس میں مزید کسی انداز کو اپنانا بالکل درست نہیں ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ ہمیشہ گواہی دیا کرتے تھے،فرمایا کرتے تھے:

لَا یَجْتَمِعُ حُبِّیَ وَبُغْضَ اَبِی بَکْرٍ وَ عُمَرَ فِی قَلْبِ مُؤْمِنٍ

الصواعق الحرمۃ: ص: ٦١

کسی مومن کے دل میں میری محبت اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی عداوت، جمع نہیں ہو سکتے۔

فرمایا کسی مومن کا سینہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس سینے میں میری تو محبت ہو اور میرے یاروں کی دشمنی ہو۔فرمایا جس سینے میں میری محبت ہوگی وہاں میرے ان دو قائدین،ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی بھی محبت ہوگی۔

اللہ کا فضل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے سینے عطا فرمائے ہیں کہ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی محبت ہے اور جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ قائد مانتے ہیں،ان کی بھی محبت ہے ۔اللہ تعالیٰ اس فکر کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اختلاف ہو۔ہم نے بالا تفاق ان کو امیر مان لیا اور ان کے سامنے بھی میں کارکن بن کے کام کرتا رہا۔ میں نے ان کے کہنے پر حدود بھی نافذ کی ہیں، کوڑے مارے ہیں اور ان کے جھنڈے کے نیچے میں نے جہاد کیا ہے اور اس انداز میں جب تک وہ مسند خلافت پہ موجود رہے ہیں، میں بحیثیت ورکر ان کی حکومت کا ایک حصہ بن کر کام کرتا رہا ہوں۔

یہ تینوں حضرات کی خلافت کے لئے جو سیاسی صورتحال تھی ، وہ بھی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کر دی اور اس میں بھی کسی کو اب پنچر لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ تینوں حضرات کی خلافت کو بے غبار مانتے تھے۔خلافت کو خلافت سمجھ کے اس میں کام کرنا عبادت سمجھتے تھے اور اس انداز میں انہوں نے کام کیا ہے اور کرتے رہے ہیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جو حق تھا اور اب جو سوال تھا اس کا جواب دے رہے ہیں کہ میرے پاس لکھا ہوا کچھ نہیں تھا لیکن اب میں خلیفہ اس لئے ہوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اب کوئی ایسا نہیں ہے کہ یہ امانت جس کے ذمے کر دی جائے۔اگر میں کروں تو میں سمجھتا ہوں کہ میں خیانت کروں گا۔لہٰذا میں نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا ہے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انداز فکر ہے اور پوری گفتگو میں اپنی بات کو پوری طرح واضح کیا کہ ہمارا نظریہ کیا ہونا چاہئے،عقیدہ کیا ہونا چاہئے۔یہ ترتیب ہے اور

یہ خلفاء راشدین ہیں جن کو عمومی طور پر خلافت راشدہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

جواب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے صحابی ہیں اور شرف صحابیت ان کو حاصل ہے ان کے بارے میں کسی طرح کے نازیبا الفاظ کا استعمال ناجائز ہے بلکہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اوران کا بیعت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان کے ایمان کے بھی معترف تھے اوران کی شان کے بھی معترف تھے اس پر جب ان پر اعتراض ہوا کہ اے امام حسن رضی اللہ عنہ تم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کیوں کی تو انہوں نے حدیث پیش کی کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

اِنَ ابْنی ھٰذَا سَیِدٌ

میرا یہ بیٹا سردار ہے

لَعَلَ اللّٰہَ اَنْ یُصْلِحَ بِہٖ بِیْنَ فِئَتِیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

بخاری شریف: ۳۷۳/۱

یہ مسلمانوں کی دو بڑی عظیم پارٹیوں میں صلح کروائے گا۔

تو فرمانے لگے میری رسول اکرم ﷺ کی طرف سے یہ ڈیوٹی تھی اور میں نے وہ صلح کرواکے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے دیے ہوئے فریضے کو پورا کر دیا ہے۔

سوالات وجوابات

☆ کیا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین اور اہلبیت کے درمیان رشتہ داریاں ہوئیں؟

جواب: سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت اور خلفاء راشدین کے درمیان رشتہ داریاں ہوئی ہیں، اس کی گواہی یہ ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ مَرَّتَیْنِ

ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دوہرے باپ ہیں۔

کیونکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے قاسم اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

سیر اعلام النبلاء: ۴۳۸/۶

☆ خلفاء راشدین کی تعداد کتنی ہے اور وہ کون کونسے ہیں؟

جواب: اتفاقی مسئلہ کے حوالے سے یہ بات ہے کہ خلفاء راشدین چار ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 8

ماں کی شان اور امتحان

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کیوں کہا تھا کہ ہمارے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے؟

جواب: تاریخ کے اندر کچھ غلط رطب و یابس کو شامل کردیا گیا ہے۔ اصولی لحاظ سے ایسا کوئی اختلاف نہیں تھا اس واسطے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گواہی دی تھی۔

يَا عُثْمَانُ اَنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصًا فَاِن ارادوك على خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ

مشکوۃ شریف: ۵۶۲

اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا۔

اگر منافقین وہ قمیص اتارنا چاہیں تو منافقین کے کہنے پر نہ اتارنا۔ یہاں تک کہ تمہاری ملاقات مجھ سے ہوجائے۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی برحق ہے اور خلافت میں ان کا مؤقف بھی برحق ہے ان کے خلاف نکلنے والے باغی اپنے موقف میں غلط تھے اور کسی طرح بھی ان کے موقف میں صداقت نہیں تھی اور نہ ہی ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی حمایت حاصل تھی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے مکمل برات ثابت کرتے رہے ہیں۔

عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز و محتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے اس پرنور پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

ماں کی شان اور امتحان

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کو وہ مرتبہ اور مقام دیا ہے۔ سمندروں کا پانی اپنی گہرائی کے باوجود خشک ہو سکتا ہے مگر ماں کے دل میں جو شفقت ہے اس کا پانی اپنی اولاد کے لئے کبھی خشک نہیں ہوتا۔

انسان کو کسی شجر سایہ دار کے نیچے بیٹھنے سے وہ چین میسر نہیں آتا جو راحت اس کو ماں کے دامن سے میسر آتی ہے۔ انسان کے سر سے بہت بوجھل گٹھری اتارنے سے اس کو اتنی راحت محسوس نہیں ہوتی جتنی راحت اس کو ماں کے دست شفقت سے حاصل ہوتی ہے۔

انسان کائنات میں کتنی ہی بڑی کرسی پر بیٹھ جائے تو اس کو اتنی بلندی میسر نہیں

اَحۡمَدُکَ اللّٰھُمَّ یَامُجِیۡبَ کُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ ھُوَ

اَفۡضَلُ الۡوَسَائِلِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ ذَوِی الۡفَضَائِلِ

اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسَانًا حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ کُرۡھًا وَوَضَعَتۡہُ کُرۡھًا

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ

وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی آلِکَ وَاَصۡحَابِکَ یَا حَبِیۡبَ اللّٰہِ

مَوۡلَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، واعظم شانہٗ، واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ

gave birth him pain.

''ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم کیا اس کی والدہ نے اس کو درد کے ساتھ اٹھائے رکھا اور اس نے درد کے ساتھ اس کو جنم دیا۔''

قرآن مجید کا یہ مضمون اور یہ مقام میں نے اس موضوع کے لئے اس لئے منتخب کیا ہے کہ امام رازی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں۔ احقاف کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں کا ذکر کیا یعنی والدین کا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسَانًا

ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ یعنی دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

دونوں کو اکٹھا ذکر کرنے کے بعد آگے اللہ تعالیٰ بطور خاص والدہ کا ذکر فرما رہا ہے۔

حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا

اس کی والدہ نے اس کو تکلیف کے باوجود محفوظ رکھا۔ اور اٹھائے رکھا۔

وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا

اور وقت آنے پر اس کی والدہ نے درد کے ساتھ جنم دیا۔

تو امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تعمیم کے بعد جو تخصیص کی ہے تو اس سے ظاہر کرنا مقصود ہے کہ والدہ کا مرتبہ باپ کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ پہلے دونوں کا ذکر کیا پھر ان دو میں سے والدہ کو جدا ذکر کیا۔ چونکہ اولاد کے لئے اس کی مشقت زیادہ ہے، اولاد پر اس کا احسان زیادہ ہے۔ وہ مدت حمل کی تکلیف ہو، مصائب ہوں یا وضع حمل۔ وقت

آتی جتنی بلندی اس کو اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھنے سے میسر آتی ہے۔ اسے کائنات کے کسی لقب میں، دنیا کی کسی عزت میں اور دنیا کے کسی ایوارڈ سے ایسا سرور نہیں ملتا جو سرور اسے اپنی ماں کے بولے ہوئے مختصر سے جملے سے میسر آتا ہے۔

انسان اپنی زندگی کے اور عمر کے کسی حصے میں پہنچ چکا ہو اس کو اپنی ماں سے اسی پیار کی طلب ہوتی ہے جو ایک چھوٹے سے بچے کو اپنی ماں سے تقاضا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس کی ماں کو بہت بڑا ابر کرم بنایا ہے۔ اور رحمت کا سائبان بنایا ہے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام حضرت کو کہ جن کی مائیں زندہ ہیں انہیں یہ نعمت تا دیر عطا فرمائے رکھے اور میرے سمیت سب کی مائیں جو زندہ ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے۔

اور جن کی ماؤں کا وصال ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے صدقے فردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

جن کے والدین زندہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو طویل زندگی عطا فرمائے اور جن کے والدین وصال فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر والدین کا تذکرہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الاحقاف کی آیت نمبر ۱۵ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا

And we commanded man to do good with his parents. His mother bore him with pain and

یہ حدیث شریف موجود ہے:

اَلْمَرْأَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدَةٌ النہایہ: ۲۹۶/۱

اگر کوئی عورت ولادت کے درد کی وجہ سے فوت ہو جائے تو اسکو شہید قرار دیا جائے گا۔

یعنی وہ عورت کہ جس کے پیٹ میں بچہ فوت ہو گیا اور اس کی اپنی زندگی بھی نہ بچ سکی اس کو جمع کہا جاتا ہے۔ اس کو رسول اللہ ﷺ نے شہید قرار دیا۔ اس کو شہادت کا اجر ملے گا۔ اس مقام پر آپ کا جو فرمان کنز العمال میں موجود ہے۔ وہ ماں کی عظمت کے چودہ طبق روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔

میرے محبوب ﷺ ارشاد فرما رہے تھے:

اَلْمَرْأَةُ اِذَا حَمَلَتْ كَانَ لَهَا اَجْرُ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُخْبِتِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

کنز العمال: ۴۱۲/۱۶

ایک عورت جو مومنہ ہے مسلمہ ہے اور سنت کے سہارے سے سنت کے بعد وہ ایک بچے یا ایک بچی کی ماں بننے والی ہے اور مدت حمل گزر رہی ہے تو رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسی پوری مدت میں نو مہینے تک اللہ تعالیٰ اس کو چار عظیم مردوں کا اجر عطا فرمائے گا۔

چار عظیم مرد کون سے ہیں۔ فرمایا:

اَلصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُخْبِتِ الْمُجَاهِدِ

ولادت کا درد ہو یا اس کے بعد مدت رضاعت کی قربانی ہو۔

چونکہ دودھ کے لحاظ سے بچے کی نگہبانی اور اس کے بعد بچے کے آرام کا خیال کرنا خود تر بستر پر ہونا اور بچے کو خشک بستر دے دینا۔ رات دن اس کی حفاظت کرنا اور اس کی تربیت کرنا یہ ساری مشقتیں والدہ برداشت کرتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس ماں کا ذکر بالخصوص آخر میں کیا ہے۔ ایک تو احسان والدین کے ساتھ ہے یعنی دونوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور پھر بالخصوص والدہ کا علیحدہ ذکر فرمایا۔ جس طرح کہ آپ سورۃ القدر میں دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ

اترتے ہیں فرشتے اور حضرت جبریل علیہ السلام۔

حالانکہ جبریل بھی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے تو الملائکۃ میں ان کا ذکر آ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ملائکہ میں ان کی امتیازی شان ہے۔ اس کے پیش نظر ان کا علیحدہ تذکرہ بھی فرما دیا۔

تو اگرچہ والدین میں والدہ کا ذکر بھی آ گیا اور حسن سلوک کا تذکرہ بھی آ گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی شان کو ظاہر کرنے کے لئے اس کو مستقل طور پر بھی ذکر فرمایا ہے۔

والدہ کا مرتبہ اور مقام اور اس لحاظ سے قرآن مجید برہان رشید کی جو تشریحات ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے جو فرامین ہیں ان کو سامنے رکھیں تو یہ ساری حکمتیں اجاگر ہوتی ہیں کہ والدہ کو یہ مقام کس لئے دیا گیا۔ یہاں تک کہ النہایہ میں

ایسے ہی فرمایا کہ جس وقت اس کی تکلیف کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، جب بچے کی ولادت کا وقت آتا ہے۔

اِذَا ضَرَبَهَا الطَّلَقُ

جب اسے درد ہوتا ہے۔

طلق اس درد کو کہا جاتا ہے جو ولادت سے پہلے اور ولادت کے وقت ہوتا ہے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَاتَدْرِی الْخَلَائِقُ مَالَهَا مِنَ الْاَجْرِ

جب وضع حمل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

كَانَ لَهَا بِكُلِّ مَصَّةٍ اَوْ رَضْعَةٍ اَجْرُ نَفْسٍ تُحْيِيهَا

کنز العمال: ۴۱۲/۱۶

مدت رضاعت کے اندر جتنی دیر تک وہ بچہ یا وہ بچی اپنی والدہ کا دودھ انہوں نے پینا ہے۔ ہر گھونٹ کے بدلے اللہ تعالیٰ اس مومنہ عورت کو جس کا دودھ بچہ پی رہا ہے ہر گھونٹ کے بدلے اللہ تعالیٰ اس ماں کو ایک جان زندہ کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔ ایک جان کو زندہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

مدت رضاعت میں دو ہزار گھونٹ یا پانچ ہزار گھونٹ یا دس ہزار گھونٹ ایک بچہ اپنی والدہ کے پی رہا ہے۔ اگرچہ والدہ خود خوش ہوتی ہے اگر وہ نہ پلائے تو اس کو

یعنی وہ بندہ جو ساری رات عبادت کرے، سارا دن روزہ رکھے، روزانہ رکھے، پھر تلوار لے کر کفار کے خلاف جہاد بھی کرے اور اس سارے عمل کے اندر اللہ کا متواضع بندہ بھی رہے۔

ایسے انسان کو جتنا اجر ملتا ہے اتنا اجر نو مہینے تک اس عورت کو ملے گا جو ایک بچے کی ماں بننے والی ہے۔

اَجْرُ الصَّائِمِ

ایک انسان کے لئے کتنا مشکل ہے کہ وہ روزانہ روزہ رکھے، پھر روزہ رکھ کے وہ جہاد بھی کرے اور رات اس کی مصلی پر ہو۔ یہ ساری صورت حال رسول اکرم ﷺ کے سامنے ہے اور وہ وجہ کہ جس کی بنیاد پر ماں کا حق زیادہ بنتا ہے اور اس کی تعظیم زیادہ اور اس کا مقام زیادہ ہے۔ محبوب علیہ السلام نے اپنی حدیث میں یوں اجاگر کر دیا اور قیامت تک کے لئے ایک مومنہ کو ایسا مرتبہ دیا کہ وہ کبھی بھی غیروں کے جھانسے میں نہ آئے کہ جو کہیں کہ ہم خواتین کو بڑے حقوق دے رہے ہیں اور ہمارے ہاں خواتین کی بڑی شان ہے جن کے ہاں عورت کو معاذ اللہ ایک کمرشل چیز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

محبوب ﷺ نے مسلم خاتون کو یہ واضح کیا کہ ہمارے ہاں تیرا اتنا مرتبہ د مقام ہے کہ یہ مدت جو مدت حمل ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاتون کو گھر بیٹھے مجاہد کا ثواب بھی ملے گا، روزے دار کا ثواب بھی ملے گا اور متہجد کا ثواب بھی ملے گا اور ساری رات اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے صوفی کا ثواب بھی دے دیا جائے گا۔

دودھ جب تک اس کا بچہ پی رہا ہے ہر گھونٹ پر ایک جان کے زندہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

وَاِذَا فَطَمَتْ

جب وہ اپنے بچے کا دودھ چھڑاتی ہے اور فارغ ہو جاتی ہے۔

ضَرَبَ الْمَلِكُ عَلٰی مَنْكَبِهَا

پھر اس کے کندھے پر فرشتہ ہاتھ رکھتا ہے۔

وہ کہتا ہے:

اِسْتَأْنِفِی الْعَمَلَ

کنز العمال: ۴۱۲/۱۶

جس عمل سے تم پہلے گزری ہو اس کو دوبارہ شروع کرو۔

یہ سارا جتنا بھی اس کی زندگی کا مرحلہ ہے اور تولید کے لحاظ سے جو اس کی شان ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر پسند کیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے اجر کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کر دیا ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے ماں تو ایک نیکیوں کا مرکز ہے کہ کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ اس کو ضرور نیکی عطا فرما رہا ہے۔

اس کے بعد ماں کا مقام دیکھنے کے لئے پہلے ہم اس موضوع کو سامنے رکھتے ہیں۔

نبوت اور اطاعت والدہ

انسانوں میں سب سے بڑی شان پیغمبروں کی ہے۔ عام لوگوں میں مومن افضل ہے، مومنوں سے ولی افضل ہے، ولیوں میں نبی افضل ہیں، نبیوں میں سے رسول افضل

چین نہیں آتا اور اس کی طبیعت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے جگر پارہ کو دودھ پلائے لیکن چونکہ اس نے اسلام کی چادر اوڑھی ہے اور سنت طریقے سے وہ اس منصب پر فائز ہوئی ہے تو پاک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کو اتنا اجر دیا گیا کہ جتنے گھونٹ دودھ کے اس کا بیٹا یا بیٹی وہ پیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک جان زندہ کرنے کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

لہذا اسلام میں ہر ماں کئی جانوں کو زندہ کرنے والی قرار پائی ہے۔ چونکہ جب اس کی اولاد ہے تو یقیناً اولاد اس کا ددھ پیتی ہے اور دودھ پینے کی وجہ سے اس کو اجر و ثواب ملتا ہے تو یہ ایک بہت بڑا اعلی وقار و مرتبہ ہے ماں کے لئے۔ جو بظاہر کام اپنا کر رہی ہے۔ اپنے بیٹے کو دودھ پلا رہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے کوٹے میں اتنی بڑی نیکیاں شمار ہو رہی ہیں۔ ایک جان کو زندہ کرنے کی جو نیکی ہے اس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا اور یہ گھر بیٹھی اپنے بستر پر لیٹی اپنے گھر میں بغیر کسی تکلیف کے روزانہ سینکڑوں جانوں کو زندہ کرنے کا ثواب لیتی ہے۔

جس دین سے اتنا ثواب ملتا ہے وہ دین دنیا کا کامل ترین دین ہے۔

یہ اسلام ہے جو کائنات میں اس بات کو عام کر رہا ہے کہ جتنی عظمت اسلام نے ایک خاتون کو دی ہے اتنی عظمت اور وقار دنیا کے بنائے ہوئے کسی قانون اور ضابطے میں کہیں بھی کسی عورت کو عطا نہیں کیا گیا۔ اب یہ جو وجہ تھی

حَمَلَتۡهُ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا

اس کی وضاحت حدیث شریف سے بھی سامنے آ گئی۔

اور میرے رب نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔

مَادُمْتُ حَيًّا

جب تک میں زندہ ہوں میں یہ کام کرتا رہوں گا۔

اب بڑی بڑی جو نبوت کی شانیں ہیں۔ ان کو پنگھوڑے میں بیان کیا جا رہا ہے۔ جب یہاں تک پہنچے تو اگلی شان کیا تھی۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي

اللہ تعالیٰ نے مجھے میری والدہ کیساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے۔"

یعنی کس سٹیٹس (Status) کا ذکر ہو رہا ہے۔ نبوت کا تذکرہ ہے کہ اللہ نے مجھ اپنا بندہ بنایا ہے، مجھے کتاب دی، اللہ نے مجھے یہ شان دی کہ میں نماز پڑھوں گا اور میں زکوٰۃ دیتا رہوں گا یہ ساری بڑی بڑی صفتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا بنایا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي

مجھے میری والدہ کیساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے۔

لہٰذا نبوت کی شان کی وضاحت کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ شعبہ بھی رکھ دیا کہ وہ پیغمبر نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود وہ اس سے مستغنی نہیں ہیں کہ وہ اپنی والدہ کو چھوڑ دیں اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کو اس بنیاد پر ترک کردیں کہ جب رب نے مجھے نبوت کی شان دی ہے تو مجھے والدہ کی خدمت کی ضرورت کیا ہے۔

فرمایا: نہیں نہیں۔ جن کے سروں پر نبوت کا تاج سجتا ہے وہ بھی اپنی والدہ

ہیں تو جو افضل ترین مخلوق ہے انسانوں میں سے انبیاء کرام علیہم السلام۔ان کے لحاظ سے جو والدہ کا مقام و مرتبہ ظاہر کیا گیا۔اس کو دیکھئے سورۂ مریم میں ہے۔

جس وقت حضرت مریم علیہا السلام قوم کے پاس آئیں اور آپ کا جگر پارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ ہیں اور ابھی چند دن کے ہیں۔قوم پوچھتی ہے یہ تم کہاں سے لے آئی ہو آپ کہتی ہیں میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔

اسی سے پوچھو میں نے بولنے کا روزہ رکھا ہوا ہے کہ میں بولوں گی نہیں، کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی ،ان سے پوچھ لو۔لوگ کہہ رہے ہیں ان سے کیا پوچھیں یہ تو ابھی پنگھوڑے میں ہیں،تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے:

اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔

آتَانِیَ الْکِتَابَ

اللہ نے مجھے کتاب دی ہے۔

وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا

اور اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔

جَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں رہوں گا ہر طرف جدھر بھی میں رہوں گا برکت میرے ساتھ ہوگی۔

وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تو اللہ بھی فرماتا ہے:

حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ

مشکوٰۃ شریف: ۷۸

میرے بندے نے میری حمد کی ہے

یعنی جملہ کا جملہ کے ساتھ جواب ملتا ہے۔

بڑا ہی اہم مقام ہوتا ہے فاتحہ پڑھنے کا۔ اب میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں۔
نماز عشاء کا وقت ہوتا میں نماز پڑھ رہا ہوتا اور فاتحہ پڑھ چکا ہوتا اس کے بعد کیا ہوتا۔

فرمایا: کاش کہ میری والدہ طیبہ، طاہرہ، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا وہ مجھے آواز دیتی:

تُنَادِیْ یَا مُحَمَّدُ ﷺ

وہ مجھے محمد ﷺ کہہ کر آواز دیتیں اور پکارتیں۔

تو میں کیا کرتا۔

لَاَجَبْتُهَا لَبَّیْكَ

بیہقی شعب الایمان، حاوی: ۳۳۳/۲

تو لبیک کہتا ہوا ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔"

اب دیکھئے پہلے آپ نے والدین کا تذکرہ کیا پھر فرمایا ان میں سے ایک لیکن آگے جو لفظ استعمال کیا تو مونث کا۔

تُنَادِیْ

کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی سیرت کا اہم باب قرار دینے والے ہیں۔

ایسے ہی رسول اکرم ﷺ کا فرمان الحاوی میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے۔ میرے محبوب ﷺ فرمانے لگے:

لَوْ اَدْرَکْتُ وَالِدَیَّ اَوْ اَحَدَهُمَا

''کاش کہ میں اپنے والدین کو پاتا یا دونوں میں سے ایک کو پالیتا۔

وَالِدَیَّ اَوْ اَحَدَهُمَا

ابا جی اور امی جی کو دونوں کو میں اپنی زندگی میں پالیتا یا اس وقت ان میں سے کسی ایک کو پالیتا۔ پہلے لفظ عام بولا کہ میرے والد مل جاتے یا والدہ مل جاتیں میں نبوت کا اعلان کر چکا ہوتا مجھے یہ بہار بھی میسر آتی کہ میرے ابا جان مجھے منصب نبوت پر دیکھتے اور میری امی بھی مجھے منصب بنوت پر دیکھتیں، پھر فرمانے لگے:

وَاَنَا فِیْ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ

حالت یہ ہوتی کہ نماز عشاء کا ٹائم ہوتا اور میں نماز عشاء میں ہوتا۔

وَقَدْ قَرَأْتُ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ

اور فاتحہ پڑھ چکا ہوتا۔

مطلب یہ نہیں کہ ابھی نماز شروع کی ہے۔ نماز کا اہم حصہ میں ادا کر چکا ہوتا ۔ فاتحہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، حدیث قدسی ہے:

کہ فاتحہ میرے اور بندے کے درمیان نصف نصف ہے۔ آدھی بندے کے لئے ہے اور آدھی میرے لئے ہے یعنی ادھر بندہ بولتا ہے:

اے میری امی! میں تمہارے پاس بار بار حاضر ہوں۔

اگر معاذ اللہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان کے بارے میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ ہوتا یا ان کے فضائل میں کوئی کمی ہوتی، تو ہرگز رسول اکرم ﷺ اعلانِ نبوت کے بعد اور نماز کا مقام واضح کرنے کے بعد یہ نہ کہتے کہ وہ نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے وہ میں پڑھ رہا ہوتا اور ادھر میری امی بلاتیں اور میں نماز چھوڑ کے بھی چلا جاتا۔

میرے محبوب علیہ السلام کا یہ جملہ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ لبیک کہتے ہوئے میرا جانا قیامت تک میری امت کیلئے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ میری والدہ کے بارے میں بولتے وقت ادب اور احترام سے بولیں کہ جن کو میں لبیک کہہ رہا ہوں وہ میرے غلاموں کی کتنی بڑی مخدومہ ہوں گی۔

کتنے ادب سے نام لوں ام رسول کا
لازم ادب بہت ہے اصل الاصول کا

بنت وہب مقام ہے تیرا بڑا بلند
چرچا ہے سب بہاروں میں اک تیرے پھول کا

جس کی نگاہ میں ام نبی کا حیا نہ ہو
وارث ہے ابوجہل کا ابن سلول کا

آصف کی یاالٰہی تجھ سے ہے یہ دعا
ڈنکا بجاؤں ہر جگہ عشق رسول کا

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمارے محبوب ﷺ کہ جن کے

میری امی مجھے آواز دیتیں اور میں نماز پڑھ رہا ہوتا۔

وہ مجھے آواز دیتیں تو میں کہتا لبیک تمہارے دربار میں حاضر ہوں۔ اب یہاں سے جہاں عظمت والدہ کا پتہ چلا وہاں محبوب ﷺ کی والدہ کی عظمت کا بھی پتہ چلا۔ وہ محبوب ﷺ جن کو پوری کائنات لبیک یارسول اللہ ﷺ کہتی ہے ہر مومن صالح، ہر مومن کامل اور ہر عقیدہ صحیح کا حامل مسلمان وہ آج بھی کائنات کی دھرتی میں جہاں رہتا ہے وہ

لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

کی آواز کو بلند کرتا ہے۔ ابھی جو پچھلے کچھ مہینوں میں مسئلہ چلا تھا گستاخانہ خاکوں کا۔ وہ ممالک جہاں ایک خاص قسم کے فرقے کے لوگوں نے لوگوں کے عقائد پر پردہ ڈال کے وہاں کے حالات کو پوری طرح محبوس کیا ہوا تھا لیکن اس مسئلہ پر وہاں بھی لوگوں نے عام اپنی دوکانوں پر جو پوسٹر لگائے تو وہ یہی تھے:

لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

پوری کائنات جسے کو لبیک لبیک کہتی ہے۔ آخر وہ کس کے لئے لبیک کہہ رہے ہیں۔

کاش میری امی مجھے آواز دیتی تو میں بولتا:

اَجَبْتُهَا

نماز چھوڑ دیتا ان کے پاس چلا جاتا میں ان کو جواب دیتا۔

لَبَّیْكَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر ان کے لئے بچھادی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے لئے اپنی چادر بچھائی ہے۔

فَقَعَدَتْ عَلَيْهِ

وہ آ کے اس چادر پے تشریف فرما ہوگئی ہیں۔

یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو Protocol دیا ہے انہوں نے اس اعزاز کو قبول بھی کیا ہے وہ اپنے آپ کو مستحق سمجھ رہی تھیں کہ یہ جو چادر بچھی ہے تو بیٹھنے میں کوئی گستاخی نہیں، میں بیٹھ جاتی ہوں، بیٹھ گئیں۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حیران تھا کہ یہ کونسی خاتون آئی ہیں جن کے اعزاز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر بچھادی ہے اور انہوں نے اس کو قبول بھی کرلیا ہے۔ میں نے بڑے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے پوچھا:

مَنْ هٰذِهٖ

یہ کونسی خاتون ہیں۔

کہ جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چادر بچھائیں اور وہ آ کے بیٹھ جائیں، یہ کون ہیں، کہتے ہیں جب میں نے پوچھا۔

قَالُوْا

مجھے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بتایا۔

اُمُّهُ الَّتِيْ اَرْضَعَتْهُ

ابوداؤد شریف: ح: ۵۱۴۴

قدموں کی خاک سے ہم کروڑ درجہ ادنی ہیں۔ جب وہ محبوب ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ

لَاَجَبْتُهَا

میں اپنی امی کو جواب دیتا اور لبیک کہتا۔

اس سے پتہ چلا کہ محبوب ﷺ کے دل میں اپنی والدہ طیبہ طاہرہ کا کتنا بڑا مرتبہ ومقام ہے۔ اسی کے ساتھ جس وقت سید عالم ﷺ مقام جعرانہ پر تشریف فرما تھے۔

ابو داؤد شریف میں یہ حدیث شریف موجود ہے۔ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، کہتے ہیں:

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَسِّمُ لَحْمًا بِالْجِعِرَّانَةِ

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جعرانہ مقام پر گوشت تقسیم کر رہے تھے۔

وَاَنَا غُلَامٌ شَابٌّ

اور میں اس وقت نوخیز نوجوان تھا میری زیادہ عمر نہ تھی۔

فَاَقْبَلَتْ اِمْرَءَةٌ

ایسے میں ایک خاتون آ گئیں۔

جس وقت وہ آگے تشریف لائیں تو کیا ہوا۔

لَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

جب نبی اکرم ﷺ نے ان کو آتے دیکھا۔

بَسَطَ لَهَا رِدَاءَهٗ

جن کی وجہ سے تم اویس رضی اللہ عنہ کو پہچان سکو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو بھی یمن سے گروہ آتا، تو میں پوچھتا تھا:

اَفِيْكُمْ اُوَيْسٌ

کیا تم میں اویس رضی اللہ عنہ نامی انسان ہے؟

لیکن آگے سے کوئی جواب نہ ملتا۔ بہت دیر پوچھتے رہے لیکن کوئی بندہ اویس رضی اللہ عنہ نامی نہ ملا۔ بالآخر ایک دن میں نے ایک شخص سے پوچھا:

اَنْتَ اُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ

کیا تم اویس بن عامر رضی اللہ عنہ ہو۔

تو انہوں نے جواب دیا۔

نَعَمْ

ہاں۔ میں اویس بن عامر رضی اللہ عنہ ہوں۔

تو میں نے کہا:

وَكَانَ بِكَ بَرْصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ اِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ

کیا تم برص کے مریض رہے ہو تو انہوں نے کہا ہاں میں مریض رہا ہوں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے نبی ﷺ نے خبر دی تھی کہ ایک یمن سے بندہ آئے گا اس کا نام اویس رضی اللہ عنہ ہوگا اور اس کو برص کا مرض ہوگا مگر وہ ٹھیک ہو چکا ہوگا اور ایک درہم جتنا پیچھے باقی ہوگا۔ وہ نشان ابھی باقی ہے۔

تو حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے دکھا دیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ

یہ ان کی وہ والدہ ہے جنہوں نے دودھ پلایا ہے۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا انہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی وجہ سے ان کی عظمت یہ ہے اگر چہ حقیقی ماں نہیں، رضاعی ماں ہیں، محبوب ﷺ نے ان کے لئے چادر بچھائی ہے ان کو بٹھایا ہے تو جو رضائی ماں اتنے مقام کی حامل ہوں تو وہ عظیم والدہ جن کے شکم پر نور میں میرے محبوب ﷺ نے نو مہینے گزارے ہوں تو ان کے پیکر کے تقدس کا عالم کیا ہوگا، طہارت اور مرتبہ کی حیثیت کیا ہوگی۔

میرے محبوب ﷺ نے رضائی والدہ کا ادب واحترام کرتے ہوئے قیامت تک کے لئے ایک ماں کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے کہ محمد ﷺ جو سارے رسولوں کے قائد ہیں اور سب مخلوقات میں سے افضل ترین انسان ہیں اور ساری مخلوقات میں اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور برگزیدہ ہیں انہوں نے بھی ماں کی عظمت اور احترام کوملحوظ خاطر رکھا ہے اور قیامت تک کے لئے اپنی امت کو ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کا عملاً سبق عطا فرما دیا ہے۔

ولایت اور اطاعت والدہ

ولایت اور خدمت والدہ بھی ایک حسین اسلوب ہے اس میں اختصار ملحوظ ہے۔ صرف ایک ایک مثال پیش کر رہا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

مجھے محبوب ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ یمن سے تمہارے پاس مدد آئے گی تو جو لوگ مدد لینے کے لئے پہنچیں گے ان میں ایک بندہ آئے گا جس کا نام اویس ہوگا اس سے تم دعا بھی کروانا اور اس کی علامات میں بیان کر دیتا ہوں

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے محبوب ﷺ نے جو علامات بتائیں تھیں اور دوسرے لفظوں میں جو غائب کی خبریں دی تھیں، ایک نہیں متعدد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یقین ہے کہ ان میں سے کوئی خبر جھوٹی نہیں ہے اور ساری سچی ہیں مجھے آپ نے یہ بتا دیا تھا۔

لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ

اس کو رب نے اتنی شان عطا فرمائی ہوگی اور ان کی شان یہ ہوگی اگر وہ قسم اٹھا دیں گے کہ اے رب یہ کام یوں ہونا چاہئے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم جھوٹی نہیں ہونے دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ پوری فرما دے گا۔

اور مجھے محبوب ﷺ نے یہ کہا تھا۔

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ

مسلم شریف: حدیث نمبر: ۲۵۴۲

اے عمر رضی اللہ عنہ اگر کروا سکو تو اپنے لئے ان سے دعا کروا لینا۔

انہیں کہنا میں تجھ سے دعا کروانا چاہتا ہوں پھر دعا بھی حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کر دی۔

یہ بھی پتہ چلا کہ کبھی مفضول کی دعا افضل کے حق میں مفید ہو جاتی ہے۔

یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے کروڑ مرتبہ افضل ہیں چونکہ آپ صحابی ہیں اور حضرت اویس رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، خلفاء راشدین میں ہیں اور دوسرے خلیفہ ہیں۔

عنہ کہنے لگے:

لَكَ وَالِدَةٌ

آپ کی والدہ بھی ہے؟

تو حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میری والدہ ہے۔تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَأتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعْ اَمْدَادِ اَهْلِ الْيَمَنِ

تمہارے پاس حضرت اویس بن عامر رضی اللہ عنہ اہل یمن کی کمک کے ساتھ آئے گا۔

مَكَانٌ بِهٖ بَرَصٌ فَبَرَاءَ مِنْهُ اِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ

ان کو برص کا مرض ہوگا وہ اس سے ٹھیک ہو چکے ہوں گے لیکن ایک درہم جتنا پیچھے باقی ہوگا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَهٗ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ

اس کی ایک والدہ ہے جس کی وہ بہت خدمت کرنے والے ہوں گے۔

تو کیا تمہاری والدہ زندہ ہے اور تم ان کے خدمت گزار ہو تو حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میری والدہ زندہ ہے اور میں اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف رہا ہوں۔

نے کیا کیا اتنا اپنا مالی نقصان کر دیا۔ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنو میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ اس واسطے کہ

اِنَّ اُمِّیْ سَأَلَتْنِیْهِ

میری امی نے مجھ سے یہ چیز مانگی تھی، میری والدہ نے مجھے کہا تھا مجھے ایسی چیز چاہئے اور میرا عقیدہ کیا ہے۔

لَاتَسْأَلُنِیْ شَیْأً اَبَدًا اِلَّا اَعْطَیْتُهَا

طبرانی معجم کبیر: ۱۵۹/۱

میری ماں مجھ سے جو چیز مانگے میرے بس میں ہو کہ میں وہ دے سکوں۔ اگر چہ مجھے کتنا ہی نقصان ہو جائے میں اپنی ماں کی وہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ اس سلسلے میں پیچھے نہیں رہوں گا۔

تو چونکہ انہوں نے اس کا تقاضا کیا تھا، لہٰذا اس تقاضے کو پورا کرتے ہوئے میں نے وہ کھجور کاٹ دی ہے۔ چونکہ مجھے جو مرتبہ و مقام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کا سکھایا ہے اس مقام کی وجہ سے میں اس کو کوئی بڑی قیمت نہیں سمجھتا۔ میں سمجھتا ہوں اگر میری امی دعا دیں گی تو یہ چھوٹی سی قیمت ہے جو میں نے رحمتوں کے حصول کے لئے پیش کر دی ہے۔"

کام چھوٹا انعام بڑا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ عمل بھی یقیناً آپ کی تبلیغ اور وعظ کا حصہ تھا اب اس سعادت کا اگر ہم اختصار کے ساتھ جائزہ لینا چاہیں کہ ماں

آپ ان سے افضل ہیں لیکن جو غیر افضل ہو اس کی دعا افضل کے حق میں مفید ہو سکتی ہے با قاعدہ دعا کروائی ہے اور پھر وہ نقطہ جو خدمت ماں کے لحاظ سے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ نے حضرت اویس رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ان کی سیرت کا مین (main) تعارف کروایا ہے ان میں سے سرفہرست یہ بات بیان کی ہے کہ وہ ایسے انسان ہونگے تابعین میں ہونے کے باوجود ان کی دعائیں قبول ہوں گی۔ ان کی سیرت یہ ہے کہ وہ اپنی والدہ کے حد درجے کے اطاعت گزار ہوں گے۔

ایسے ہی ہم دیکھتے ہیں تو کتب احادیث کے اندر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہاں ایسا جذبہ موجود ہے۔ طبرانی معجم کبیر میں ذکر کیا ہے۔

محمد بن سیرین جو تابعین میں بہت بڑے امام ہیں جو خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو کھجور کی قیمت بہت بڑھ گئی یعنی کھجور کا درخت یہاں تک کہ ہزار درہم اس کی قیمت ہوگئی اس زمانہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کھجور کا درخت کاٹا اور کھجور کے درخت کے تنے میں ایک چربی جیسی چیز ہوتی ہے جس کو کھجور کی شحم کہتے ہیں وہ بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وہ نکالی اور اپنی والدہ کو پیش کردی۔

لوگوں نے بڑا تعجب کیا کہ کھجور کا ریٹ اتنا بڑھ چکا ہے اور ایک ہزار درہم کی کا درخت ہو چکا ہے، ایسے میں تم نے ساری کھجور ضائع کردی، کھجور کاٹ دی اور یہ تم

چونکہ میرے محبوب ﷺ کو سائل کے چہرے کا ہی نہیں، دل کا بھی پتہ ہوتا ہے کہ اصل پیچھے پس منظر کیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

وَيْحَكَ اَحَيَّةٌ اُمُّكَ

(ویحک) کا بظاہر معنیٰ یہ ہے کہ تو تباہ ہو جائے لیکن نبی ﷺ کسی صحابی کو یہ فرمائیں تو مطلب ہوتا ہے تو جیتا رہے اور تو جنت میں سلامت رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں اب محبوب ﷺ اصل میں جو اس کے دل میں مسئلہ تھا وہاں تک پہنچ گئے اور پوچھا کیا والدہ تمہاری زندہ ہے تو کہنے لگے۔

نَعَمْ

ہاں یا رسول اللہ ﷺ والدہ میری زندہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِرْجِعْ اِلَيْهَا فَبِرَّهَا

ابن ماجہ: ح: ۲۷۸۱

گھر واپس لوٹ جاؤ اپنی والدہ کی خدمت کرو۔

تجھے میرے ساتھ میری قیادت میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے شوق بڑا تھا اور میرا دل تو مرجھا گیا کہ مجھے محبوب ﷺ نے قبول ہی نہیں کیا۔

کہتے ہیں پہلے میں نے دائیں طرف سے پوچھا تھا مجمع لگا ہوا تھا میں چلتا چلتا بائیں طرف سے آ گیا اور پھر میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ:

اِنِّىْ كُنْتُ اَرَدْتُّ الْجِهَادَ

اکرم ﷺ نے اس بندے کو حیثیت دے دی کہ جو جہاد کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور شوق رکھتا تھا یہ والدہ کی خدمت اتنا بڑا کفارہ بن گئی کہ اس نے ایک کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو متعدد انعام عطا فرما دیے گئے ہیں۔

خدمت والدہ کی تاکید

سید عالم ﷺ نے بار ہا خدمت والدہ کی تاکید کی ہے اور اس سلسلے میں متعدد احادیث موجود ہیں بالخصوص حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔

قُلْتُ یَارَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنِّیْ کُنْتُ اَرَدْتُّ الْجِھَادَ مَعَکَ

ابن ماجہ: ح: ۲۷۸۱

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں یہ کافی دیر سے ارادہ کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ مجھے جہاد کرنے کی سعادت حاصل ہو کہ آپ کی قیادت میں جہاد کو جاؤں۔ یہ میرا بڑا شوق ہے اور یہ میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔

اَبْتَغِیْ بِذَالِكَ وَجْہَ اللّٰہِ

اور یہ میرا شوق اس لئے ہے تا کہ اللہ کی رضا مجھے حاصل ہو۔

مجھے کوئی نمائش کی ضرورت نہیں، میں اللہ کی رضا کے لئے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔

وَدَارَ الْاٰخِرَۃِ

اور دار آخرت کے لئے میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔

تو کہتے ہیں:

نَعَمْ ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِرْجِعْ اِلَیْهَا فَبِرَّهَا

جاؤ اپنی والدہ کی خدمت کرو۔

وَیْحَكَ اَلْزِمْ رِجْلَهَا

اپنی ماں کے قدموں میں رہو اس کے قدم سے وابستہ ہو جاؤ

فَثَمَّ الْجَنَّةُ

ابن ماجہ: ح: ۲۷۸۱

تیری جنت وہاں پہ آباد ہے"

اب تین بار حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا ہے اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بار ان کو لوٹا کے واپس والدہ کے پاس بھیجا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس حد تک اپنی امت کو والدہ کی خدمت کی تلقین کی ہے اور اس خدمت کا کتنا بڑا اجر و ثواب بیان کیا ہے

ضمناً اس حدیث میں یہ بھی آ گیا ہے کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو سوال کسی سے فرماتے ہیں تو مقصد یہ نہیں ہوتا کہ خود پتہ نہیں ہے، اس لئے پوچھ رہے ہیں کم از کم پوچھنے سے تو پتہ چل ہی گیا تھا جب پہلی بار پوچھا تھا تو انہوں نے کہا زندہ ہے۔

مدتوں سے میرا جہاد کرنے کا شوق تھا اور آپ کی قیادت میں کرنا چاہتا ہوں۔ اور آج آیا ہوں مجھے قبول فرمالو۔ آخرت کے لئے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ تو محبوب ﷺ نے پھر پوچھا:

اَحَيَّةٌ اُمُّكَ کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔

تو کہتے ہیں:

نَعَمْ ہاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِرْجِعْ اِلَيْهَا فَبِرَّهَا .

جاؤ اپنی والدہ کی خدمت کرو۔ اللہ تعالیٰ تجھے میرے ساتھ مل کے جہاد کا ثواب عطا فرمادے گا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں پھر مایوس ہوا۔ کہ دوسری بار بھی کام نہیں بن سکا۔ کہتے ہیں تیسری بار میں سامنے سے آگیا اور میں نے آپ ﷺ سے پھر آکے پوچھا:

اِنِّیْ کُنْتُ اَرَدْتُّ الْجِهَادَ

مدتوں سے میرا جہاد کرنے کا شوق تھا اور آپ کی قیادت میں کرنا چاہتا ہوں۔ اور آج آیا ہوں مجھے قبول فرمالو۔ آخرت کے لئے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ تو محبوب ﷺ نے پھر پوچھا:

اَحَيَّةٌ اُمُّكَ کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔

جَهِّزِيْنِيْ

اے میری امی! مجھے تیار کرو میں خیبر جانا چاہتا ہوں۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَمَرَنَا بِالْجِهَادِ لِلْغَزْوِ

المعجم الکبیر: ۲۲۸/۸

محبوب ﷺ نے فرمادیا ہے کہ غزوہ کے لئے تیاری کرو تو میں آپ سے پہلے اجازت لینا چاہتا ہوں آپ مجھے تیار کریں، آپ مجھے اجازت دیں تا کہ میں تیار ہو جاؤں۔تو امی واقعی بہت بوڑھی تھیں۔ کہنے لگیں:

تَنْطَلِقُ وَتَتْرُكُنِيْ

اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تم مجھے چھوڑ کے چلے جاؤ گے۔

قَدْ عَلِمْتُ اَنِّيْ مَا اَدْخُلُ الْمِرْفَقَ اِلَّا وَاَنْتَ مَعِيْ

حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ میں نے قضائے حاجت کے لئے جانا ہو تو تمہارے بغیر نہیں جاسکتی۔

(مرفق) جدید عربی میں ٹائلٹ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے وہ جگہ جہاں قضاء حاجت کی جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگیں اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو جارہا ہے۔ میں تو پیشاپ و پاخانہ کے لئے بھی تمہاری محتاج ہوں تم میرے ساتھ جاتے ہو تو میں جاسکتی ہوں، تو کیا تم مجھے یوں ہی چھوڑ کے چلے جاؤ گے۔تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس وقت اپنا عشق تھا کہنے لگے۔ میری امی آپ کی جو حالت بھی ہے میں دیکھ رہا ہوں، مگر

تو اب چار منٹ کے بعد کوئی بھول تو نہیں گئے۔ تیسری بار کوئی بھول تو نہیں گئے پھر بھی پوچھا ہے کیا والدہ زندہ ہے۔

تو مطلب یہاں علم حاصل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ علم عطا کرنا ہوتا ہے کہ اصل میں نکتہ وہاں سے چل کے آرہا ہے۔ عذر کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ مجھ سے پوچھے بغیر خود ہی اچھا سمجھ جائیں کہ اصل سبب کیا ہے کہ میں کیوں نہیں جا سکتا۔

محبوب ﷺ کا متعدد بار سوال کرنا اس نے واضح کیا کہ محبوب ﷺ کو معاذ اللہ کوئی یہ نہ کہے کہ آتا نہیں تھا اس لئے سوال کیا، بلکہ اس میں حکمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ سوال کیساتھ جواب کا ایک شعبہ ریلی ٹڈ (related) ہوتا ہے اس ریلیشن (Relation) کی وجہ سے محبوب ﷺ پوچھتے ہیں تاکہ سننے والے کو مکمل سمجھ آجائے۔

جس وقت ہم رسول اکرم ﷺ کے فرامین ملاحظہ کررہے ہیں، ایسے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ معجم کبیر میں طبرانی نے ذکر کیا ہے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

جب غزوۂ خیبر کے لئے تیاری شروع ہوگئی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہاں خیبر فتح ہوگا اور میں اس کی طرف جاتے وقت کسی ضعیف فوجی کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ سارے اچھے صحت مند صحابہ کرام علیہم الرضوان ساتھ لے جاؤں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جب اعلان سنا تو میں گھر والدہ سے اجازت لینے کے لئے گیا اور میں نے عرض کی:

تمہارا کوئی مسئلہ نہیں بنے گا، تمہیں کفایت کردی گئی ہے، تمہارا مسئلہ حل کردیا گیا ہے، تم آرام سے گھر میں رہو۔

یعنی کسی کی وساطت سے چل کے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئی تھی، مسئلہ پیش کردیا۔ محبوب ﷺ نے ان کو بتادیا کہ تم مطمئن رہو تمہارا مسئلہ حل ہے۔ جب خیبر کی میٹنگ ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آبیٹھے تو محبوب ﷺ کو غصہ آگیا فرمایا۔ میں حکم دیتا ہوں تو سمجھا بھی کرو۔

اَیَحْسَبُ اَحَدُکُمْ اِذَا کَانَ عِنْدَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدِھِمَا اَلَیْسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِذَا بَرَّھُمَا

کیا تم میں سے کسی کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ گھر بیٹھا والدین کی خدمت کرتا ہے تو یہ جہاد نہیں تو اس کا یہ غلط خیال ہے اگر کوئی شخص گھر میں والدین کی خدمت کررہا ہے۔

فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

وہ یوں ہے جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کررہا ہے۔

یہ تم میں سے کسی کا خیال ایسا کیوں بنا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ والدین کی خدمت کا کوئی مقام نہیں ہے اور وہ ضرور میرے ساتھ جہاد پہ جانا چاہتا ہے۔ فرمایا:

ایسی سوچ کسی کی نہیں ہونی چاہئے اور پھر محبوب ﷺ نے فرمایا:

اَدّٰی حَقَّھُمَا وہ گھر رہے اور حق پورا کرے والدین کی خدمت کا۔

یا ایک ان میں سے زندہ ہو تو اس کو اجر پورا دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ

مَا کُنْتُ لِاَتَخَلَّفَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

ترجمہ:

مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکتا کہ میرے پیغمبر تو خیبر میں لڑائی میں ہوں اور میں گھر بیٹھا رہوں۔ اس واسطے میری امی اگر آپ معذور ہو تو میں بھی معذور ہوں۔ محبوب ﷺ خیبر میں ہوں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گھر میں ہو۔ مجھ سے یہ کیسے برداشت ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو پتہ چل گیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رکنے والے نہیں ہیں، یہ چلے جائیں گے۔ انہوں نے خفیہ طور پر محبوب ﷺ سے رابطہ کرلیا اور اس سے پہلے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نہیں رہ سکتا تو انہوں نے اپنے دودھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس دودھ کا تجھے واسطہ دیتی ہوں کہ تم یہیں رہو میں پیچھے کیسے زندگی گزاروں گی۔ اب وہ پریشان ہوئیں لیکن ان کو پتہ ہے کہ جن کا کلمہ ہم نے پڑھا ہے وہ ہر ایک کی پریشانی سے واقف ہیں۔ انہیں پتہ ہے کس کو جہاد پرے جانا ہے، کس کو جہاد پر نہیں لے جانا۔ یہ کہتی ہیں میں نے محبوب ﷺ سے رابطہ کرلیا۔ محبوب ﷺ نے میری بات سن لی اور مجھے فرمایا:

اِنْطَلِقِیْ

تم گھر چلی جاؤ۔

فَقَدْ کَفَیْتُ

لئے بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اس مقام پر امام رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:

آپ ﷺ کی ظاہری حیات کا زمانہ تھا تو کیا ہوا۔

ایک شخص پر نزع کا وقت تھا اسکی روح اٹک گئی اور زبان پر کلمہ شہادت جاری نہیں ہوتا تھا۔ محبوب ﷺ کو بتایا گیا کہ ہم اس پہ شہادت پیش کرتے ہیں اور وہ زبان سے

اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

بول نہیں سکتا۔ جس وقت یہ بیان کیا تو محبوب ﷺ تشریف لے گئے۔

اسے جا کے کلمہ پڑھوایا مگر پھر بھی اس سے پڑھا نہ جاسکا، اسکا بدن کانپ رہا تھا وہ تڑپ رہا تھا یعنی جس طرح جانور پر چھری چلا کے چھوڑ دیا جاتا ہے یہ اس کی حالت تھی اور اس کو تلفظ شہادتین کی توفیق حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ ایسے میں کیا ہوا۔

کہ اس وقت جو محبوب ﷺ کے پاس موجود تھے ان سے فرمایا:

اَمَا کَانَ یُصَلِّیْ، اَمَا کَانَ یَصُوْمُ، اَمَا کَانَ یُزَکِّیْ

کیا یہ بندہ نماز نہیں پڑھتا تھا، کیا یہ روزہ نہیں رکھتا تھا، کیا یہ زکوٰۃ نہیں دیتا تھا

قَالُوْا بَلٰی

سب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ نمازی تھا، یہ روزے دار تھا، یہ زکوٰۃ بھی دیتا تھا تو رسول اکرم ﷺ نے پھر دوسری بار پوچھا:

هَلْ عَقَّ وَالِدَیْهِ

کیا والدین کا نافرمان تھا

رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ یہ اشارہ میری طرف ہے اور سمجھایا مجھے جا رہا ہے۔ کہنے لگے اس کے بعد

مَكَثَتْ بَعْدَ ذَالِكَ سَنَتَيْنِ

طبرانی معجم کبیر: ۲۲۸/۸

دو سال اسکے بعد میری امی زندہ رہیں۔

اور دو سال میں نے کسی جہاد پہ جانے کا سوچا بھی نہیں، دو سال میں گھر رہا ہوں اور سارے غزوات میں نے ترک کر دیئے اور سید عالم ﷺ کے جملوں کی تاثیر اور یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دل کی اطاعت کا جذبہ ہے کہ مقصد تو ہے سرکار ﷺ کو راضی رکھنا۔

اگر جہاد پر جانے سے سرکار ﷺ ناراض ہو جائیں تو اس جہاد کا فائدہ کیا ہوگا اور سرکار ﷺ گھر رہنے سے راضی ہو جائیں تو گھر رہنا کتنا افضل ہے۔ لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں محبوب ﷺ کے اس جملے سے مجھے یہ سمجھ آ گئی کہ پاک محبوب ﷺ کس قدر میری والدہ کے بارے میں آپ شفقت کا اظہار فرما رہے ہیں اور والدہ کی خدمت آپ کو کتنی مطلوب ہے۔ لہٰذا دو سال تک پھر میں نے کبھی جا کے پوچھا ہی نہیں اور مسلسل اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف رہا۔

ماں کے گستاخ کا حشر

ماں کی خدمت کا اگر اجرا تنا بڑا ہے وہاں اگر کوئی گستاخی کرتا ہے تو گستاخی پر وعیدیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ والدہ کے ساتھ جو ناروا سلوک کرتا ہے اس شخص کے

اس نے مجھے تھپڑ مارا تھا تو یہ آنکھ تب نکلی تھی۔

میری ایک آنکھ اس کی وجہ سے ضائع ہوئی تھی تو میں نے اس کو پہلے بھی معاف نہیں کیا اب بھی معاف نہیں کروں گی تو آخر محبوب ﷺ کی شفقت کی چھتری لگی ہوئی پھر بھی والدہ کا دل نرم نہ ہو۔ محبوب ﷺ فرمانے لگے:

هَاتُوا بِالْحَطَبِ

اب لکڑیاں اکٹھی کرو۔

آگ لے آؤ۔ جب آپ نے یہ کہا کہ لکڑیاں اکٹھی کرو آگ جلاؤ تو بڑھیا بول پڑی، کہنے لگی:

قَالَتْ وَمَا تَصْنَعُ بِالنَّارِ

میرے آقا ﷺ آپ آگ کیوں منگوا رہے ہیں، آگ کی کیا ضرورت ہے، آگ سے کیا کرو گے۔

تو میرے محبوب ﷺ نے فرمایا:

اُحْرِقُهٗ بِالنَّارِ بَيْنَ يَدَيْكَ

میں تیرے سامنے اس کو جلاؤں گا، اس نے تجھ پر جو ظلم کیا ہے اس کا اس سے بدلہ لوں گا۔ تجھ پر اس نے ظلم کیوں کیا۔ میں اسے تیرے سامنے جلاؤں گا۔

جَزَاءً لِمَا عَمِلَ بِكِ

جو اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

لہٰذا آگ میں اس کو جلاؤں گا جس وقت محبوب ﷺ نے یہ فرمایا، تو کہتی ہے:

اس پر لوگوں نے بتا دیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہاں یہ والدین کا نافرمان تھا۔ نمازی بھی ہے، روزے دار بھی ہے، زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اب یوں سمجھو کہ مکمل پورا صوفی ہے اور پھر وہ صحابہ میں سے صوفی یعنی سارے صحابہ کے اندر عمل کی رونق موجود ہے۔

اب ایک بندہ اتنے حق اللہ کے ادا کر رہا ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ سب فرائض پورے کر رہا ہے مگر شہادتین اس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہے۔ کلمہ جاری نہیں ہو رہا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ والدین کا نافرمان ہے۔ تو پھر

هَاتُوْا اُمَّهٗ

پھر اس کی امی کو بلا کے لاؤ۔

جس وقت امی آئی تو کیا صورت حال تھی۔

هِيَ عَجُوْزُ الْعَوْرَاءِ

اس بڑھیا کی ایک آنکھ صحیح تھی اور نہایت لاغر تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی چلتی آ گئی تو میرے محبوب ﷺ نے فرمایا:

هَلْ لَاعَفَوْتِ عَنْهُ

کیا تو نے اس کو معاف نہیں کیا۔

تو کہنے لگی:

لَا اَعْفُوْ

نہ اس کو معاف کیا ہے، نہ کروں گی۔ میں نے اس کو معاف نہیں کیا۔

لِاَنَّهٗ لَطَمَنِيْ فَفَقَأَ عَيْنِيْ

اِنْطَلَقَ لِسَانَہٗ

اب اس کی زبان بول پڑی، وہ شخص جس کی زبان اٹک چکی تھی جس کی زبان سے کچھ نہیں نکل رہا تھا وہ زبان بولی ہے اور کہنے لگا:

اَشْہَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

تفسیر کبیر ۲۳۹/۱

اس کے ساتھ ہی ساری منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ تو یہ منظر ہے اگر کوئی شخص والدین کی خدمت کرتا ہے، والدہ کی خدمت کرتا ہے تو اس کو اجر ملتا ہے۔ اگر نہیں کرتا تو پھر اس کے لئے وعیدیں ہیں۔ اور سخت سزائیں ہیں، سخت سزاؤں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ والدہ کی خدمت کی جائے۔

والد کو جنت کا درمیانہ دروازہ قرار دیا گیا ہے سینٹرل گیٹ جنت میں جانے والا ہے۔ محبوب ﷺ نے جو فرمایا کہ تین حضرات کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں سے والد کی دعا جو اولاد کے لئے ہو اس کا ذکر فرمایا اور پھر والدہ ابرِ کرم ہے اس کی طرف سے ہر وقت رحمت کی برسات ہوتی ہے۔

ماں کا امتحان

اب مختصر سے وقت میں ماں کا جو امتحان ہے اسکا جائزہ بھی بڑا ضروری ہے۔

سید عالم ﷺ کا یہ فرمان بخاری شریف ۳۲۴/۱ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محبوب ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْمَرْاَۃُ فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا رَاعِیَۃٌ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا

عَفَوْتُ عَفَوْتُ

محبوب ﷺ ایک بار نہیں میں نے کئی بار معاف کر دیا۔

عفوت عفوت کے نعرے لگا رہی ہے۔ میں نے معاف کیا، میں نے معاف کیا۔

اب رسول اکرم ﷺ کی اس حکمت کا انداز کیسا ہے۔ آپ کا اس کو جلانا مقصود نہیں تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حیوانوں کو جلانے سے منع کیا اور یہ کہا کہ چیونٹیوں کو آگ کا عذاب مت دو اور آگ سے کسی چیز کو مت جلاؤ، لیکن ماں کے دل کو رحمت کی طرف مائل کرنا تھا اور وہ شرعی طریقے پر کہ اگر اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے تو اس کا بدلہ تو لینا ہے، یہ دنیا سے بدلہ دیئے بغیر کیسے جائے گا۔ اس سے بدلہ لیتے ہیں تو وہ کہتی ہے:

عَفَوْتُ عَفَوْتُ

میں نے اس کو معاف کر دیا۔ میں نے اس کو معاف کر دیا۔

اور ساتھ ہی عجیب لفظ بولنے لگیں۔

اَلِلنَّارِ حَمَلْتُهٗ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ

محبوب ﷺ کیا نو مہینے میں نے اس کو آگ کے لئے پیٹ میں اٹھایا تھا۔

اَلِلنَّارِ اَرْضَعْتُهٗ سَنَتَيْنِ

کیا دو سال میں نے اسے آگے کے لئے دودھ پلایا تھا۔

نہیں نہیں۔ میرے محبوب ﷺ میں نے آگ کے لئے نہیں پلایا تھا، میں نے آگ کے لئے اس کو شکم میں نہیں رکھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے جس وقت حکمت سے اس سے معافی دلوادی ہے۔ تو پھر کیا ہوا:

ان ساری باتوں کی جس وقت حفاظت کر کے وہ خاوند کی نسل پر پہرہ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر سانس کو بندگی میں شمار فرما دیتا ہے۔

تیسری ذمہ داری

تیسرے نمبر پر اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ کبھی بھی اپنی اولاد کے سامنے خاوند کا شکوہ نہ کرے، کبھی اس کا گلہ نہ کرے، اپنی اولاد کا ذہن خاوند کے بارے میں غلط نہ کرے، ان کو اپنے خاوند کے خلاف اکسائے اور نہ کبھی بھی کوئی ایسی بات کرے جس سے اولاد کے سامنے اپنے انکے اباجی کا مرتبہ کم نظر آتا ہو یعنی کوئی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ اس نے دنیا کا کوئی فیصلہ کیا ہو، وہ زوج اور زوجہ کا آپس میں معاملہ ہے وہ ڈسکس کرنا چاہیں تو کر لیں، مگر یہ زوجہ اپنی اولاد کے سامنے اپنے خاوند کے فیصلوں پر تنقید نہ کرے اور کسی طرح بھی اپنے ایسے جذبات کا اظہار نہ ہونے دے جس کی وجہ سے اولاد پر منفی اثرات مرتب ہوں۔

یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کیا ہے کہ ہمیشہ بیوی کو اپنے خاوند کی معیشت کا جو شعبہ ہے اس کا بھی ادب کرنا چاہئے وہ جو کام کرتا ہے اس کام پر وہ تنقید نہ کرے، لیکن وہ حرام نہ ہو۔

اگر وہ کپڑوں کا کاروبار کرتا ہے تو بیوی اپنی اولاد کے سامنے کپڑے کے کاروبار کے کیڑے نہ نکالے، کہ کہے کوئی کام نہیں، یہ کام بڑا گندا ہے، یہ کرنا ہی نہیں چاہئے، فلاں کرنا چاہئے۔ فرمایا: جو زوجہ اپنے زوج کے ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ وفادار ہوتی ہے اس کی وفاداری اللہ کے ہاں اطاعت میں شمار ہوتی ہے۔

زوج کے گھر میں زوجہ کی کیا حیثیت ہے۔ فرمایا وہ اس کے گھر کی نگران ہے

راعیۃ ہے، حکمران ہے

وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا

سارے گھر کا حساب اس سے لیا جائے گا۔

سارے گھر کی نگرانی کا اس سے مواخذہ ہوگا اس کو شریعت نے گھر والی حقیقت میں بنایا ہے کہ وہ اس گھر والے کی گھر والی ہے اور راعیۃ ہے اس کو نگران قرار دے دیا گیا، تو سب سے بڑی امانت اس کے پاس کیا ہے۔ اس خاوند کی نسل کی حفاظت کرنا۔

پہلی ذمہ داری

پہلے نمبر پر تو وہ نسل حلال ہو۔

دوسری ذمہ داری

دوسرے نمبر پر اس کا کردار صاف ہو۔

والدہ کی گود پہلی درسگاہ ہے، انسان کو اس نے سب کچھ پڑھانا ہے وہ خالی ذہن اس نے بھرنا ہے اگر اس کی عادات اچھی ہیں اولاد ساری پاکیزہ ہے، اگر اس کو حلال وحرام کا پتہ ہے وہ ان دھلے برتنوں میں بچوں کو نہیں کھلاتی۔ پاک اور پلید کا امتیاز کرتی ہے، ان کی تربیت کے لحاظ سے ہر اچھی بری بات کو سمجھتی ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے اگر یہ کام ہو گیا تو ان کے ذہنوں کے اندر نقش بن جائے گا۔ لہٰذا ان کو یہ بات بھی سنائی نہیں دینی چاہئے۔ ان کو یہ چیز بھی نظر نہیں آنی چاہئے۔

تب ہوگی جب کہے گی بیٹے فیشن کو قدم کی ٹھوکر سے روند ڈالو اور سنت کا جھنڈا لے کر زندگی گزارو جس وقت یہ کامیاب ہو جائے گی یہ اس کا امتحان ہے۔

اگر ایسا نہیں کرے گی، اپنا مرتبہ کھو جائے گی اور اس انداز سے اس کی عظمتوں کے سلسلوں کے گر جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ تو یہ امتحان میں نے اجمالی طور پر آپ کے سامنے رکھا ہے۔

اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں لیکن وقت کے تنگ دامن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بات اس پہ ختم کر رہا ہوں کہ والدہ کی عظمت کو بیان کرنے کا مقصد زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک ہے اور بعد از وصال ایصال ثواب ہے۔ ایصال ثواب کے لحاظ سے بھی اپنے والدین کو نہیں بھولنا چاہیے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی والدہ جب فوت ہوگئیں تو اقبال کہتے ہیں:

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار

خاک مرقد پہ تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا

تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مفہوم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

لہٰذا یہ اس کو پوری طرح خیال رکھنا چاہئے۔

چوتھی ذمہ داری

چوتھے نمبر پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے۔ جب ماں کی شان بڑی ہے تو ماں کا امتحان بھی اتنا ہی بڑا ہے بندے کو جب مشکلات آتی ہیں، زندگی کے کسی حصے میں۔ اگر اسے ماں کا سایہ حاصل ہے، وہاں جا کے پناہ لیتا ہے وہاں مشورہ کرتا ہے ۔اب ماں کا امتحان شروع ہو گیا ایک طرف اللہ کی محبت ہے دوسرے طرف بیٹے کی محبت ہے اور مسئلہ سامنے آ گیا اور فتوی ماں کا چلے گا، بات ماں کی مانی جائے گی۔ اب ماں کو بیٹے سے پیار بڑا ہے اور ادھر اللہ سے بھی پیار ہے اور سب سے زیادہ ہے۔ بیٹا مشورہ کرنے آیا ہے یہ کام کروں یا نہ کروں۔

اس میں دنیاوی فائدہ بیٹے کا ہے مگر دینی فائدہ اس میں نہیں۔ دنیا کا فائدہ تو ہے مگر آخرت کا فائدہ نہیں۔ بندے تو راضی ہو جائیں گے، مولا راضی نہیں ہوگا تو ماں کا امتحان یہ ہے کہ وہ امتحان یوں پاس کرے۔

کہے دنیا ناراض ہوتی ہے تو ہو جائے، عرش والا ناراض نہیں ہونا چاہئے۔

لہٰذا ماں کا یہ امتحان ہے کہ اس کے پاس آ کے بات ختم ہو گی تو اس سے یہ نہیں کہ بیٹے کی محبت ساری محبتیں بھلا دے اسے پتہ ہی نہ ہو کہ میں نے کہنا کیا ہے، میں نے بتانا کیا ہے۔

اب جس وقت بیٹے نے پوچھا۔ دو طریقے ہیں۔ ایک ہے فیشن دوسرا ہے سنت۔ تو بیٹا پوچھتا ہے امی میں کیا کروں، تو امی کا امتحان شروع ہو گیا اور وہ پاس

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاعَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، واعظم شانہٗ، واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 9

بدعت کا معنیٰ و مفہوم

میری دعا ہے نہ حالق کائنات ہمیں کلمہ حق آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

بدعت عربی زبان کا لفظ ہے تو ہمیں اس کی تعریف اور definition کے لحاظ سے عربی زبان کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

بدعت کا معنیٰ

عربی زبان میں بدعت کا معنیٰ یہ کیا گیا ہے:

اِیْجَادُ شَیْءٍ غَیْرِ مَسْبُوْقٍ بِمَادَّۃٍ وَّلَا زَمَانٍ

التعریفات: ص:۵

''وہ شے بنانا جس کا پہلے مادہ بھی نہ ہو اور زمانہ بھی نہ ہو۔''

مطلب کیا ہے کہ ایک نئی چیز بنانا یا گھڑنا، یہ اس کا لغوی معنیٰ ہے۔

عربی قانون

عربی زبان میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ با، دال، عین۔ یہ تینوں حروف اسی ترتیب سے جب اکٹھے استعمال ہونگے تو ان کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کسی چیز کی ابتداء یا بغیر کسی نمونے کے کوئی چیز بنا دینا۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ پہلے نہیں تھی، نئے سرے سے یعنی ابتداءً اس کو بنایا جا رہا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کا ماڈل بھی پہلے نہیں تھا تو یہ لفظ بدعت کا لغوی معنیٰ ہے کہ کوئی ایسی چیز بنانا جس کا ماڈل بھی پہلے موجود نہ ہو، اس کو بغیر کسی پیشتر مثال کے ایک وجود دینا، ایجاد کرنا، یہ بدعت کا لغوی معنیٰ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس مادے کو یعنی با، دال اور عین کو کئی مقامات پر استعمال کیا ہے اور وہاں یہی معنیٰ جو ہم نے سلسلے کے آغاز میں بیان کیا، اس کی

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے آج ادارہ صراطِ مستقیم کے اجالوں میں ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

بدعت کا معنی و مفہوم

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔ ہم سب کو قرآن وسنت پر عمل کی توفیق دے اور رب ذوالجلال ہم سب کو بدعات کے ارتکاب سے محفوظ رکھے۔ ہمارا آج کا موضوع یقیناً نہایت اہم موضوع ہے۔ اور یہ اہمیت اس کی کئی وجوہات سے ہے۔

اولین بات تو یہ ہے کہ مومن کا سرمایہ حیات اور مومن کا وقار اتباعِ سنت میں ہے اگر وہ بدعت کا مرتکب ہوگا تو سنت سے دور ہو جائے گا۔ اس واسطے بدعت کے بارے میں مطلع ہونا تعمیرِ سیرت کے لئے ضروری ہے۔

دوسرا یہ موضوع اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ بدعت کے معنیٰ ومفہوم میں کچھ لوگوں نے غلو کیا ہے اور بدعت کی غلط تشریح سے بہت سے وہ کام جو سنت کے دائرے میں آتے ہیں، انہیں بھی بدعت قرار دیا ہے۔ یہ بھی ظلم تھوڑا نہیں، اس سے پردہ اٹھانا بھی بہت ضروری ہے۔

تو ہماری آج کی گفتگو جو اپنے ٹائم کے لحاظ سے محدود اور مخصوص وقت میں ہے لیکن چند اصولی باتیں پیش کرتے ہوئے ہم اس کی جامعیت کی کوشش کریں گے۔

صفت ہے کہ اس نے زمین و آسمان کو بنایا تو پہلے کوئی ماڈل نہیں تھا، اس کا پہلے کوئی ڈھانچہ نہیں تھا، اس کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھ کر یہ سب کچھ بنا دیا ہو بلکہ ابتداءً نئے سرے سے ایک نئی چیز بنائی۔ اس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو بدیع کہا جاتا ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ جو کچھ بناتا ہے کسی کو دیکھ کے نہیں، بلکہ وہ یہ شان رکھتا ہے کہ جو میٹریل استعمال ہوتا ہے وہ بھی اسی وقت تیار کر رہا ہے اس چیز کی صورت بھی اسی وقت معرضِ وجود میں آ رہی ہے۔ وقت کتنا لگتا ہے:

وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

"کہ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ کن کہتا ہے سب کچھ ہو جاتا ہے۔"

آیت نمبر 3

تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید کی آیت نمبر 27 میں ارشاد فرمایا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کی قباحتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی اس حرکت کو بیان کیا کہ انہوں نے راہب بننے والی بات گھڑ لی۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا

اور رہبانیت انہوں نے خود گھڑی۔

مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ

مناسبت ضرور ہوتی ہے۔

آیت نمبر 1

مثال کے طور پر سورۃ الاحقاف کی آیت نمبر 9 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

''اے میرے نبی ﷺ آپ یہ کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔''

مطلب کیا تھا کہ میں کوئی پہلا نبی نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی نبی آتے رہے ہیں اور یہ نہیں کہ میں نے نبوت کا اعلان کر کے کوئی نئی بات کی ہو۔ مجھ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر آئے ہیں۔ انہوں نے نبوت کا اعلان کیا ہے۔

لہٰذا میں نے کوئی انوکھی بات نہیں کہی کہ جس پر تمہیں تعجب ہو کہ میں نے کیا دعویٰ کر دیا ہے، ایسا کوئی کام میں نے نہیں کیا۔

مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

میں کوئی پہلا نبی نہیں ہوں مجھ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام تشریف فرما ہوتے رہے ہیں۔

آیت نمبر 2

ایسے ہی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 117 ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

''زمین و آسمان کو نیا پیدا کرنے والا۔''

اب اس میں بدیع کا لفظ ہے۔ با، دال اور عین کا مادہ ہے، بدیع اللہ تعالیٰ کی

بدعت کی پہچان کی ضرورت

بدعت کی اصطلاحی تعریف کے اجمالی بیان سے پوری پہچان نہیں ہوگی، ہمیں اس کی کچھ تفصیل کرنا پڑے گی اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ تفصیل کیوں ضروری ہے بدعت کی اگر پہچان نہیں ہوگی تو سنت سے اس کو جدا نہیں کیا جاسکے گا اور پھر بندے کا عمل محفوظ نہیں ہو سکے گا، اس میں بدعت کی آمیزش ہو جائے گی اور بدعت کی آمیزش ایسی چیز ہے کہ ابو عاصم رضی اللہ عنہ نے السنۃ میں روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اِحْتَجَزَ التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ

السنۃ لابی عاصم: حدیث نمبر: ۳۸

''بیشک اللہ نے بدعتی سے توبہ کو روک لیا ہے''

بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

یعنی توبہ کو اس سے روک دیا گیا ہے۔ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے، جس وقت ایک بندہ بدعتی ہوتا ہے، بدعت کا مرتکب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ایک طویل خطبہ جس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ

حمد و صلوٰۃ کے بعد۔

ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا۔

ہم نے معین نہیں کیا تھا کہ تم راہب بن جاؤ، چلّوں میں چلے جاؤ اور اس طرح کی زندگی کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے لئے اس کو گھڑ لیا۔

اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

انہوں نے یہ جو چیز گھڑی تھی، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے گھڑی تھی۔

للہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

''انہوں نے اس کو گھڑ تو لیا مگر اس پر پہرہ نہ دے سکے۔''

اس کی رعایت نہ کر سکے، اس کا لحاظ نہ کر سکے اور پھر وہ راستے سے بھٹک گئے اور صراطِ مستقیم کھو بیٹھے۔

اب یہاں پر بھی اِبْتَدَعُوْهَا ہے۔ با دال اور عین اصل مادہ ہے۔ پھر اس سے باب افتعال بنایا گیا ہے۔ یہ رہبانیت کا طریقہ ان کا اپنا گھڑا ہوا طریقہ تھا، اپنا بنایا ہوا تھا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کے واسطے ابتداء کا مادہ استعمال کیا۔

بدعت کی اصطلاحی تعریف

اَلْبِدْعَةُ هِيَ الْفِعْلَةُ الْمُخَالِفَةُ لِلسُّنَّةِ

التعریفات: ص: ۵

بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو سنت کے مخالف ہو۔

یہ میر سید شریف جرجانی نے بدعت کی تعریف کی ہے۔

ان میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک بدعت کی تعریف

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ

یہ جو حدیث شریف میں ذکر آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا

جو نئے کام بنائے جائیں وہ تمام امور اور کاموں میں زیادہ برے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محدثات سے مراد عام نہیں ہے کہ ہر وہ کام جو نیا ہو اس کو برا کہا گیا ہو۔ سید عالم ﷺ نے جن محدثات کو شر کہا ہے ان کو پہچاننے کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثات الامور کی دو قسمیں ہیں

نمبر 1

اَحَدُھُمَا مَا اُحْدِثَ یُخَالِفُ کِتَاباً اَوْ اَثَراً اَوْ اِجْمَاعاً

دو قسموں میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ وہ امور جو نئے بنائے گئے ہوں اور وہ چار میں سے کسی کے مخالف ہوں یا تو وہ قرآن کے مخالف ہوں، یا سنت کے مخالف ہوں یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آثار کے مخالف ہوں یا اجماع کے مخالف ہوں۔

اگر کام نیا ہو اور ان چار میں سے کسی کے خلاف ہو تو امام شافعی فرمانے لگے یہ وہ بدعت ہے، جس سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے۔ اور یہ محدثات ہیں۔

فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ

ساری باتوں سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے۔

وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ

اور سارے طریقوں سے اچھا طریقہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ ہے۔

وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا

اور سارے کاموں سے برے کام وہ ہیں جو نئے بنا لئے گئے ہوں اور گھڑ لئے گئے ہوں۔

وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

صحیح مسلم شریف: حدیث نمبر: ۸۶۷

اس میں رسول اکرم ﷺ نے تنبیہہ اور توبیخ فرمائی ہے کہ کسی طرح بھی بدعت کا ارتکاب نہ ہو اور میری امت بدعت سے محفوظ رہے چونکہ بدعت جہنم میں جانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ بدعت کتنی خطرناک چیز ہے۔ اس کو پہچاننا بڑا ضروری ہے تا کہ کہیں انسان اس کی معمولی سی بھی گرد کی وجہ سے آلودہ نہ ہو جائے۔

بدعت اور اصطلاحِ محققین

بدعت اور اصطلاح محققین کے لحاظ سے امت کے چند سر کردہ آئمہ کا حوالہ میں پیش کر رہا ہوں کہ جنہوں نے بدعت کی تعریف اور تفصیل کے لحاظ سے ہماری پوری رہنمائی کی ہے۔

ہے کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ رمضان المبارک کی رات ہے اور مسجد نبوی شریف نمازیوں سے بھری ہوئی ہے اور جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھی جارہی ہے، تو آپ نے فرمایا:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ

یہ کام تو ایک نیا ہے مگر یہ کام بہت اچھا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ سند صحیح سے ثابت ہے۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزانہ نماز تراویح کی جماعت نہیں کرائی۔ روزانہ نماز تراویح با جماعت پڑھنا اور بیس پڑھنا یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک امام کے پیچھے اکٹھا کیا اور فرمایا کہ تم نے اتنی رکعتیں پڑھنی ہیں۔ اب روزانہ نماز تراویح با جماعت پورے مہینے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی نماز کی فرضیت کے بعد وصال تک کوئی رمضان ایسا نہیں گزارا کہ جس رمضان کے پورے دنوں میں عشاء کے بعد تراویح با جماعت ادا کی ہو۔

ویسے با جماعت آپ نے نماز تراویح پڑھائی ہے لیکن روزانہ نہیں ادا کی گئی۔ دو یا تین دن زیادہ سے زیادہ اس کی مدت کو بیان کیا گیا ہے۔

اب جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سارے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اکٹھا کیا اور کہا کہ اتنی پڑھنی ہیں اور اس طرح با جماعت پڑھنی ہیں اور ایک امام کے پیچھے پڑھنی ہیں۔ اب سارے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عمر فاروق

وہ امور جن کو شر کہا گیا ہے۔ایسے کام جو نئے ہیں اور ان کے ساتھ یہ قید ہے یا تو وہ قرآن مجید کے خلاف ہیں یا ان میں سنت کی مخالفت ہے یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال کی مخالفت ہے یا اجماع کی مخالفت ہے تو پھر وہ محدثات شر امور ہیں۔ان کا ارتکاب کرنا بدعت کہلائے گا۔ان کی وجہ سے بندہ بدعتی بن جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَهٰذِهٖ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ

اس کو بدعت ضلالۃ کہا جاتا ہے۔

نمبر 2

مَا اَحْدَثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيْهِ لِوَاحِدٍ مِّنْ هٰذِهٖ

دوسری قسم یہ ہے کہ کام تو اگرچہ نیا ہو لیکن وہ مذکورہ چار میں سے کسی کے خلاف نہ ہو۔نہ قرآن کے،نہ سنت کے،نہ آثار نہ اجماع کے۔تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ جس وقت ایسی چیز ہوگی کہ جس میں کسی کی خلاف ورزی ہے تو اس کو بدعت ضلالۃ نہیں کہا جائے گا۔

فَهٰذِهٖ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَهٰذِهٖ مُحْدَثَةٌ غَيْرُ مَذْمُوْمَةٍ

یہ بدعت حسنہ ہے اور یہ نیا کام غیر مذموم ہوگا۔

اگرچہ یہ ایک نیا کام ہے لیکن مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔وہ نیا کام ہے لیکن دین میں وہ پسندیدہ امر ہے۔

لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ یونہی

اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس نے اختلافی نوٹ دیا ہو کہ اے امیر المؤمنین !تم یہ کیا کر رہے ہو ایسا کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ جب ہمارے نبی ﷺ نے روزانہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھائی تو تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ کسی نے جب اختلاف نہیں کیا تو ماننا پڑے گا کہ سارے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ نظریہ تھا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ ہے جو قرآن و سنت کے منافی ہو اور دوسری وہ ہے جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ اور جو نیا کام تو ہو مگر وہ قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو اس کو بدعت حسنہ کہا جائے گا اور وہ سنت ہی کا ایک منظر پیش کرتی رہے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا۔

اب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہیں:

يَعْنِي اَنَّهَا مُحْدَثَةٌ

اگر چہ یہ کام نیا ہے۔

لم تكن

- یہ پہلے نہیں تھا

وَاِذَا كَانَتْ فَلَيْسَ فِيهَا رَدٌّ لِمَا مَضٰى

یہ کام اگر چہ نیا ہے مگر اسلام کے کسی شعبہ کا رد بھی تو نہیں کرتا۔

اگر ہم نے جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھنا شروع کر دی ہے تو اس عمل سے نہ تو کسی آیت کی خلاف ورزی کی ہے، نہ کسی سنت کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہٰذا

رضی اللہ عنہ کی بات کو تسلیم بھی کیا ہے اور کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا کہ اے عمر تم ایک نیا کام شروع کر رہے ہو۔ جب نبی ﷺ نے روزانہ نہیں پڑھائیں تو تم کون ہوتے ہو کہ تم ان کی جماعت کرواؤ۔

پتہ چلتا ہے کہ یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ضمیر میں بات موجود تھی کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہمیں کبھی ایسے کام کا حکم نہیں دے سکتے کہ جو جہنم میں جلانے کا ذریعہ بن جائے اور سبب بن جائے اگرچہ وہ کام نیا تھا اس پر بدعت کا اطلاق بھی کر دیا گیا۔ لیکن فرمایا:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ

یہ اگرچہ ہم نے خود سوچا ہے۔ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے یوں پابند نہیں کیا تھا کہ روزانہ جماعت کیساتھ پڑھا کرو اس کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ میرے صحابہ رات تم آئے تھے، اکٹھے ہوئے تھے اور تم میرا انتظار کرتے رہے مگر میں باہر نہیں آیا۔ اس واسطے کہ مجھے ڈر تھا اگر میں روزانہ آ گیا تو تم پہ واجب ہو جائے گی اور میں امت پر اضافی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس واسطے میں نے روزانہ جماعت نہیں کرائی۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے روزانہ پڑھنے سے وجوب تو نہیں ہوگا وہ تو محبوب علیہ السلام کی شان ہے کہ جن کے عمل کی وجہ سے آگے حکم میں یہ صورتحال بھی آ سکتی ہے۔

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ایک نیا کام کیا تھا اور دین کے اندر تھا اور طلب ثواب کے لئے تھا، یہ ساری باتیں اس میں موجود تھیں اس کو شروع کر لیا ہے

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس انداز میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے:

اَمَّاالْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

مَحْمُوْدٌ

ایک بدعت وہ ہے جو محمودہ ہے۔

وہ کون سی ہے؟

فَمَا وَافَقَ السُّنَّةَ فَهُوَ مَحْمُوْدٌ

جو کام سنت کے مطابق ہو، اگر چہ سنت میں اس کا ذکر نہ ہے لیکن ہے سنت کے مطابق تو اس کو محمود سمجھا جائے گا۔

اب نماز پڑھنا سنت میں موجود ہے۔ نماز جماعت سے پڑھنا بھی سنت میں موجود ہے۔ لہٰذا اس سے ایک شعبہ انہوں نے قائم کرلیا۔ تو اس واسطے کہنے لگے جو کام اگر چہ نیا ہو مگر اس کے اوپر ایک اصل موجود ہو اور یہ اسی سنت کی مطابقت کر رہا ہو تو پھر

فَهُوَ مَحْمُوْدٌ

پھر اس کو محمود کہیں گے۔

یعنی اس کام کی اللہ کے نزدیک بھی تعریف کی جائے گی۔

وَمَا خَالَفَ السُّنَّةَ فَهُوَ مَذْمُوْمٌ

جو کام نیا تو ہو لیکن وہ سنت کی خلاف ورزی کر رہا ہو، سنت چھوٹتی ہو، اور سنت متروک ہوتی ہو۔ وہ کام سنت سے ٹکراتا ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے

جس وقت اس میں مخالفت موجود نہیں ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ایک اصول اخذ کر لیا کہ ہر وہ قول، ہر وہ فعل، ہر وہ کام جو شریعت کی کسی اصل کے نیچے آ رہا ہو اس کو پہلی بار کیا جا رہا ہو تو پھر بھی اس کو بدعت ضلالۃ کہہ کر اسے گمراہی نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کو حق اور ثواب کے طلب کا ایک ذریعہ قرار دے دیا جائے گا۔

اس بات کو امام بیہقی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

مناقب شافعی للبیہقی: ۱/۴۶۸-۴۶۹

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تفصیل سے یہ بات چلی آ رہی ہے۔ ہم اس پراپیگنڈہ کو دور کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بریلی والوں نے بیٹھ کے کچھ بدعت کی قسمیں بنا لی ہیں۔

ایک بدعت حسنہ ہوتی ہے اور دوسری بدعت سیئہ ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں ہم نے یہ قسمیں نہیں بنائیں۔ یہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بنا دی تھیں جب یہ کہا تھا کہ یہ بدعت ہے مگر

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ

یہ بدعت اچھی ہے۔

تو پتہ چلا کہ ہر بدعت ایسی نہیں جو بندے کو جہنم میں لے جائے۔

ایک بدعت حسنہ بھی ہے کہ جو جنت میں جانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی بات کو ابونعیم نے حلیہ کی جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 113 پر بیان کیا ہے۔ وہاں پر امام شافعی

تصادم نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ کام نیا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس پر لغوی طور پر لفظ بدعت بولا جاتا ہے مگر وہ سنت کا حصہ ہوتا ہے جس کے کرنے کی وجہ سے رب ذوالجلال ثواب عطا فرماتا ہے۔

امام نووی متوفی ۶۷۶ ھ کے نزدیک بدعت کی تعریف

امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کی جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 22 پر اس بات کو بیان کیا ہے کہ بدعت کیا ہے، کہتے ہیں:

هِيَ اِحْدَاثُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

بدعت وہ ہے کہ جو نبی ﷺ کے زمانے میں نہ ہو اور بعد میں اس کو پیدا کیا جائے۔

وَهِيَ مُنْقَسِمَةٌ اِلٰى حَسَنَةٍ وَّ قَبِيْحَةٍ

پھر اس کی آگے دو قسمیں ہیں۔ ایک ہوتی ہے بدعت حسنہ اور دوسری ہوتی ہے بدعت قبیحہ۔

تو اس مقام پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ہر بدعت کو ایک پلڑے پر نہ تولا جائے، بدعت بدعت میں فرق کیا جائے۔ بدعت وہ بھی ہے جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نعمۃ کے ساتھ اعلان کر رہے ہیں اور بدعت وہ بھی ہے جو قرآن وسنت کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔

اس واسطے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: حسنہ اور قبیحہ

شریعت میں مذمت اس کی کی گئی ہے جو بدعت قبیح ہو۔ بدعت حسنہ کی

یہ کام وہ ہے کہ جس کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ ایک مذموم کام ہے۔ ہم اس کے قائل نہیں ہیں، ہم اس کے داعی نہیں ہیں اور یہ وہ بدعت ہے کہ جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

جو اس طرح کی بدعت ہو اس کو ضلالت کہا ہے اور اس کو جہنم جانے کا سبب بتایا ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت کی تعریف

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات کے اندر احیاء العلوم میں جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 276 پر بدعت کی قسمیں بیان کیں، فرماتے ہیں:

اَلْبِدْعَةُ قِسْمَانِ

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

بِدْعَةٌ مَذْمُوْمَةٌ

ایک بدعت مذموم ہے۔

وہ کونسی ہے؟

مَا تُصَادِمُ السُّنَّةَ الْقَدِيْمَةَ

جو سنت قدیمہ سے تصادم کرے۔

جو سنت سے ٹکرا جائے۔ وہ بدعت مذموم ہے۔ فرمانے لگے۔ ایک وہ بدعت ہے جو محمود ہے جس میں سنت کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوتا اور سنت کے ساتھ

کر رہا ہوں۔ آگے باقاعدہ تفصیل سے اس کی وجہ بیان کروں گا کہ یہ کام وہ ہے کہ جس کو حدیث نے سنت کا نام عطا فرمایا ہے۔

امام عینی متوفی ۸۸۵ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت کی تعریف

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عمدۃ القاری کی جلد نمبر 11 صفحہ نمبر 136 پر ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْبِدْعَةُ فِی الْاَصْلِ اِحْدَاثُ اَمْرٍ لَّمْ یَکُنْ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اصل میں بدعت یہ ہے کہ ایک ایسی چیز بنانا کہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہو۔

ثُمَّ اَلْبِدْعَةُ عَلٰی نَوْعَیْنِ

پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

اِنْ کَانَتْ مِمَّا یَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَحْسَنٍ فِی الشَّرْعِ فَهِیَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ

اگر وہ کام ایسا ہے کہ وہ شریعت کے کسی حسن کام کے نیچے درج ہو رہا ہے تو پھر اس کو بدعت حسنہ کہا جائے گا۔

وَاِنْ کَانَتْ مِمَّا یَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَقْبَحٍ فِی الشَّرْعِ فَهِیَ بِدْعَةٌ سَیِّئَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ

اور اگر وہ کام نیا ہے اور کسی ایسے کام کے نیچے داخل ہو گیا ہے جو کام شریعت میں قبیح تھا، شریعت کا ناپسندیدہ کام تھا تو اس کو بدعت قبیحہ کہا جائے گا۔ یہ گمراہی ہوگی، یہ ضلالت ہوگی اور اس میں رسوائی ہوگی۔

لیکن ایک کام نیا ہے مگر وہ ایک اچھے کام کے زمرے میں آ گیا ہے تو اس کو

شریعت میں ہرگز مذمت نہیں کی گئی۔

امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت کی تعریف

امام ابن الاثیر نے اپنی کتاب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر کی جلد نمبر **1** صفحہ نمبر **106** میں فرمایا:

اَلْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ ؕ

بدعت کی دو اقسام ہیں۔

1- بدعت ہدیٰ

2- بدعت ضلال

ایک وہ بدعت ہے جو ہدایت والی ہے اور دوسری وہ بدعت ہے جو گمراہی والی ہے۔

اب واضح طور پر امام حضرت ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو بیان کر رہے ہیں کہ بدعت کو ایک راستے پر لا کر سب پر ایک ہی حکم لگا دو کہ بدعت جہنم جانے کا سبب ہے، ایسا نہیں۔ فرمانے لگے:

ایک ہے بدعت ہدیٰ کہ جو پوری کی پوری ہدایت پر مشتمل ہے اور دوسری گمراہی والی ہے۔ لہٰذا محبوب علیہ السلام کے فرمان کا یہ مطلب ہے کہ جو گمراہی والی بدعت ہوگی اس کی وجہ سے بندہ جہنم میں جائے گا۔ اس بدعت کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں لیکن جو بدعت ہدیٰ ہے، یہ وہ ہے کہ جو اللہ کے ہاں ایک محبوب عمل ہے اور ایسے امر کی اللہ کے ہاں تعریف کی گئی ہے ابھی میں بدعت کے اجمال کو بیان

بدعت کی اقسام

بدعت کی ابتدائی یہ دو قسمیں ہیں اور پھر آگے ان میں مجموعی طور پر پانچ قسمیں بنتی ہیں۔

امام عزّ بن السلام نے اپنی کتاب قواعد الاحکام کی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 172 پر تفصیل سے اس کی بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں:

نمبر 1 بدعت واجبہ

نمبر 2 بدعت محرّمہ

نمبر 3 بدعت مندوبہ

نمبر 4 بدعت مکروہہ

نمبر 5 بدعت مباحہ

ان میں سے ہر ایک کی وضاحت کرتے ہیں۔

بدعت واجبہ

یہ وہ بدعت ہے جس کا کرنا واجب ہے۔ وہ بدعت تو ہے مگر اس کا کرنا واجب اور ضروری ہے۔ مثلاً بدعت واجبہ ہے اس میں یہ نہیں کہ اگر کر لو تب بھی ٹھیک

کسی طرح بھی قبیح نہیں کہا جائے گا۔ جس طرح کہ نماز ہے، اس کا ثبوت آپ کے عہد میں ہے۔

اب ایک شخص سورج کے طلوع ہونے کے بعد نماز پڑھتا ہے، وقت مکروہ گزر چکا تھا یا دن کے کسی بھی ایسے ٹائم میں دو نفل نماز پڑھتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ تو اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کو ہو بہو سنت سے ثابت کرو کہ یعنی 2:25 دو بج کر پچیس منٹ پر نفل پڑھنا جائز ہے تو سنت ایسی نہیں ملے گی مگر یہ ایسی بدعت نہیں ہوگی جو گمراہی بن جائے۔

بدعت ہوگی کہ نیا کام تو ہے مگر کیسا، جو سنت کے نیچے آگیا ہے یعنی وہی حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک بار ثابت ہو جائے گا۔ وہ سارے ٹائم جو مکروہ نہ ہوں ان کے اندر عبادت کرنے کے لئے کافی ہے۔

لہٰذا اگر بعینہٖ معین کر کے اس کا نام رکھا جائے وہ بظاہر ایک نیا کام بھی کہلا سکتا ہے مگر وہ گمراہی کا سبب نہیں بنے گا۔ جس نے اس وقت میں نفل پڑھے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ثواب کا مستحق بن جائے گا۔

اس وقت میں نے پانچ آئمہ کرام کے حوالہ جات پیش کئے جب کہ درجنوں ایسے آئمہ کرام کے حوالہ جات موجود ہیں کہ جن میں بدعت کو باقاعدہ تقسیم سے سمجھا گیا اور اس کی روشنی میں

کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

کے مفہوم کو واضح کیا گیا۔

باتیں آگئیں۔

اور یہ نحو پھر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں پھلی پھولی ہے اور بالخصوص عراق کی سرزمین کے دوشہر نحو کا ستون ہے۔ کوفہ و بصرہ کے لوگوں کی بات نحو میں حتمی مقام رکھتی ہے۔ اکثر نحو کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ کوفی کا قول ہے اور یہ بصری کا قول ہے۔

لہٰذا اس طرح قرآن پڑھا جائے گا اب قرآن کو سمجھنے کے لئے نحو کو پڑھنا لازم ہے۔ اور نحو صفہ والوں نے نہیں پڑھی، نحو بعد والوں نے پڑھی ہے۔ صفہ والے نگاہوں سے جو سرکار ﷺ کو دیکھ کر پڑھ لیتے تھے، ہمیں وہ نحو کی کروڑوں کتابوں سے بھی نہیں آتا۔ سید عالم ﷺ کے زمانے میں نحو کا بحیثیت علم نحو کوئی تصور نہیں تھا، نہ نحو کوئی پڑھائی جاتی تھی، نہ اس کے مدارس تھے، نہ اس کے اساتذہ تھے، نہ طالب علم تھے لیکن بعد میں پوری امت میں ہر عالم جو عالم بنا ہے، نحو پڑھ کے بنا ہے۔

تو اس نے ایک نیا کام، نئی چیز اور نیا فعل کیا اور فعل کر کے وہ اللہ کے دربار کا دھتکارا ہوا نہیں بنا بلکہ پیارا بن گیا ہے کہ اس کو قرآن سمجھنے کی توفیق آگئی ہے تو یہ ایک نیا کام کروایا گیا۔ بحیثیت نصاب ڈیوٹی کے ساتھ اور بڑی محنت کے ساتھ جگر پگھلا کے لوگوں نے نحو کو پڑھا۔

وہ کیا کر رہے تھے دین میں ایک نیا کام کر رہے تھے اور وہ کام بھی واجب سمجھ کے کر رہے تھے اور اس سے بدعت کا ارتکاب نہیں ہو رہا تھا، بلکہ سنت ہی کی تشریح ہو رہی تھی لہٰذا یہ کام نیا ہے مگر کرنا واجب ہے۔

ہے، نہ کرو تب بھی ٹھیک ہے۔ بلکہ اس کا کرنا لازم ہے۔

مثال کے طور پر نحو کا علم یعنی قرآنِ مجید کی گرائمر جاننا۔ اب کوئی لینگویج (language) ایسی نہیں ہے جو گرائمر کے بغیر سمجھ میں آجائے، تو ہم پر قرآن پڑھنا لازم، واجب ہے۔ اس کی سمجھ تب آتی ہے جب گرائمر آتی ہو تو جو واجب کا موقوف علیہ ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

قرآن سمجھنا واجب ہے اور قرآن کی سمجھ نحو سے آتی ہے۔ پورے قرآن کا سمجھنا فرض کفایہ ہے، پورے قرآن مجید کو ستر مربع میل کے اندر اگر ایک بندہ بھی نہیں سمجھے گا تو سب گنہگار ہو جائیں گے اور اگر ایک پورا قرآن سمجھ جائے گا تو سب کا فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ پھر قرآن سمجھنے سے مطلب ہے اصول و فروغ پر حاوی متبحر عالمِ دین بننا۔

اب وہ تب سمجھے گا جب اس کو نحو آتی ہو گی اور نحو اس کو تب آئے گی جب وہ ایسا نیا کام کرے گا کہ جس کا عہد نبوی ﷺ میں کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔ اس وقت نہ نحو کی کوئی کتاب تھی، نہ کوئی نصاب تھا۔ نحو کی بحیثیت علم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنیاد رکھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود دوئلی کے ذمہ لگایا کہ تم قرآن و سنت کی مہارت رکھتے ہو اور تم اصول بنا دو کہ پیش کہاں پڑھنی ہے، زیر کہاں پڑھنی ہے، زبر اور ضمہ، فتح، کسرہ کے سارے اصل بنائے، اس وقت نحو کا بیج بویا گیا اور پھر اس کے اندر نحوی آتے گئے اور ان کی کتابیں آتی گئیں۔ کتاب سیبویہ آگئی اور اس طرح کی

محبوب علیہ السلام کا ہر ہر جملہ بھی محفوظ رکھا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے پینسٹھ علوم ایجاد کر دئے ہیں، یعنی اصول حدیث پینسٹھ ٦٥ علوم پر مشتمل ہے اور ہر علم کے اندر پچیس پچیس جلد کی کتابیں ہیں۔ اتنی ذہانت اس امت میں آئی اتنی اللہ نے ان کو شان دی کہ انہوں نے ایسے نئے علوم بنائے کہ جس کی وجہ سے حدیث پر پہرہ ہو۔ سند میں راوی کے حالات، راوی کے طبقات، راوی پر جرح و تعدیل اور پھر صیغے اور پھر روایت کے انداز اور اسناد کی قسمیں اور حدیث کے بیان کی قسمیں، یہ ساری چیزیں انہوں نے خود بنائی ہیں اور اس وقت یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حدیث ایک ہی طرح کی تھی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سنی ہے اور ان پر ماننا یوں لازم ہے جیسے قرآن کو ماننا لازم ہے۔ یہ جو قسمیں بن گئیں کہ یہ ضعیف ہے، یہ متروک ہے، یہ شاذ ہے، یہ موقوف ہے، یہ مرسل ہے اور یہ صحیح ہے۔

یہ قسمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے تو نہیں بنائیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں بنائیں۔ بعد میں جا کے بنی ہیں اور اب ان کو پڑھنا لازم ہے اور ان کا سمجھنا ضروری ہے اور بحیثیت نصاب عبادت سمجھ کے ان کو پڑھا جاتا ہے اور ثواب کے لئے ان کا درس دیا جاتا ہے اور ثواب کی نیت سے ان کے لئے طلبہ کو جمع کیا جاتا۔ یہ کام نیا ہے جو بہت بعد میں شروع ہوا مگر کرنا ضروری ہے۔ اور اس کو دین سمجھ کے کرنا ضروری ہے اور یہ بدعت نہیں بلکہ یہ پوری کی پوری سنت ہے۔ اب یہ وہ بدعت ہے کہ جس کا کرنا واجب ہے، اس کی اور بہت سی اقسام ہیں لیکن وقت مختصر ہے۔

بدعت محرّمة

اگر مطلقا ہر نئے کام کو جہنم جانے کا سبب قرار دے دیا جائے تو پھر امت کے آئمہ میں سے بچے گا کون؟ امت کے علماء مجتہدین میں سے بچے گا کون؟ یہ سارے ہی تو اس نحو کی پیداوار ہیں۔ نحو پڑھ کے اس مقام پر پہنچے ہیں۔ اس واسطے یہ ایک بدعت ہے، نیا کام تھا مگر اس کا کرنا واجب تھا۔ ایسے اس کے سوا بہت سی چیزیں ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن و سنت کے غریب الفاظ کو یاد کرنا۔

غریب کا مطلب یہ ہے کہ جو مشکل ہوں، ڈفیکلٹ (difficult) الفاظ ہیں ان کے معانی ڈھونڈھنا یہ بھی قرآن سمجھنے کے لئے لازم ہے اب اس کے لئے باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں۔ مثلاً امام راغب کی کتاب المفردات ہے اور حدیث میں النہایہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔ جو حدیث کے مشکل الفاظ کی وضاحت کرتی ہے۔

اب یہ کتابیں لکھنا پہلے نمبر پر ایک نیا کام تھا پھر ان کو پڑھنا ایک نیا کام ہے مگر ہیں دونوں لازم۔ اس واسطے اگر ہم نہیں پڑھیں گے تو حدیث کی سمجھ نہیں آئے گی۔ قرآن کی سمجھ نہیں آئے گی، قرآن پڑھنے کا فائدہ کیا ہوگا۔ تو اس واسطے مشکل معانی کے الفاظ کی ڈکشنریاں (Dictionary) تیار کرنا اور ان کو یاد کرنا، پڑھنا پڑھانا۔ یہ سارا ایک نیا کام تھا بعد میں شروع ہوا ہے مگر اس کو دین کے اندر لازم سمجھا گیا ہے۔

ایسے ہی خود حدیث شریف ہے۔ تو اس میں اصول حدیث ہے اور یہ اس امت کی شان ہے کہ اس نے ساری امتوں کو اس میدان میں پیچھے چھوڑا ہے۔ باقی امتیں اپنے پیغمبروں پر اتری ہوئی کتاب کو محفوظ نہ رکھ سکیں اور اس امت نے اپنے

ہیں۔ ہم خود کچھ بھی نہیں کر سکتے تو وہ بدعت کر رہے تھے

ہم درمیان میں اہلسنت و جماعت ہیں ہم نے کہا کہ خالق کائنات جل جلالہٗ کے اذن کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا اور طاقت وہی دیتا ہے لیکن اس کو استعمال بندہ اپنے اختیار سے کرتا ہے، چونکہ بندہ کاسب ہے لہٰذا اچھا کسب کرے گا ثواب پائے گا، برا کرے گا تو عذاب پائے گا۔ اور کسبِ فعل کی نسبت بندے کی طرف ہوگی مگر فعل کو پیدا کرنے کی جو طاقت ہے اور قوت ہے وہ بندے نے خود پیدا نہیں کی بلکہ رب ذوالجلال نے عطا فرمائی ہے تو اس وقت جب قدریہ، جبریہ، مرجئہ جیسے لوگ پیدا ہوئے۔

یہ بدعتی ہیں، یہ بدعت محرمہ ہے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا، یہ جہنمی بننے والے ہیں اور دین کے اندر ایسے شعبے جس کو وہ ثواب سمجھتے ہیں کہ ہم دین میں اچھائی پیدا کر رہے ہیں انہوں نے یہ کام کئے۔ یہ قرآن وسنت کے منافی ہیں۔ اس واسطے یہ بدعت ضلالہ ہے۔ یہ بدعت قبیحہ ہے، مستقبحہ ہے، مذمومہ ہے۔ یہ ان کے جہنم میں جانے کا سبب بن جائے گی۔

بدعت مندوبہ

بدعت مندوبہ مدارس کا بنانا ہے، سماجی خدمت کے کام کرنا، راستے پر نلکا لگوا دینا۔ کسی نہر پر پل بنا دینا، یہ ساری بدعات ہیں۔

مدرسہ میرے آقا ﷺ کے زمانے میں جس کو باقاعدہ مدرسہ کی شکل دی گئی ہو کوئی بلڈنگ مدینہ میں ایسی نہیں تھی۔ صرف صفہ کا چبوترا تھا اور وہ کائنات میں

یعنی وہ نیا کام جو حرام ہو یہ وہ کام ہے جس کا شریعت میں مواخذہ ہے کہ ایسا بدعتی کوئی نہ بنے اور بدعت محرّمۃ کا ارتکاب کوئی نہ کرے یا مکروہہ کا ارتکاب کوئی نہ کرے۔ مثال کے طور پر جس طرح قدریہ کا مذہب ہے، جبریہ کا مذہب ہے، مجسمہ کا مذہب ہے، معطلہ کا مذہب ہے۔

جبریہ انسان کو مجبور محض ماننے لگے اور قدریہ قادر مطلق ماننے لگے اور مجسمہ والے اللہ کا جسم ماننے لگے اور مرجئہ کہنے لگے بس رحمت الٰہی کافی ہے۔ عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مشبہ اور معطلہ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے ایک عقل کو پیدا کیا تھا پھر فارغ ہے۔ باقی سب کچھ عقل کر رہی ہے تو یہ نظریات بدعت ہیں ان کی وجہ سے اسلام میں نئے دروازے کھلے اور ان فرقوں نے نئی راہیں بنائی اور یہ قول رب ذوالجلال کے بارے میں کرنا حرام ہے۔ رب ذوالجلال کے ہوتے ہوئے ہم کہیں کہ ہم اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: ۹٦)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے فعل کو بھی پیدا کیا۔

اب میرا ہاتھ جو جنبش کرتا ہے تو اس فعل کا خالق بھی اللہ ہے اس واسطے جس وقت کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ سب کچھ ہم خود کرتے ہیں۔ ہم خود مالک ہیں، اور ہم قادر مطلق ہیں۔ اللہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے بغیر چل رہے ہیں یہ بدعت تھی۔

اور دوسری طرف جنہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں عذاب کیوں دیتا ہے، ہم تو پتھر

بدعت مکروہہ

بدعت مکروہہ یہ ہے کہ جس طرح شوافع کے نزدیک مسجد میں نقش ونگار کرنا، احناف کے نزدیک نقش ونگار مکروہ نہیں ہے۔

پکی مسجدیں بنانے سے تو منع کیا جاتا تھا لیکن زمانہ بدلا پوری کالونی کوٹھیوں کی ہو اور اللہ کا گھر کچا ہو تو یہ کوئی تصور اچھا نہیں بنتا تھا۔ لہٰذا کہا گیا مسجد بھی پکی بنالو خوبصورت بنالو اور کئی منزلہ بنالو۔

اسلام میں کئی منزلہ مسجد نہیں تھی یہ سب کچھ ہوا اور اس کو جائز سمجھا گیا اب جس وقت اس کا جواز مانتے ہیں اور اس میں اکثر تو کراہت بھی نہیں مانتے اور بالکل اس کو مباح مانتے ہیں اور کچھ لوگ نقش ونگار طلب ثواب کے لئے کرتے ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ بعد میں پیدا ہونے والی بعض چیزیں حرام نہیں ہیں بلکہ مباح و جائز بھی ہیں۔

اس لئے ایسے شتر بے مہار بن کے کہہ دینا کہ جو بھی نئی چیز ہے وہ بدعت ہے اور جو بدعت ہے وہ جہنم جانے کا ذریعہ ہے تو یہ بات ہرگز درست نہیں ہے یہ لوگ سوچے بغیر بمباری کرتے ہیں اور ان کو عقل نہیں ہے کہ کتنے اچھے کام پھر اس کی وجہ سے ترک کرنے پڑ جائیں گے کہ

کسی آنے والے طوفاں کا ڈراوا دے کر
ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

اور پہلے ہی سارا سلسلہ جو اسلام کے اندر بندگی اور ریاضت کا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے ایک واویلا شروع کر دیا ہے۔ جب پورا دین ہم اس کی

کروڑوں مدارس کے لئے بیج ہے، وہاں کا ذرہ ذرہ کائنات کا مدرسہ بن گیا لیکن جو ہمارے ہاں مدارس بنے ہوئے ہیں اور جن کو ہم مدرسہ کہتے ہیں جن کو چلانا ثواب سمجھتے ہیں اور جن میں اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں اس طرح کے نصاب والا اور ایسی بلڈنگ والا تو ایک مدرسہ بھی عہد نبوی میں نہیں تھا یہ مدارس سارے کے سارے بعد میں بنائے گئے، ان کے نصاب بعد میں بنے، ان میں پڑھائی جانے والی کتابیں بعد میں لکھی گئیں، ان میں جو ختم بخاری ہوتا ہے اس بخاری کا بھی عہد نبوی میں کوئی وجود نہیں تھا، بعد میں سب کچھ آیا ہے لیکن سب کرتے ہیں تو ثواب سمجھ کے کرتے ہیں، کبھی تم نے دیکھا ہے جو بدعت کی رٹ لگاتے ہیں انہوں نے یہ سوچا ہو کہ ہم نے جو مدرسہ بنایا ہے اور جس شیپ کا بنایا ہے۔ یہ عہد نبوی میں تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے تو ایک صحابی کا اونچا مکان دیکھا تھا جب وہ ملنے آئے تھے تو آپ ﷺ نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ فرمایا: تم نے اونچا مکان کیوں بنایا ہے تو یہ دس دس منزلہ مدارس کا تصور کہاں موجود تھا۔

اصل چبوترہ تھا تو اس چبوترہ سے دس منزلہ بنانا اگر اس کو دین سمجھا گیا ہے تو پھر ماننا پڑے گا اگر اصل موجود ہو تو پھر نیچے اس کے لحاظ سے جو بھی کام آئے گا وہ سنت کا حصہ ہوگا۔ اگر محبوب علیہ السلام نے تبوک جاتے وقت کھانے کے اوپر چند منٹ کی دعا مانگی ہے تو ہمارے لئے پورا ختم شریف ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ اصل موجود ہے اور نیچے اس کی فرع کو قابلِ ثواب سمجھا جائے گا۔ یہ بدعت مندوبہ ہے۔

کی مٹھی پر ہفتہ گزارہ کرنے والے ہوں ان کی سنت اس وقت یاد نہیں آتی جب اپنے ہمہ جہت اور ہمہ نوع کھانے ہوں، پینے کی چیزیں ہوں اور سب کو جائز سمجھا جائے اور اگر یہ اضافہ دین کے اندر جائز ہے اور یقیناً جائز ہے کہ اللہ نے نعمت دی ہے اور محبوب علیہ السلام کا حکم ہے۔ نعمت کا اثر نظر آنا چاہئے اگر رب نے دیا ہے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر پھر انصاف بھی کرنا چاہئے۔

اگر اپنا دس قسم کا کھانا ہو تو بدعت نہیں ہے تو پھر غوث پاک کی گیارہویں کو بھی بدعت نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ سوچنا چاہئے، یہ انصاف کرنا چاہئے، یہ عدل کا تقاضا ہے، ایک معیار ہو اور ایک کسوٹی ہو۔ ایک طرح دین پر سوچا جائے۔ یہ لوگ شریعت گھیر گھیر کے قبروں پر لے آتے ہیں۔ قبر اونچی نہیں ہونی چاہئے تو کیا یہ جائز ہے کہ حرم کے ساتھ بیس منزلہ محل بنایا جائے، یہ کس شریعت کا حصہ ہے۔ قبروں پر تو وہ لونڈے جوتوں سمیت چلیں جن پر محبوب ﷺ نے ایک کہنی رکھنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی اس وقت شریعت کا پتہ نہ چلے اوروں کی طرف دیکھیں تو بدعت ہی بدعت نظر آئے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے سنت کا علمبردار بنایا ہے اور سنت کے آئینے میں بدعت کی جو حیثیت ہے اس کو ہم جانتے ہیں اگر یہ لوگ اپنے گریبان میں جھانکیں تو خدا کی قسم بات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ انہوں نے حجاز مقدس میں جو اسلام کا مرکز ہے وہاں پر ایسی بدعات کا جال پھیلا رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے سر ندامت سے جھک گئے ہیں کیونکہ مرکز میں کچھ ایسے بدعتی لوگ آگئے کہ جنہوں نے

تعریف کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمارے موقف کی حمایت کر رہا ہے۔

اگر نیا کام قرآن وسنت کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو وہ بدعت ہے اس کے قریب نہ جاؤ لیکن اگر اسی کی تشریح کر رہا ہے تو پھر وہ سنت کا حصہ ہے۔ اس پر عمل کرو گے سنت والا ثواب مل جائے گا۔

بدعت مباحہ

تَوَسُّعٌ فِي الزَّائِدِ مِنَ الْمَاكِلِ وَالْمَشَارِبِ

''کھانے پینے کی چیزوں کی فراوانی بے کار بند ہونا''

اب جس شخص کو بدعت کے خلاف بغیر سوچ سمجھے بولنے کا مرض ہے اور سمجھتا ہے کہ میں سنت کا علمبردار ہوں تو وہ بتا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پہننے میں سنت طریقہ کیا تھا اور کتنے سوٹ تھے۔ جہاں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو چادر ایک ہی ہو جو پہن کے جہاد کر رہے تھے وہی چادر کفن پر تھی جو سر پہ دیتے تھے، قدم ننگے ہو جاتے تھے، قدم پر دیتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔

اب سنت تو یہ بھی ہے اور جو شخص اگر آج بیس جوڑے کپڑوں کے رکھتا ہے اس نے بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلام میں تو اس طرح کے فینسی کپڑوں کا، اس طرح کے رنگوں والے کپڑوں کا اور اتنے نزاکت والے کپڑوں کا کوئی تصور نہیں تھا۔ وہاں جو ہفتہ ہفتہ کھجور پہ گزارہ ہوتا تھا اور آج دن میں ایک وقت کا کھانا دس ڈشوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو اس وقت ان کو بدعت کا معنی یاد نہیں آتا کہ ہمارے دستر خوان اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دستر خوان میں فرق کتنا ہے وہ رسول اکرم ﷺ جو جو

اب بدعت کے ساتھ ایک قید ہے یہ سب کے نزدیک عام مخصوص البعض ہے۔ ویسے تو کہا جاتا ہے:

كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

ہر بدعت لیکن یہ عام مخصوص البعض ہے یعنی ہر بدعت مذمومہ ضلالت ہے۔ ہر بدعت قبیحہ ضلالت ہے۔ ہر وہ بدعت جو قرآن وسنت کے خلاف ہو وہ ضلالت ہے۔

اب جس وقت اللہ تعالیٰ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا ذکر کرتا ہے تو فرمایا ہے:

اٰتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا (الکہف: ۸۴،۸۵)

ہم نے اسکو ہر چیز کا ایک ساماں عطا فرمایا تو وہ ایک سامان کے پیچھے چلا

تو کیا آج جو ہمارے پاس اسباب ہیں یہ بھی ذوالقرنین کو دیئے تھے۔ نہیں دیئے تھے تو پھر ہر کیوں کہا تو جو اس وقت معتبر تھے جن کی ضرورت تھی وہ سارے دے دیئے تھے۔ اب لفظ کل بھی ہے اس کے باوجود کچھ فرد پیچھے بھی ہیں یعنی کل اکثر یہ ہے کل حقیقیہ نہیں ہے۔

کچھ افراد کل سے باہر بھی ہیں ایسے ہی کل بدعۃ میں، کل ہے لیکن اس کے باوجود کچھ بدعت کے افراد کل سے باہر بھی ہیں وہ کون سے افراد ہیں کہ جن میں ان چار امور کی مخالفت نہیں ہوتی ان کو بدعت ایسے معنیٰ میں جو ضلالت وگمراہی ہو جہنم میں جانے کا سبب ہو، ایسا نہیں سمجھا جائے گا۔ ضلالت کا حکم اس بدعت پہ لگایا جارہا ہے کہ جو مذمومہ ہے۔ یہ قید سارے آئمہ نے اس حدیث شریف کے اندر یونہی لگائی ہے جیسے قرآن مجید کے اندر سارے قید مانتے ہیں۔

اسلام کی عظمتوں کو اس انداز میں مسمار کردیا ہے وہ امریکہ کی گود میں بیٹھ کے کعبہ کی رکھوالی کرنے والے لوگ انہیں خود یاد آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِيَّایَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ: ۴۱)

ڈرو تو صرف مجھ سے۔

غیر مسلوں سے گٹھ جوڑ کی کیا ضرورت ہے عرب علاقوں میں انکو اڈے دینا کیا بدعت نہیں ہے۔ اسلام ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو

شرح الحدیث

یہ پانچ قسمیں بدعت کی جو میں نے بیان کی ہیں۔ اب ان کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا حدیث شریف کی شرح کیجئے۔

شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا

کاموں میں سے برے کام وہ ہیں جو نئے بنائے گئے ہوں۔

ان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور باقی تمام کے اقوال کی روشنی میں نے بیان کیا کہ وہ نئے جو قرآن کے خلاف ہوں یا سنت کے خلاف ہوں یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آثار کے خلاف ہوں اور ان کے اوپر کوئی اصل موجود نہ ہو، وہ نئے کام برے ہیں اور ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

ہر بدعت ضلالۃ و گمراہی ہے۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

کل بدعۃ میں اگر ہر نیا کام لانا ہے کہ کوئی بھی باہر نہیں رکھیں گے تو پھر اس ہر میں خلفاء کا کام بھی ضرور آئے گا کہ جو نیا ہوگا اس کو پھر بدعت ماننا پڑے گا۔

اور بدعۃ سیئۃ ہوگی تو پھر معاذ اللہ خلفاء پہ عدم اعتماد ہو جائے گا۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ماننا پڑے گا کہ خلفاء راشدین کے جو کام ہیں وہ اگر نئے بھی ہونگے وہ پھر بھی اسلام ہوگا اس کو بدعت کے زمرے میں نہیں رکھا جائے گا۔ جب ایک فرد وہاں کل کے نیچے سے نکل آیا تو اس کے ساتھ اور افراد بھی باہر نکل آئیں گے۔ اور یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہے اس کو ماننا پڑے گا۔

اس واسطے کہ میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ جو صحابہ کا کام ہوگا۔ اگرچہ نیا ہوگا مگر اس کو بدعت نہ کہنا، یہ سنت ہے۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

تجھ پر میری سنت بھی لازم ہے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت بھی لازم ہے۔

دوسری دلیل

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کام نیا کیا۔ نماز تراویح باجماعت ایک امام کے پیچھے پڑھنا ایک نیا کام تھا لیکن آپ نے اس کو بدعت بھی اور سنت بھی کہا۔ بدعت کس نے کہا، خود کہا۔

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ

یہ بدعت ہے لیکن بڑی اچھی بدعت ہے۔

اگرچہ کل آیا ہوا ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ تھا کائنات میں وہ ذوالقرنین کو دے دیا گیا، نہیں بلکہ کچھ دیا گیا اس کے باوجود لفظ کل آیا ہے۔ ایسے

كُلُّ بِدْعَةٍ

پر کل آیا ہے مگر وہ بدعتیں خارج ہیں جو سنت ہی کی تشریح کررہی ہیں اس سلسلہ میں ہمارے پاس دلیل یہ ہے۔

بدعت حسنہ سنت کی ہی تشریح کرتی ہے

بدعت حسنہ جو بدعت قبیحہ کے مخالف ہے، وہ سنت ہی کی تشریح ہے۔

اس پر حدیث شریف سے چار دلیلیں پیش کرتا ہوں کہ

كُلُّ بِدْعَةٍ

سے مراد ہر بدعت نہیں ہے بلکہ اس سے ہر وہ بدعت مراد ہے جو مذمومہ ہو۔ باقی ہر بدعت مراد نہیں ہے کہ بدعت حسنہ پر بھی حکم لگایا گیا ہو۔

پہلی دلیل

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

جامع ترمذی: ۲۶۷۶

تم پر میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت بھی لازم ہے۔

اور یہ صحیح حدیث ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ تم پر میری سنت لازم ہے اور میرے خلفاء کی سنت بھی لازم ہے۔ اب یقیناً وہ جو لفظ ہے۔

ہوگا وہ برا ہوگا۔ نہیں نہیں۔

بہت سے کام ایسے ہوں گے جو کام تو نئے ہوں گے، ثواب اس پر واجب کا مل جائے گا۔ اب قرآن جمع کرنا کتنا نیکی کا کام بنا، اس پر صحابی نے پہلے ایکشن لیا کہ دین میں یہ ایک نیا کام ہے، ہم کیوں کریں۔

اے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مجھے یہ نہ بتاؤ اور مجھ سے نہ کہو میں نیا کام نہیں کروں گا اگر یہ کرنا ہوتا تو سرکار ﷺ کروا کے جاتے۔ جب آپ نے نہیں کروایا تو تم کیوں کرواتے ہو۔ یہ سوچ تو ابھری مگر یہ صحیح سوچ نہیں تھی۔ جب اس سوچ کو مطمئن کیا اور جواب دیا کہ ٹھیک ہے کام تو نیا ہے لیکن ہم ان کے وارث ہیں، ہم کروا رہے ہیں اس کو بدعت نہ کہنا بلکہ یہ ہمارے نبی ﷺ کی سنت بن رہی ہے۔

صرف یہ ہی نہیں یہ خلفاء تک ہی نہیں رہی کہ چلو خلفاء تک مان لیتے ہیں حالانکہ

كُلُّ بِدْعَةٍ

میں کل پورا مراد لینا ہے تو پھر کسی خلیفہ کی بھی کوئی مجال نہیں ہے کہ اس کی بات مانی جائے۔ پھر تو نبی اکرم ﷺ کی بات ہے۔ لیکن اگر کوئی عموم سمجھنا چاہتا ہے تو ہمارے پاس اس کی دلیل موجود ہے۔

چوتھی دلیل

یہ حدیث شریف مسلم شریف میں اور ترمذی شریف میں بھی موجود ہے۔
میرے محبوب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهَا أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا

المسلم: ح ۱۰۱۷
ترمذی شریف: ح ۲۶۷۵

اور سنت کس نے کہا۔ سنت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خلفاء کرام علیہم الرضوان کام کریں گے وہ بدعت نہیں ہوگا بلکہ وہ میری سنت ہی ہوگی۔

تیسری دلیل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ

ترمذی شریف: حدیث نمبر: ۳۶۶۲

لوگو میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا اور انکی بات ماننا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد یہ جو بتائیں گے، وہ بات ماننا۔ اب ان کے فیصلے جو محبوب علیہ السلام کے بعد تھے ان میں بہت سے نئے کام تھے لیکن ان کو جو مانے گا وہ بدعتی بن جائے گا۔ اس معنیٰ میں کیا وہ جہنمی ہے؟ نہیں۔ جو ان کی اطاعت کرے گا اس کو محبوب علیہ السلام کی اطاعت والا ثواب ملے گا۔

دیکھو جس وقت حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان دونوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ قرآن جمع کرو تو انہوں نے کہہ دیا کہ تم وہ کام کیوں کرتے ہو جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا یہ نیا کام تھا اور دین کا تھا اور ثواب کے لئے تھا کہ قرآن جمع کرو۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ ڈٹ گئے کہ نیا کام ہے میں کیوں کروں لیکن پھر یہ کام کیا اور قرآن جمع ہوا، سارا لکھا اور یہ بیان کیا کہ قیامت تک اس سوچ کو زمین میں دفن کردو کہ محبوب علیہ السلام کے فرمان کا یہ سرسری معنیٰ لیا جائے کہ جو بھی کام نیا

ساتھ اور خلوص کے ساتھ، تو ہمیں اپنے کام کا بھی ثواب ملے گا، ان کے کام کا بھی ثواب ملے گا۔ اور صرف دو چار سالوں تک نہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ قیامت تک۔

قیامت تک جتنے اس رستے پر چلیں گے اللہ تعالیٰ ان سب کا ثواب اس بانی کو عطا فرمائے گا اور پھر جو بعد میں چلیں گے کیا ان کا ثواب کم ہو جائے گا۔ نہیں،

مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئاً

بغیر ان کے اجر سے کوئی چیز کم کیے۔

ان کا ثواب کم نہیں ہوگا۔ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ جو بعد میں آرہے ہیں ان کو اللہ کے کوٹے سے پورا ملے گا جو انہوں نے کیا اور جس نے نئے کام کی بنیاد رکھی اللہ اس کو اپنے فضل سے مزید عطا فرمائے گا۔

اب دیکھو کہ کوئی شک کی گنجائش ہے؟

کام نیا ہے جس کو لغوی طور پر بدعت کہا جائے گا مگر حدیث کی رو سے سنت کہا جائے گا، چونکہ سرکار ﷺ نے سنت کہا:

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا، نیا طریقہ رائج کیا پہلے نہیں تھا نیا بنایا، اس بندے کو اس کا اجر ملے گا۔

مَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً

جس نے کوئی برا طریقہ رائج کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے اسلام میں کوئی نیا کام جاری کیا۔

مَنْ سَنَّ جس نے سنت بنائی۔

فِی الْاِسْلَامِ اسلام میں۔

سُنَّةً حَسَنَةً اچھی سنت بنائی۔

مطلب یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں اس نے اپنی بنائی یعنی سنت سے مراد نیکی کا کوئی نیا کام شروع کر دیا جو پہلے نہیں تھا تو محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اتنا اچھا بندہ ہے اس کو اپنے کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور قیامت تک جتنے لوگ وہ اچھا کام کریں گے اس کا ثواب بھی اس کو ملتا جائے گا۔

اب ہے یہ نیا کام مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعۃ نہیں بلکہ سنت کہا ہے۔

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً

جس نے اسلام میں کوئی سنت بنائی۔

کوئی طریقہ بنایا اور ساتھ سنۃ حسنۃ کی قید بھی ہے چونکہ لغوی طور پر سنۃ طریقہ کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا برا ہو۔ اس واسطے ساتھ قید لگائی۔

سُنَّةً حَسَنَةً

جس نے کوئی اچھا طریقہ بنایا۔

مثال کے طور پر ہم نے یہ گوجرانوالہ میں فہم دین شروع کیا ہمارا یہ تیرھواں سالانہ پروگرام ہے کچھ لوگوں کا دوسرا ہے اور کچھ کا تیسرا اور کچھ کا چوتھا ہے تو ہم نے ایک اچھا طریقہ شروع کیا ہے تو ہمارے طریقے پر جو چلتا ہے انہیں اخلاص کے

منکرو! اگر ثواب کے لئے کرتے ہو اور دین سمجھ کے کرتے ہو اور نیا کام کرتے ہو تو پھر مان جاؤ یہ بدعت حسنہ ہے کہ جس کے کرنے سے رب ذوالجلال ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

محتشم سامعین!

مختصر گفتگو میں اپنی اس بات کو آگے بڑھاتا ہوں۔ بڑا اہم حوالہ ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک نیا کام ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کیا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ شریف میں گرفتار تھے۔ یہ بڑے عجیب صحابی ہیں۔ محبوب علیہ السلام مدینہ شریف میں ہیں اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ شریف میں ہیں، گھبرائے نہیں، خوش ہیں کہ محبوب کی محبت میں، میں قید میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا بندوبست کیا کہ مکہ شریف کے پورے علاقے میں انگوروں کا موسم ہی نہیں تھا لیکن جب بھی دیکھا جاتا تھا، انگور ان کے پاس موجود ہوتے تھے۔

جس وقت ان کو حرم سے باہر نکالا گیا کہ باہر چلو اب تمہارا سر اتارتے ہیں۔ یہ شہید عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل رہے ہیں۔ اور خوش ہیں کہ میں نے جس دن کلمہ پڑھا تھا تو کہہ رہا تھا۔

اے عصر حاضر گواہ رہنا چراغ الفت جلایا ہم نے
راہ وفا کے قدم قدم پر ہمارے لہو کے دیئے جلیں گے

اب میرا لہو بہنے والا ہے جب نکلنے لگے تو فرمانے لگے میری ایک چھوٹی سی تجویز ہے۔ مجھے پکڑ کے لے جانے والو!

یعنی کوئی نیا نشہ متعارف کروادیا، کوئی سینما گھر، کوئی اس طرح کی چیز، کوئی فحاشی کا نیا طریقہ، کوئی الیکٹرانک میڈیا یا پرنٹ میڈیا میں فحاشی کا نیا انداز لے آیا۔ قیامت تک جتنے لوگ اس برے رستے پہ چلیں گے جس نے بنیاد رکھی تھی سب کا گناہ اس کو ملے گا اور جو کر رہے ہیں ان کو بھی ملے گا۔

تو یہ قسمیں ہم نے بیان نہیں کیں، یہ سرکار ﷺ نے خود بیان کی ہیں کہ وانکی امت ہر نئے کام کو ایک ہی زمرے میں دھکا نہ دے دیے کہ چونکہ نیا ہے لٰہذا بدعت ہے اور جو بدعت ہے وہ جہنم ہے۔

حدیث سے ثابت ہوا

نہیں نہیں۔ کوئی نیا کام بدعت ہوگا اور ساتھ جنت کی گلی بھی بن جائے گی۔ اور کوئی نیا کام بدعت ہوگا اور جہنم کے کانٹے اس میں موجود ہوں گے اب یہاں زندوں میں رہنا ہے تو ذرہ پہچان پیدا کر کہ وہ بدعت کونسی ہے کہ جس کی مذمت کی گئی ہے اور وہ نئے کام جو اتنے متعارف ہیں۔

اب ختم بخاری ہوتا ہے۔ ہم کرتے ہیں، وہ لوگ بھی کرتے ہیں۔ کبھی ختم کے لفظ سے شرماتے ہوئے تکمیل بخاری کہتے ہیں اور کبھی تقریب بخاری کہتے ہیں مگر جو بھی کہیں اپنے کہے ہوئے سے بچ نہیں سکتے۔ اس واسطے کہ بخاری کی تقریب ہو یا تکمیل ہو وہ تب ہوگی جب بخاری ہوگی اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ بخاری تھی نہ بخاری کی تقریب تھی، نہ تکمیل تھی یا تو یہ کہو کہ دین کا کام نہیں یا یہ کہو کہ یہ ثواب کا کام نہیں۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے شہادت کے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھنے کی بنیاد ڈالی۔

اب ذرا دیکھو تو سہی کیا نماز دین نہیں ہے؟ کیا دین کا ستون نہیں ہے؟ کیا یہ نیا کام نہیں ہے؟ کیا صحابی نے نہیں کیا اور جنتی نے نہیں کیا اور جو شہادت کا جام نوش کر کے اللہ کے دربار میں پہنچنے والے ہیں۔ ظلم ہوگا ان لوگوں کا جو ہر نئی بات جو دین میں ہو اس کو جہنم کا سندیسہ بیان کریں۔

تو معاذ اللہ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جہنم میں جا رہے تھے۔ استغفر اللہ وہ جہنمی نہیں تھے، نہیں نہیں، بلکہ وہ جنتی تھے تو جو سوچ اس جنتی کی ہے، اس سوچ کو سنی سوچ کہا جاتا ہے اور وہ انداز ہمارا ہے۔ بدعت کے مفہوم کے لحاظ سے، کہ اگر چہ کام نیا تھا مگر انداز نماز کا جو پرانا تھا پہلے بھی نماز تھی، وقت کی تعیین انہوں نے اپنی طرف سے کر لی اور وقت کی تعیین کرنے سے بندہ بدعتی نہیں بن جاتا کہ جس کی وجہ سے گمراہی آجائے۔ انہوں نے اپنی طرف سے ایک نیا وقت بنالیا۔ دو رکعت نماز شہادت پڑھی ہے۔ اس کو سرکار ﷺ نے رد نہیں کیا بلکہ جب ان کا سلام سرکار ﷺ کو پہنچا ہے تو علیک سے سلام کا جواب شہادت کے بعد بھی دیا، اتنا پسند کیا۔

تو جس وقت شہادت کی نماز کے لئے وقت کی تعیین کر لی جائے تو بدعت نہیں ہے۔ تو اذان سے پہلے، اذان کے بعد اور جمعہ پڑھ کے سلام پڑھا جائے تو یہ کیسے بدعت ہے۔

اگر تعیین ہم کرتے ہیں اور معین کر کے پڑھ لیتے ہیں یا کوئی انداز ایسا موجود ہے تو اس پر کوئی شخص ہٹ (hit) کرتا ہے تو وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر

دَعُوْنِیْ

مجھے ذرا چھوڑو۔

اُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ

میں ذرا اللہ کو سجدے کرلوں۔ دو رکعتیں پڑھنا چاہتا ہوں۔

تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

ثُمَّ انْصَرَفَ

پھر پھرے اور کہنے لگے۔

لَوْلَا اَنْ تَرَوْا اَنَّ مَا بِیْ جَزْءٌ مِّنَ الْمَوْتِ لَزِدْتُّ

اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم یہ کہنا شروع کردو گے کہ موت سے ڈر کے اس نے نماز لمبی کرلی ہے تو میرا دل اور نماز پڑھنے پر بھی تھا علیحدہ کرو مگر میں اسلام کی غیرت پر بھی پہرہ دینا چاہتا ہوں کہ یہاں ایسا تصور نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ موت سے ڈرتے ہیں۔

اگرچہ دل میرا تھا کہ اور نماز پڑھوں مگر تمہیں یہ وہم پڑھنا تھا کہ موت سے ڈر کے پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس واسطے لمبی نہیں پڑھی بلکہ چھوٹی پڑھ کے آگیا ہوں۔ اب یہ ایک صحابی ہیں اور رجسٹرڈ جنتی ہیں اور انہوں نے دین میں ایک نیا کام کیا شہادت سے پہلے نماز کا کوئی تصور نہیں تھا۔ دو رکعت نماز شہادت یہ دین میں دور دور تک اس کا کوئی تصور نہیں تھا اور خود بخاری میں یہ لفظ موجود ہیں:

فَکَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ رَکْعَتَیْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ۔ (بخاری شریف: ۵۸۵/۲)

تجھے جنت میں لے جائے گی۔اس واسطے محبت ایک مستقل دلیل ہے۔

اب یہاں دیکھئے اس کی وضاحت کیسے ہوتی ہے۔حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینا آسان ہے مگر ان کے نظریے کو سمجھنا مشکل ہے۔ان کے نظریے پر قائم وہی رہ سکتا ہے جس کو آج سنی کہا جاتا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تم جہاں بھی حالات پڑھو گے۔ایک بات ان کے حالات میں ضرور آتی ہے کہ جہاں وہ ذکر آتا ہے کہ میں نے یہ بخاری کیسے لکھی تو فرماتے ہیں:

مَاوَضَعْتُ فِیْ کِتَابِیْ (الصَّحِیْح) حَدِیْثًا اِلَّا اغْتَسَلْتُ قَبْلَ ذَالِكَ وَصَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۲۸۳

میں نے بخاری میں ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل بھی کیا اور دو رکعت نفل بھی پڑھے ہیں۔

اب پوچھا جائے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو غسل کر رہے تھے تو معاذ اللہ عذاب کے لئے کر رہے تھے، نہیں، ثواب کے لئے کر رہے تھے، دین سمجھ کے کر رہے تھے، طلب ثواب کے لئے کر رہے تھے، تو دین میں نیا کام تھا۔حدیث میں کہاں ذکر ہے کہ اگر حدیث لکھنی ہو تو پہلے غسل کرو۔نماز کے لئے تو وضو ہو اور حدیث لکھنے کے لئے غسل ہو۔کہاں لکھا ہے پورے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث بھی نہیں ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحابی نہیں، تابعی بھی نہیں، بعد میں آئے ہیں۔مگر نیا کام کر رہے ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بدعتی نہیں، سنی ہیں اور وہ جنہوں نے بدعت کے دانت تیز کئے ہوئے ہیں اور ہر چیز کو بدعت کہہ کے کاٹنا چاہتے ہیں۔وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کیسے بچائیں گے۔بخاری پڑھنے کا وہ مستحق ہے جو بخاری کو بدعتی نہ مانے، سنی مانے اور سنی وہ مانے جو بدعت کی یہ

ہٹ (hit) کر رہا ہے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے شہادت کے ساتھ ساتھ بدعت اور سنت کا فرق بھی بیان فرمادیا ہے۔ اب آخری بات بیان کر کے گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عمل بیان کرنا چاہتا ہوں اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ والی بات میں نے اس لئے کی ہے کہ ہمارے پاس درجنوں ایسی دلیلیں ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی ﷺ سے پوچھے بغیر ایک نیا کام دین کا کرلیا اور سرکار ﷺ نے جھڑکی نہیں دی کہ تم کون ہوتے ہو۔ دلیل صرف محبت ہے۔

ایک شخص کے بارے میں شکایت ہوئی کہ جب بھی نماز ہوتی ہے تو یہ سورۃ اخلاص ہی پڑھتا ہے تو محبوب علیہ السلام نے مواخذہ کیا۔ فرمایا: کیوں تم یہ سورۃ پڑھتے ہو، تمہیں اور کوئی سورۃ نہیں آتی، تو انہوں نے کہا:

اُحِبُّهَا

محبوب میرا اس سے پیار بڑا ہے۔

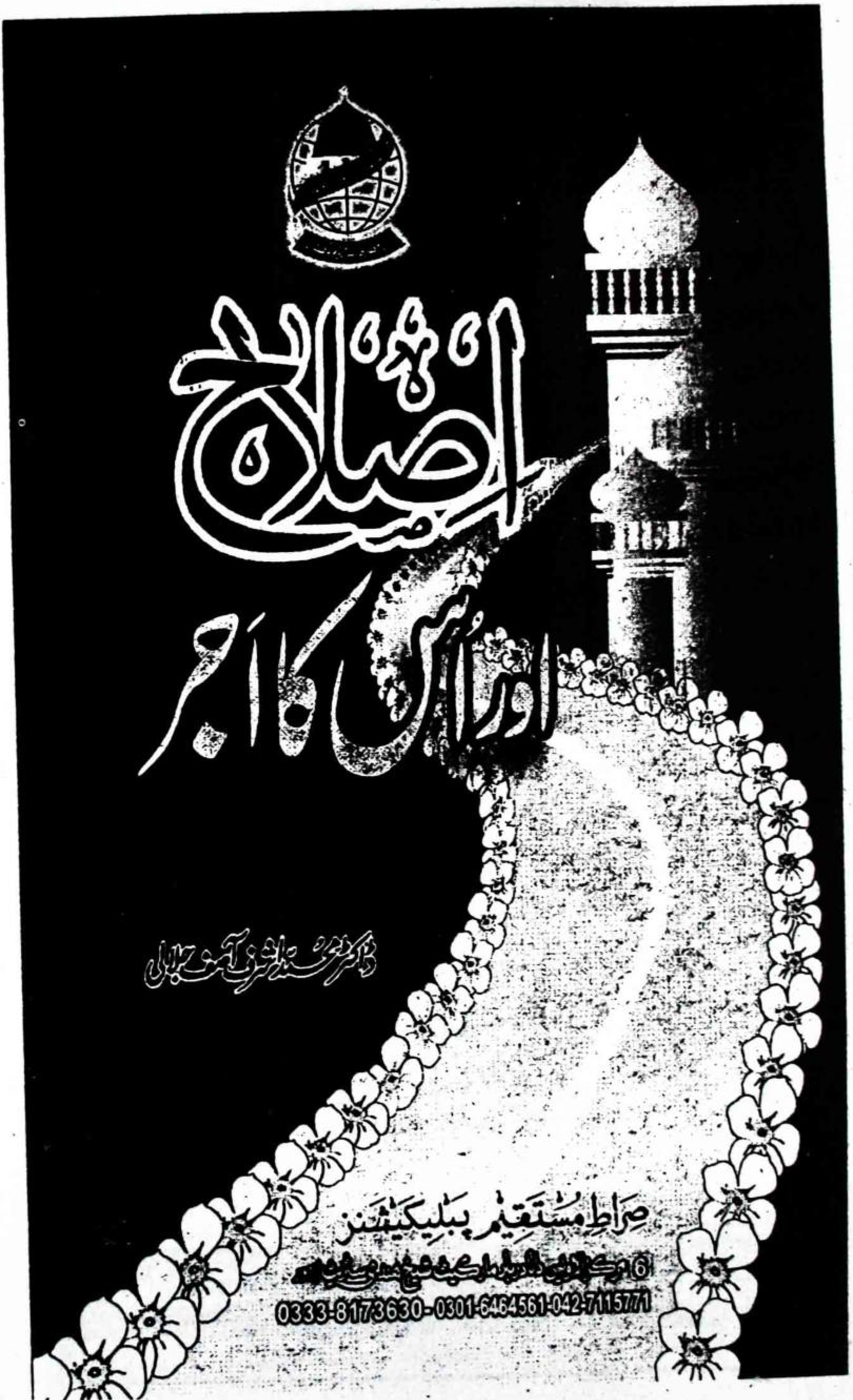
اب دلیل محبت نکلی تو میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا۔ ٹھیک ہے اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو

اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهُ اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ مشکوٰۃ شریف: ۱۸۵

تیری سورۃ سے یہ محبت تجھے جنت میں لے جائے گی۔

یہ میری دلیل ہے کہ کہیں اگر کوئی دلیل بھی نہ ہو اور کام شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ صرف محبت ہی اسکی کی دلیل ہے۔

انگوٹھے چومنے پر ہمارے پاس حدیثیں بھی ہیں مگر یہ دلیل کافی ہے اگر سورۃ اخلاص کی تعیین کرنے والا محبت کے زمرے میں جب آتا ہے تو سرکار ﷺ فرماتے ہیں۔ اگرچہ قرآن سارا اللہ کا ہے مگر تیری محبت سورۃ اخلاص سے زیادہ ہے تو یہ محبت



اصلاح اور اس کا اجر

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز

6 مرکز الاولیاء دربار مارکیٹ [illegible]

0333-8173630-0301-6464561-042-7115771

تعریف مانے جو ہم نے کی ہے۔ کام نیا تھا، دین میں تھا۔ ثواب کے لئے تھا۔ مگر پھر بھی بخاری بدعتی نہیں ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غسل کر کے نیا کام کیا ہے مگر یہ قرآن وسنت کی اپوزیشن نہیں تھی، قرآن کا رد نہیں ہو رہا تھا۔ لہٰذا دلیل ان کی محبت تھی کہ لفظ محبوب کے ہوں اور لکھے بخاری تو غسل تو ضرور کرنا چاہئے۔ محبت کی بنیاد پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غسل کیا ہے تو یہ غسل بدعت نہیں بلکہ سنت کی خوشبو بن گیا ہے۔

ایسے ہی نماز پڑھی تو کہیں بھی کتابت حدیث کے وقت نماز کا تذکرہ نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث لکھنے کے لئے دو رکعت پڑھنے لازم سمجھے ہیں اور پڑھے ہیں اور نیا کام کیا ہے۔ مگر بدعتی نہیں۔ کس بنیاد پر کہ دین کا حصہ ہے۔ یہ شرائط کے لحاظ سے قرآن وسنت کے متصادم بات نہیں ہے۔ اور دلیل محبت ہے۔ محبت کی بنیاد سرکار ﷺ کے لفظ لکھنے سے پہلے نفل پڑھوں تو آپ کے الفاظ کی شان ظاہر ہو جن کے جملوں کو لکھنے سے پہلے نفل پڑھے جائیں، اس ذات کی عظمت کا عالم کیا ہوگا۔

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نوافل ادا کرنا صحیح طریق سے ثابت ہے۔ اس کی بنیاد پر بخاری ہوں یا مسلم۔ تمام امت جس شاہراہ پر قائم رہی ہے وہ شاہراہ سنت ہے جس کے اوپر ہمیں سنت صحیحہ متواترہ بھی ملتی ہے اور بدعت حسنہ کی شکل میں جو سنت ہے اس کا طرز عمل بھی ملتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس موضوع کو سمجھ کر آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تحفظِ حدود اللہ اور ترمیمی بل

غلطیاں اور دھوکے

افادات ڈاکٹر مفتی محمد اشرف آصف جلالی

اہتمام
محمد عبدالکریم جلالی
(فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

نظرثانی: حافظ مولانا استاذ العلماء محمد رمضان اویسی صاحب

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے اہم تحفہ

محاسنِ اخلاق

- ایثار ۔ تواضع ۔ حیا
- رضا ۔ صبر ۔ عفو و درگذر

از قلم

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز 6 مرکز الاولیس دا تا دربار مارکیٹ شیخ ہندی سٹریٹ
0301-6464561-042-7115771



رسول اللہ ﷺ کی نماز

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز
۶ مرکز الاویس دربار مارکیٹ شیخ ہندی سٹریٹ لاہور
0301-6464561-042-7115771
0333-8173630

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی آیات کے
حیرت انگیز اثرات

غور و فکر	بعض آیات کے خواص
رازِ انسان	حمایت علی شہید علیہ الرحمۃ

تالیف

علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب

(ایم اے عربی، پی ایچ ڈی عربی - فاضل بغداد یونیورسٹی عراق

فاضل جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف)

ناشر: اویسی بک سٹال

جامع مسجد رضائے مجتبیٰ ایکس بلاک

پیپلز کالونی گوجرانوالہ

ہدیہ ۸/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفہوم قرآن بدلنے کی خطرناک واردات

(حصّہ پانچ)

افادات:
علامہ ڈاکٹر حافظ محمد اشرف آصف جلالی صاحب

مرتب
محمد نعیم اللہ خاں - بی ایس سی - بی ایڈ ایم اے اردو
(پنجابی - تاریخ)

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز

۶ مرکز الاویس دانا دربار مارکیٹ شیخ ہندی سٹریٹ لاہور
0301-6464561-042-7115771

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

اِدارہ صِراطِ مُستقیم پاکستان

فہمِ دین

(آٹھ جلدیں)

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

کا اہم اور اچھوتے موضوعات پر لٹریچر

جلد اول

- فہم دین اور ہماری ذمہ داریاں • محبت الٰہی اور اس کی چاشنی • منصب نبوت اور عقیدہ مومن • محاسبہ نفس اور اس کا طریق کار • فہم زکوۃ
- رسول اللہ ﷺ کی نماز • گھر کا اسلامی ماحول • آداب زبان • تعارف آئمہ اربعہ • قادیانیت کا محاسبہ • صراط مستقیم کی روشنی میں
- نظام مصطفےٰ ﷺ کی بالادستی • حل مشکلات اور عقیدہ صحابہ

جلد دوم

- اسلام میں دوستی کا معیار اور طریق کار • سود اور اسکی اقسام • ہم اور ہمارے عقائد • اسوہ حسنہ اور فیشن پرستی • مسئلہ حیات النبی ﷺ
- ترک اور تقلید کی تباہ کاریاں • مؤمن کا مقصد حیات • جہاد اور دہشت گردی میں فرق • تصوف اور اسلام • حواس نبوی ﷺ
- اوقات اور مصروفیات کا شرعی توازن • جنتی آنکھ • اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور ان کا حل

جلد سوئم

- مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ عزوجل • مفاہیم اسم محمد ﷺ • روزہ کے اسرار و رموز • امتیازات نماز • شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق
- زندگی اور اس کی اقسام • خلفائے راشدین سے حضرت علیؓ کی عقیدت • ماں کی شان اور امتحان • بدعت کا معنی و مفہوم • امتیازات نماز

جلد چہارم

- احادیث ختم نبوت • سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ • ہاں ہم سنی ہیں • ورع و پرہیزگاری کے ماڈل • طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم
- نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے • دختران اسلام کیلئے آئیڈیل کردار • عہد شباب کا اسلامی نصاب
- کاروباری شراکت کے اسلامی اصول • تحفظ ناموس رسالت ایک فرض اور قرض

جلد پنجم (زیر طبع)

- تربیت اولاد • تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ • اسلام بمقابلہ یہودیت و عیسائیت • اور دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا
- جنہیں دیکھ کر رب مسکرائے • قرآن اور تفکر کائنات • تصوف عقیدہ توحید کی معرفت • رنج والم سے نجات کا راستہ
- مسئلہ حاضر و ناظر • اے غریب الوطن اسلام کے ہم وطنو!

جلد ششم (زیر طبع)

- میرے رب سے مجھے محبت ہے • رسول اللہ ﷺ کی جسمانی نفاست • شان رسالت کی یکتائی • زکوٰۃ کے اسرار و رموز • پردہ دختران اسلام کا وقار
- عزت اور اسکے حصول کا طریقہ • قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے • میوزک خرمن ایمان کے لئے چنگاری • حق چار یار • جب سچائی خود بولے

جلد ہفتم (زیر طبع)

- پاکستان اور اہلسنت کا باہمی رشتہ • مائیں جب فرمائیں • یہود و نصاریٰ اور ہمارا جداگانہ تشخص • باپ کی شان اور امتحان
- دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش • ختم نبوت اور قادیانی کفر • شہداء زندہ ہیں • اعتکاف یادِ الٰہی میں انہماک •
- ناموس رسالت کے پہرے دار و جاگتے رہو • آئمہ محدثین اور اہل قبور سے استمداد

جلد ہشتم (زیر طبع)

- خانقاہیں اور لذت اسرار • میرے لئے اللہ کافی ہے • آرڈر پر اشیاء تیار کروانے کے شرعی احکام • رگ ملت اور نشر تعلیم جدید
- جب رسالت خود نعرہ زن ہو • حرمت شراب • انسانی حواس کا صحیح استعمال • نظام مصطفےٰ ﷺ ایک مثالی انداز حکمرانی • اسلام ہم تیرے ہیں

★ نمایاں کی گئی کتابیں الگ کتابچوں کی صورت میں بھی دستیاب ہیں۔

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6-مرکز الاویس داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش سٹریٹ لاہور

042-7115771, 0333-8173630, 0321-9407699